سوانح حضرت سلطان المشائخ

شیخ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہٗ

مطلوب الطالبین

تصنیف:

شیخ محمدؐ بلاق دہلوی

ترجمہ و حواشی:

پروفیسر لطیف اللہ

مطلوب الطالبین

سوانح حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہٗ

تصنیف،

شیخ محمد بلاق دہلوی

ترجمہ وحواشی،

پروفیسر لطیف اللہ

فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

Matloob-ut-Talibin
by
Sheikh Muhammad Bilaq Dehlvi
Translated by
Prof. Lateefullah

ISBN 969-441-025-8

ضابطہ

تاریخ اشاعت : ستمبر 97
کتاب کا نام: مطلوب الطالبین
مصنف : شیخ محمد بلاق دہلوی
مترجم : پروفیسر لطیف اللہ
طابع : فضلی سنز کراچی
تقسیم کار: فضلی بک سپر مارکیٹ
4، ماما پارسی بلڈنگ، ٹمپل روڈ،
اردو بازار کراچی
فون : 2633853 - 212991
فیکس: 2633887

شیخِ امم قطبِ حقیقت نظام　　خضر و مسیح از دمِ یحییٰ العظام

سکۂ کارش بہ فروع و اصول　　تابعِ قال اللہ و قال الرسول

زیرِفلک قطبِ زمانہ ہموست　　قطب دو گویند یگانہ ہموست

بر درِ او ہر کہ ارادت نمود　　زندۂ جاوید شد ار مردہ بود

از پئے گمراہیِ جانہا رقیب　　و زپئے بیماریِ دلہا طبیب

راہ روے کو بہ طریقِ صفا　　رفتہ قدم بر قدمِ مصطفٰےؐ

چوں دمِ الہام زدہ کامِ او　　نایبِ وحی آمدہ الہامِ او

سر کہ بزیرِ قدمش گشت خاک　　موے بمو از سرِ سوداست پاک

مفتخر از وے بہ غلامی منم
خواجہ نظام است و نظامی منم

(حضرت امیر خسروؒ)

مثنوی مطلع الانوار

فہرست

۱۔ ابتدائیہ	ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب	۷
۲۔ پیش لفظ	مترجم	۱۰
۳۔ دیباچہ کتاب	مصنف رحمتہ اللہ علیہ	۱۲
۴۔ مطلب اوّل	حضرت سلطان المشائخ کی ولادت، پدری و مادری شجرۂ نسب	۱۹
۵۔ مطلب دوم	تعلیم و تربیت	۳۱
۶۔ مطلب سوم	شیخ الاسلام فریدالدین گنج شکرؒ سے نسبت محبت، تکمیل تعلیم کے لیے ورودِ دہلی	۳۵
۷۔ مطلب چہارم	اجودھن (پاک پٹن) کی حاضری	۳۹
۸۔ مطلب پنجم	شیخ الاسلام فریدالدین گنج شکرؒ کی شفقت و مرحمت، آدابِ ارادت	۴۳
۹۔ مطلب ششم	عطائے خلافت، اقسام خلافت	۷۱
۱۰۔ مطلب ہفتم	عطائے خلافت کے بعد اجودھن سے واپسی دہلی میں رہائش گاہیں، غیاث پور میں مستقل قیام	۸۴

۱۱- مطلب ہشتم	فقر وقناعت، ریاضات و مجاہدات	۹۱
۱۲- مطلب نہم	فتوح کی کثرت انفاق فی سبیل اللہ، مخلوقِ خدا کا شب و روز رجوع ہونا	۱۰۹
۱۳- مطلب دہم	علم، عقل اور عشق کے جلوے	۱۱۶
۱۴- مطلب یازدہم	تصرفات و کرامات، مراتبِ سلوک، افراد، اقطاب، ابدال، نقبا و نجبا	۱۲۶
۱۵- مطلب دوازدہم	سماع اور بعض مجالس سماع کا ذکر	۱۵۱
۱۶- مطلب سیزدہم	حضرت سلطان المشائخ کی نمازیں اور اوراد وظایف	۱۷۶
۱۷- مطلب چہاردہم	حضرت سلطان المشائخ کی رحلت، تجہیز و تکفین	۲۱۰
۱۸- مطلب پانزدہم	خواجگانِ چشت کے شجرے، چار پیر چودہ خانوادے	۲۲۱
۱۹- مطلب شانزدہم	حضرت سلطان المشائخ کے خلفا و مریدین مصنفؒ کا شجرۂ طریقت	۲۵۴
۲۰- مطلب ہفدہم	حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظاتِ گرامی	۲۸۹
۲۱- کتابیات		۲۹۹

ابتدائیہ

محترم ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب

مطلوب الطالبین سلطان المشایخ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح عمری ہے جسے حضرت والاؒ کے خواہر زادے شیخ محمد بلاقؒ نے ۱۱۱۱ھ میں مکمل کیا تھا۔ یہ سوانح شایع نہیں ہوئی صرف خطی نسخے موجود ہیں۔ شیخ محمد بلاق نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے سوانح بھی "روضتہ الاقطاب" کے عنوان سے مرتب کیے تھے۔ یہ سوانح شایع ہو چکے ہیں۔ شیخ محمد بلاق کے حالات نہ مطلوب الطالبین میں ملتے ہیں نہ روضتہ الاقطاب سے ان کا کچھ احوال معلوم ہوتا ہے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت سلطان المشایخ کے خواہر زادے تھے۔

مطلوب الطالبین کا حوالہ سب سے پہلے پروفیسر خلیق احمد نظامی کی گراں قدر تالیف "تاریخ مشایخ چشت" میں میری نظر سے گزرا تھا۔ پروفیسر نظامی نے اپنی انگریزی تالیف "شیخ نظام الدین اولیا سوانح اور عہد" میں حضرت والاؒ کے حوالے سے "منتخب کتابیات" بھی قلم بند کی ہیں، مطلوب الطالبین کا حوالہ ان میں بھی ہے اور یہ اطلاع بھی ہے کہ اس کا قلمی نسخہ پروفیسر صاحب کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔ مجھے اس کتاب کے دیکھنے اور اس سے استفادہ کرنے کا اشتیاق تھا۔ ایک دن کراچی کے قومی عجائب خانے کی فہرست مخطوطات دیکھ رہا تھا کہ مطلوب الطالبین کا نام نظر پڑا مخطوطہ نکلوا کر دیکھا عمدہ حالت میں تھا خوش خط لکھا ہوا تھا اور ۱۲۶۳ھ کا مکتوبہ تھا۔ اگرچہ مطالعے سے یہ اندازہ ہوا کہ سہو کتابت اور اغلاط بہت ہیں تاہم استفادے سے اس نسخے کی اہمیت کا احساس ہوا اور یہ خیال آیا کہ اگر اردو میں اس کا ترجمہ ہو جائے تو عام قاری کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ فارسی جاننے والوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جارہی ہے اس لیے فارسی متن کی اشاعت میں اگر کچھ تاخیر بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اردو ترجمہ فوری طور پر شایع ہو جانا چاہیے۔

ترجمے کے خیال کے ساتھ مجھے پروفیسر لطیف اللہ کا خیال بھی آیا۔ پروفیسر لطیف اللہ حضرت سلطان المشایخ کے سچے عقیدت مند، صوفی باصفا، عالم باعمل اور سرتاپا عجز و انکسار ہیں۔ علمی تحقیق سے غیر معمولی شغف رکھتے ہیں اور انتہائی خاموشی سے بزرگوں کے کارناموں کی ترتیب و تدوین کرتے رہتے ہیں۔ فارسی سے اردو میں ترجمہ کرنے میں بڑی مہارت حاصل ہے۔ میرے ان کے برادرانہ تعلقات کو تیس پینتیس برس کا عرصہ گزر چکا ہے۔ میں نے اس سارے عرصے میں اُنھیں بزرگانِ کرام کا سچّا عاشق اور علم و ادب کا انتہائی مخلص شیدائی پایا۔ بعض نصابی کتابوں کی ترتیب میں وہ میرے شریک کار بھی رہے ہیں اور میں نے ان کی معاونت سے فائدہ بھی اُٹھایا ہے۔ حضرت سلطان المشایخ کے بارے میں میں نے جو کتابیں مرتّب کی ہیں اُن میں بھی پروفیسر لطیف اللہ کے مشورے شامل رہے چنانچہ جب میں نے اُن سے مطلوب الطالبین کا تذکرہ کیا تو انھوں نے اس کے ترجمے پر فوراً آمادگی ظاہر کی اور حسب معمول ترجمے میں پوری تندہی اور انہماک سے مشغول ہو گئے اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے نہ صرف ترجمہ مکمل کر ڈالا بلکہ ہر باب سے متعلق نہایت مفید حواشی بھی تحریر کر دیے۔

ترجمہ پروفیسر لطیف اللہ کا خصوصی شعبہ ہے انھوں نے سب سے پہلے "عین القضاۃ ہمدانی" سے منسوب ایک رسالے "غایت الامکان فی درایت المکان" کا ترجمہ کیا تھا اور اس پر بڑے مفید حواشی بھی لکھے تھے۔ یہ ترجمہ اہل علم میں بہت مقبول ہوا۔ اس کے بعد پروفیسر لطیف اللہ نے کلمات الصادقین اور ملفوظات شاہ مینا کو اردو کا جامہ پہنایا مگر ملفوظات شاہ مینا کے ناشر نے ترجمہ حواشی کے بغیر شایع کر دیا جس سے کتاب کی افادیت مجروح ہوئی۔ پروفیسر صاحب کی ایک اور اہم کتاب "تصوف اور سریت" ہے جو نہایت فکر انگیز اور اہم کتاب ہے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ اس کا ایک ایڈیشن ہندوستان میں بھی شائع ہوا ہے۔ پروفیسر صاحب نے ممتاز عالم اور بزرگ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ کے سوانح بھی "انفاس امدادیہ" کے عنوان سے مرتّب کیے ہیں۔ یہ کتاب بھی ان کا ایک اہم علمی کارنامہ ہے۔ غرض یہ کہ ان کی ساری زندگی اولیاء اللہ کی محبت سے سرشار اور علمی کارناموں سے لبریز نظر آتی ہے۔

جس زمانے میں مطلوب الطالبین کا ترجمہ ہو رہا تھا اُسی زمانے میں مجھے ساہیوال کے ایک نظامی بزرگ سے نیاز حاصل ہوا اور گفتگو کے دوران ترجمے کا تذکرہ ہوا۔ موصوف

نے فرمایا کہ مطلوب الطالبین کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے غالباً یٰسین علی نظامی نے یہ ترجمہ کیا تھا اور اُنھیں کے اہتمام سے شائع بھی ہوا تھا جس کا ایک نسخہ موصوف کے پاس موجود ہے۔ میری درخواست پر موصوف نے اس کا ایک فوٹو اسٹیٹ بھیجنے کا وعدہ بھی کیا مگر بار بار کی التجاؤں اور یاد ہانیوں کے باوجود کرم نہیں فرمایا تا آنکہ وہ مالک حقیقی سے جا ملے اب میں وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ واقعی مطلوب الطالبین کا اردو ترجمہ پہلے ہو چکا ہے یا نہیں صرف ایک زبانی شہادت تھی وہ بھی اب موجود نہیں بہر حال اگر ترجمہ مل جاتا تو تعدیل میں سہولت ہوتی اور کچھ نئی باتیں سامنے آتیں۔

مطلوب الطالبین کا موجودہ ترجمہ بڑا رواں دواں، پاکیزہ اور پروفیسر لطیف اللہ کے علمی اور ادبی کمالات کی منہ بولتی تصویر ہے۔ انھوں نے بڑی محنت اور ذوق و شوق سے یہ ترجمہ مکمل کیا ہے اور ترجمے میں دلکش اسلوب اختیار کیا ہے چونکہ حضرت سلطان المشائخ سے متعلق تمام ضروری معلومات ان کی نگاہ میں ہیں لہٰذا انھوں نے بڑے مفید اور معلومات افزا حواشی بھی تحریر کیے ہیں جس سے کتاب کی افادیت میں بڑا اضافہ ہو گیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ میری طرح مطلوب الطالبین کے اس ترجمے کا مطالعہ کرنے والے تمام قارئین کو پروفیسر لطیف اللہ کا ممنون ہونا چاہیے اس ترجمے سے "نظام شناسی" کے عمل کو تقویت پہنچے گی اور حضرت والاؒ سے محبت کرنے والوں کو سوانح کے ایک نئے انداز سے آگاہی بھی ہوگی۔ یہ ترجمہ محض ترجمہ نہیں عشق و محبت کا بھرپور اظہار بھی ہے۔

اسلم فرخی

۱۸ جمادی الاوّل ۱۴۱۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از احقر مترجم

استاذ مکرم و محترم ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب مدظلہ، کی تعمیل ارشاد میں قاضی محمد بلاق دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف "مطلوب الطالبین" کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔
یہ مرشدی و مولائی حضرت اقدس مولانا ڈاکٹر غلام محمد قدس اللہ سرہ العزیز کا فیض روحانی ہے جس نے قدم قدم پر احقر مترجم کی رہنمائی فرمائی کہ اس سے یہ مشکل کام سرانجام ہوا جو یقیناً اس کی استعداد اور صلاحیت سے فزوں تر تھا۔
استاذ مکرم نے احقر مترجم کی اطلاع کے لیے یہ بھی فرمایا تھا کہ غالباً اس صدی کی ابتدا میں کسی بزرگ یاسین علی نظامی نے مطلوب الطالبین کا ترجمہ کیا تھا لیکن یہ ترجمہ میرے مطالعے میں نہیں آیا ہے۔ احقر مترجم نے اپنے طور پر بے حد سعی کی کہ کسی طرح یہ ترجمہ دستیاب ہو سکے لیکن تمام کوششیں لاحاصل رہیں۔ اس نایافت سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید مطلوب الطالبین کا ترجمہ ابھی تک نہیں ہوا اور اگر ہو چکا ہے تو دستیاب نہیں ہے۔
مطلوب الطالبین کے دیباچے سے واضح ہوتا ہے کہ محمد بلاق دہلوی مرحوم نے یہ فارسی رسالہ اپنے مریدین و معتقدین کے اصرار پر حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہ کے سوانحی حالات کے بارے میں تحریر کیا اس اعتبار سے امیر خورد کرمانی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف سیر الاولیا کے بعد فارسی زبان میں حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ کی یہ دوسری مبسوط سوانح عمری ہے جو حضرت قدس سرہ کی وفات کے تقریباً پونے چار سو سال بعد سیر الاولیا کے نمونے پر تحریر کی گئی۔
مصنف مرحوم نے سیر الاولیا کے علاوہ فوائد الفواد، خیر المجالس اور جوامع الکلم سے جا بجا استفادہ کیا ہے نیز ایسے ماخذ سے بھی روایات نقل کی ہیں جن کے مستند ہونے کے بارے میں عہد حاضر کے محققین مطمئن نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ مطلوب الطالبین کے زیر ترجمہ مخطوطے میں سیر الاولیا، فوائد الفواد اور جوامع الکلم وغیرہ سے ایسے اقتباسات بھی منقول ہیں

جو مطبوعہ نسخوں میں سرے سے موجود نہیں ہیں۔ احقر مترجم نے متعلقہ باب کے حواشی میں ایسے تمام مقامات کی نشاندہی کر دی ہے۔

مترجم کے محدود علم و دانست میں مطلوب الطالبین کا فارسی متن کسی مطبع نے ابھی تک شایع نہیں کیا ہے البتہ جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں عرض کیا گیا شاید یاسین علی نظامی نے اس کا ترجمہ کیا تھا جو اب نایاب ہے اور دستیاب نہیں ہے۔ اس رسالے کے قلمی نسخے بعض کتب خانوں میں اور دیگر اربابِ علم کی نجی ملکیت میں محفوظ ہیں۔ احقر مترجم کے ترجمے کی بنیاد وہ مخطوطہ ہے جو نیشنل میوزیم کراچی میں محفوظ ہے اس کے علاوہ مترجم کو کوئی نسخہ حاصل نہ ہو سکا۔ یہ قلمی نسخہ سہو کتابت سے پر اور بڑی حد تک ناقص ہے البتہ خوشنما نستعلیق میں نقل کیا گیا ہے۔ اس کا نمبر این ایم ۲۱۱-۱۹۶۵ ہے۔ سائز ۷ × سوا چار انچ ہے اور ہر صفحے میں ۱۶ سطریں ہیں۔ کل صفحات کی تعداد ۲۷۲ ہے۔ تاریخ کتابت ۵ محرم الحرام ۱۲۶۳ھ ہے۔

احقر مترجم محترم ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کا بے حد ممنون ہے کہ انھوں نے اس تالیف کا ابتدائیہ تحریر فرما کر اپنی شفقت اور محبت سے نوازا۔

حق تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس کی توفیق سے مطلوب الطالبین کے ترجمے کا مشکل کام تکمیل تک پہنچا۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا و شفیعنا و حبیبنا محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین

نیاز مند

لطیف اللہ

۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

ڈی-۳، ۱/۱۹، ناظم آباد کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے خاتم النبیئین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے محکم دین کو انبیائے سابق سلام اللہ علیہم اجمعین کے طریق پر بزرگی اور فضیلت عطا فرمائی۔ نیز آپ کی امت میں کثرت سے اولیائے کبار اور مشایخ نامدار قدس اللہ اسرارہم کو پیدا فرمایا اور ان میں سے بعض کو فضیلت و امتیاز عطا فرما کر نازِ محبوبیت اور شرفِ قبولیت کے مقام پر متمکن کیا اور جن و انسان کے گروہوں کو ان کا مطیع و فرماں بردار کر دیا۔ راقم عرض کرتا ہے۔ مثنوی

(۱) الٰہی ہر کرا کردی تو مقبول
مطیعش ساختی معروف و مجہول

(۲) نہادی بر برش تاجِ ولایت
کشادی بر دلش راہِ ہدایت

(۳) ہمہ عالم ز وے پُرنور کر دی
ز نُورِ وے جہاں معمور کر دی

(۴) درِ عرفان بر وے تو کشوری
بخوانِ معرفت مہماں نمودی

(۵) بخلوت گاہِ خویشش بار دادی
حجابے از میاں بر وے کشادی

(۶) دلش را مخزنِ اسرار کر دی
رخش را مطلعِ انوار کر دی

(۷) بہ دنیا در بدیں اوصافِ بے حد
نباید جز نظام الدین محمد

(۸) ہم از درگاہِ حق آں نیک مشرب
بسلطان المشائخ شد ملقب

(۹) کسے کایں نام را از دل بخواند[۲]
خدا +++++++ رساند[۲]

ترجمہ: (۱) الٰہی جس کسی کو تو نے اپنی بارگاہ میں قبول فرمایا، ہر ایک جانے انجانے کو اس کا فرماں بردار بنا دیا۔

(۲) تو نے اس کے سر پر ولایت کا تاج رکھا اور اس کے دل پر ہدایت کی راہ کھول دی۔

(۳) تمام عالم کو اس کے وجود سے روشن کر دیا، اس کے نور ولایت سے دنیا کو معمور کر دیا۔

(۴) تو نے اس پر (اپنی ذات کے) عرفان کا دروازہ کھول دیا، اس کو معرفت کے دستر خوان کا مہمان بنایا۔

(۵) اسے اپنی خلوت گاہ میں حاضری کا شرف بخشا، جو پردہ درمیان میں پڑا تھا اس کے لیے اٹھا دیا۔

(۶) اس کے دل کو حقیقت کے رازوں کا خزانہ بنا دیا، اس کے چہرے کو انوار کا سرچشمہ بنایا۔

(۷) اگر دین اور دنیا میں ان بے شمار خوبیوں کا کوئی حامل ہے تو سوائے نظام الدّین محمد کے اور کوئی نہیں ہے۔

(۸) حق تعالیٰ کی بارگاہِ عالی سے بھی اُن نیک مشرب (ولی) کو سلطان المشائخ کا لقب عطا ہوا ہے۔

(۹) جو شخص خلوص دل سے اس نام کا ورد کرے، حق تعالیٰ +++++++ پہنچا دیتا ہے۔

ان اوراق کو تحریر کرنے والا فقیر حقیر محمد بلاق عرض کرتا ہے کہ اس چھوٹے سے مختصر رسالے کا نام "مطلوب الطالبین" رکھا گیا ہے۔ عرصۂ دراز سے محبوب مرغوب مقبول قلوب خواجہ محمد مطلوب اور دوسرے طالبین جو اس محبت کرنے والے کے دوست ہیں اس امر کے آرزومند تھے کہ برہان العارفین، حجۃ الواصلین، محبوبِ خدا، شیخ باصفا حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدّین محمد اولیاء نوّر اللہ مرقدہ، کے احوال مختصر انداز میں تحریر کیے جائیں چنانچہ ان کی فرمائش پر یہ رسالہ شگفتہ عبارت میں تحریر کیا گیا۔ راقم نے اس رسالے کے ختم ہونے کی یہ تاریخ کہی ہے۔

نمود ایں نامہ چوں روئے تمامی
شدہ تاریخ آں "سلکِ نظامی"

(ترجمہ) جب اس تحریر نے پورا چہرہ دکھایا تو اس کی تاریخ "سلکِ

نظامی" قرار پائی۔

نیز راقم اس رسالے کی تالیف، تعریف اور توصیف کے باب میں عرض کرتا ہے:

(۱) من کہ ایں تالیف را پرداختم
بوستانے بہرِ یاراں ساختم

(۲) بوستانے ساختم بس خوش بہار
لیک باصد محنت و رنج ہزار

(۳) مدتے من خاکِ ایں را بیختم
تخم بس گلہائے رنگیں بیختم

(۴) کردم از خونِ جگر ایں لالہ زار
تا تماشائے کند ہر گل عذار

(۵) ہر نہالے نو کہ آں بنہادہ ام
آبش از خونِ دلِ خود دادہ ام

(۶) ہر گلے رنگیں کزیں بستاں شگفت
راز از خونِ دلِ من باز گفت

(۷) ہر گلے سرخے کہ دارد صد زباں
باد از بادِ حوادث در اماں

(۸) نکہتِ رنگِ گل ایں بوستاں
خوردنِ خونم ہمی سازد عیاں

(۹) چوں مرتب گشت ایں باغِ بہشت
از طفیل و حرمتِ پیرانِ چشت

(۱۰) آمدہ تاریخ ایں "باغِ جناں"
تحفۂ شد از برائے طالباں

(ترجمہ) میں نے جو اس تالیف کو آراستہ کیا ہے تو گویا دوستوں کے لیے ایک باغ لگایا ہے۔
(۲) اگرچہ میں نے بہت ہی اچھی بہار کا باغ لگایا ہے لیکن اس کے لیے مجھے بہت زیادہ محنت و مشقت کرنی پڑی ہے۔
(۳) میں نے مدتوں اس خاک کو چھانا ہے اور بہت زیادہ رنگین پھولوں کے بیج بوئے ہیں۔
(۴) میں نے اپنے خونِ جگر سے اسے لالہ زار کیا ہے تاکہ یہ گلِ عذار محبوب کی تماشا گاہ بنے
(۵) ہر تازہ پودا جسے میں نے لگایا ہے اپنے خونِ دل سے اس کی آبیاری کی ہے
(۶) ہر رنگین پھول جو اس باغ میں کھلا ہے اس نے میرے خونِ دل کے راز کو افشا کر دیا ہے
(۷) ہر گلِ سرخ جس میں صدہا پتیاں ہیں اللہ تعالیٰ اسے بادِ حوادث سے محفوظ رکھے
(۸) اس باغ کے پھول کے رنگ کی مہک میرے رنج و غم کو عیاں کرتی ہے
(۹) جب بزرگانِ چشت کے طفیل اور ان کی حرمت کے وسیلے سے یہ بہشتی باغ تیار ہو گیا۔
(۱۰) تو اس کی تاریخ "باغِ جناں" [۲] برآمد ہوئی، یہ میری جانب سے طالبین کے لیے تحفہ ہے۔

اما بعد عرض ہے کہ یہ عظیم کتاب صاحبِ احترام طالبین [۳] کے اصرار پر پسندیدہ اور بہتر عبارت میں، واضح اور فصیح مضمون کے ساتھ تحریر کی گئی ہے تاکہ ہر طالب پر اس کے معانی آشکار ہو جائیں اور ہر کم ہمت اور پراگندہ حال دل پر اس کی حقیقت واضح ہو جائے۔ اس کے مضامین کی ترکیب و ترتیب کی تفصیل یہ ہے:

مطلب اوّل: حضرت سلطان المشائخ کے حسب و نسب، جائے پیدائش اور آپ کے والدین شریفین رحمتہ اللہ علیہ و علیٰ والدیہ کے مختصر حالات نیز راقم اوراق محمد بلاق کے آباو اجداد کے اجمالی ذکر سے متعلق ہے جو سلطان المشائخ قدس سرّہ، کے ارادت مند اور قرابت داری کے شرف سے سرفراز تھے۔ راقم عرض کرتا ہے:

مراچہ زہرہ کہ گیرم بہ نسبتش خود را
قبولم ار بغلامی کند شرف دارم
مگر زخادمیٔ در گہش شرف دارم[۴]

(ترجمہ) میری کیا مجال ہے کہ خود کو ان کی ذات سے کوئی نسبت دوں اگر وہ مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمالیں تو یہی میرا شرف ہے لیکن مجھے ان کے درگاہ کے خادم ہونے کا شرف حاصل ہے۔

مطلب دوم: سلطان المشایخ کی تعلیم اور علمی مقام[5] حاصل کرنے اور ظاہری علوم کی تحصیل کی تفصیل کے ذکر میں ہے۔

مطلب سوم: سلطان المشایخ کے دل میں شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر کی محبت پیدا ہونے اور اسی اخلاص اور آرزوئے دلی کے ساتھ بدایوں سے شہر دہلی آنے اور وہاں سے شیخ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خاص جائے قیام اجودھن حاضر ہونے کے بیان میں ہے۔

مطلب چہارم: سلطان المشایخ کے شہر اجودھن پہنچنے اور حضرت فرید الدین گنج شکر سے بیعت کرنے کے ذکر میں ہے۔

مطلب پنجم: سلطان المشایخ کے اپنے پیر شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں استقامت، فنائیت، عقیدت اور متابعت اختیار کرنے اور شیخ کا آپ کے حال پر شفقت و رحمت فرمانے کے بارے میں ہے۔ اسی ضمن میں بیعت و ارادت کے آداب کی تشریح [۴] اور شیخ اور مرید کے حقوق کی وضاحت کی گئی ہے اور مختصر حالات حضرت بی بی فاطمہ سام قدس سرہا کے ہیں۔

مطلب ششم: سلطان المشایخ کے اپنے پیر شیخ فرید الدین گنج شکر سے خلافت پانے کے بارے میں ہے۔ اسی سلسلے میں خلافت کی مختلف اقسام کی وضاحت اور خرقہ و کلاہ کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور باطنی خلافت کو مزید فوائد کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔

مطلب ہفتم: سلطان المشایخ کے اپنے پیر شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت سے واپس شہر دہلی تشریف لانے اور غیبی اشارے سے موضع غیاث پور میں مستقل سکونت اختیار کرنے اور خانقاہ تعمیر کیے جانے کے بیان میں ہے۔ اسی باب میں ملک یار پراں اور شیخ ابابکر طوسی حیدری رحمتہ اللہ علیہما کے مختصر حالات بھی شامل ہیں۔

مطلب ہشتم: سلطان المشایخ کے فقر و قناعت، توکل و اطاعت اختیار کرنے اور ابتدائے حال میں شہر اجودھن میں بعض ریاضات و مجاہدات کرنے اور ان پر صابر و شاکر رہنے کے بیان میں ہے۔

مطلب نہم: سلطان المشایخ کی بارگاہ میں نذرانے اور فتوح پیش ہونے اور آپ کا اُن کو اللہ کے لیے خرچ کرنے، ایثار کرنے، انعام دینے اور فقراء کو کھانا کھلانے کے بیان میں ہے۔ اسی ضمن میں بادشاہوں کا آپ کے در پر گدائی کی امید میں حاضر ہونے اور آپ کے زمانے کے سات سلاطین کا ذکر ہے، جن میں سے بعض آپ کے مخالف اور بعض موافق تھے۔

مطلب دہم: سلطان المشائخ کے عام و خاص لوگوں سے تحمل، خیر خواہی، بردباری اور دل نوازی کا برتاؤ کرنے اور اُن بعض ملاقاتوں کے ذکر میں ہے جو آپ کے اور شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتح کے درمیان ہوئیں اور جن میں دونوں بزرگ ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آئے۔

مطلب یازدہم: سلطان المشائخ کے تصرفات[۶] و کرامات، سلوک کے مراتب، ولایت کی اقسام اور محبوبیت کے مرتبے کی تفصیل کے بیان میں ہے۔ اسی باب میں امت کے ان حضرات کی جو افراد، اقطاب، ابدال، نُقبا اور نجبا وغیرہ کہلاتے ہیں اور جو عالم علوی اور عالم سفلی کے حاکم ہیں تفصیل دی گئی ہے [۵]

مطلب دوازدہم: سلطان المشائخ کے سماع سننے اور اس کے بعض فوائد اور آداب کے بارے میں ہے۔

مطلب سیزدہم: اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑانے، عاجزی کرنے اور سلطان المشائخ کے آخر عمر کی بعض ریاضتوں اور عبادتوں کے بیان میں ہے۔ اسی ضمن میں اُن نمازوں، روزوں اور اوراد کی ترتیب بیان کی گئی ہے جو آپ کے اور مشائخ چشت رحمہم اللہ تعالیٰ کے معمولات میں داخل تھے۔

مطلب چہاردہم: سلطان المشائخ رحمتہ اللہ علیہ کے بیمار ہونے اور دار دنیا سے گلشن آخرت کی طرف تشریف لے جانے اور آپ کی تجہیز و تکفین کے بیان میں ہے۔

مطلب پانزدہم: خواجگان چشت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شجرے کے مشائخ میں سے ہر شیخ کے مختصر حالات، ان کے وطن، جائے قیام، مدفن، ان کی مدت حیات اور تاریخ وفات کے بیان میں ہے۔ اس کے علاوہ مختصر طور پر چار پیر چودہ خانوادے اصل اور ان کی چودہ شاخوں کا بھی ذکر ہے۔

مطلب شانزدہم: سلطان المشائخ کے صالح اقربا، ہدایت یافتہ خلفا اور بعض مریدوں کے مختصر حالات کے بیان میں ہے۔ نیز راقم اوراق کے شجرے کی تفصیل بھی ہے جو سلطان المشائخ پر ختم ہوتا ہے۔

مطلب ہفدہم: سلطان المشائخ کے بعض کلمات اور نادر قصوں کے بیان میں ہے، جو آپ کی موتی برسانے والی اور گوہر نثار کرنے والی زبان سے ارشاد ہوئے اور جنھیں امیر حسن، امیر خسرو اور آپ کے دوسرے مریدوں نے اپنی تصانیف میں جمع کیے ہیں۔

حواشی مطلوب الطالبین

دیباچہ کتاب

۱۔ پیشِ نظر مخطوطے میں سہوِ کتابت کے باعث "اوکشودی" تحریر کیا گیا ہے۔ اس کے بجائے "توکشودی" ہونا چاہیے، چنانچہ ترجمے میں اس سہو کو درست کر دیا گیا ہے۔

۲۔ پیشِ نظر مخطوطے میں دوسرا مصرع، خدا اور رساند کے درمیان مٹا ہوا ہے اس لیے دوسرے مصرعے کا ترجمہ نہیں کیا گیا غالباً مراد یہ ہے کہ جو شخص حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ سے محبت کرتا ہے حق تعالیٰ اس کے درجات بلند کرتا ہے۔

۳۔ "باغِ جناں" کے ہر حرف کے عدد جمع کیے جائیں تو میزان ۱۱۰۷ ہوتا ہے۔ ب+ا+غ+ج+ن+ا+ن = ۲+۱+۱۰۰۰+۳+۵۰+۱+۵۰ = ۱۱۰۷ اس سے قبل مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے "سلکِ نظامی" سے سال اختتام کی تاریخ برآمد کی ہے۔

نمود ایں نامہ چوں روئے تمامی
شدہ تاریخ آں "سلکِ نظامی"

سلکِ نظامی کے اعداد ۱۱۱۱ ہوتے ہیں۔ س+ل+ک+ن+ظ+ا+م+ی = ۶۰+۳۰+۲۰+۵۰+۹۰۰+۱+۴۰+۱۰ = ۱۱۱۱۔ ظاہر ہے کہ دونوں تاریخوں میں چار سال کا فرق ہے۔ اس فرق کو کتاب کے آغاز اور اختتام سے تطبیق دینے کا بھی کوئی قرینہ متعلقہ اشعار سے پیدا نہیں ہوتا، حقیقت تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لیکن بظاہر یہ سہو ہی نظر آتا ہے۔

۴۔ پیشِ نظر مخطوطے میں یہی تین مصرعے نقل ہوئے ہیں۔ اگر یہ دو اشعار کا قطعہ ہے تو تیسرا مصرع سہوِ کتابت کے باعث نقل نہیں ہوا۔ چونکہ احقر مترجم کو مذکورہ مخطوطے کے علاوہ کوئی دوسرا مطبوعہ یا خطی نسخہ حاصل نہ ہو سکا اس لیے اس قطعے کی تصحیح ممکن نہیں ہے بہرحال تین مصرعوں کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

۵۔ اصل متن میں "دربیان تعلیم و تفرش سلطان المشائخ" نقل ہوا ہے۔ "تفرش" کے لغوی معنی "پرندے کا کسی چیز پر اترنے کے لیے پر کھولنا" ہیں۔ احقر مترجم نے مناسبت لفظی کو مدنظر رکھتے ہوئے "تفرش" کا ترجمہ علمی مقام حاصل کرنا کیا ہے۔

۶۔ تصرفات "اولیا اللہ صفاتِ الٰہیہ کی قوت سے خلق میں تصرفات کرتے ہیں مگر سب سے قوی اور سب سے وسیع تصرفات ان کے وہ ہوتے ہیں جو قلوب طالبین میں ان سے سرزد ہوں۔ ان تصرفات کے ذریعے سے گمراہوں کو وہ راہِ راست پر لاتے ہیں بدشوقوں کو صحیح ذوق و شوق کا فیضان کرتے ہیں۔ ناقصوں کو کامل بناتے ہیں۔" (سرِ دلبراں، مصنفہ حضرت شاہ محمد ذوقی رحمتہ اللہ علیہ کراچی اشاعت اول ۱۳۷۱ھ، ص ۳۲۰)

۷۔ پیشِ نظر مخطوطے میں "رضی اللہ تعالیٰ علیہم" نقل کیا گیا ہے۔ یہاں "رضی اللہ تعالیٰ عنہم" ہونا چاہیے۔ ترجمے میں یہ سہو درست کر دیا گیا ہے۔ مزید حوالے کے لیے سورۂ بینہ آیت نمبر ۸ ملاحظہ فرمائیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ترجمہ یہ ہے "اللہ تعالیٰ ان سے راضی و خوش ہے۔"

مطلب اوّل

سلطان المشائخ کے حسب و نسب، جائے پیدائش اور آپ کے والدین شریفین رحمتہ اللہ علیہ وعلیٰ والدیہ کے مختصر حالات، نیز راقم اوراق محمد بولاق کے آبا و اجداد کا ذکر جو سلطان المشائخ کے ارادت مند اور آپ کی ہمشیرہ کی اولاد ہونے کے لحاظ سے آپ سے قرابت داری کا شرف رکھتے تھے۔

راقم عرض کرتا ہے!

مراچہ زہرہ کہ گیرم بہ نسبتش خودرا
قبولم ار بہ غلامی کند شرف دارم

(ترجمہ) میری کیا مجال ہے کہ اپنے آپ کو ان کی ذات سے کوئی نسبت دوں۔ اگر وہ مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمالیں تو یہی میرا شرف ہوجائے۔

پختہ یقین رکھنے والے اور کامل اطاعت کرنے والے طالبین پر [٦] واضح ہو کہ تاریخ ہندی[1] اور حسرت نامۂ چشتیہ بہشتیہ[2] کے مصنف اور حضرت سیّد جلال مخدوم جہانیاں جہاں گشت[3] جو سیّد جلال الدّین سرخ بخاری کے پوتے ہیں، نیز دیگر مورخین نے جن کے فرداً فرداً نام لکھنے کی اس مختصر رسالے میں گنجائش نہیں ہے اپنی تصانیف میں حضرت سلطان المشائخ کے پدری اور مادری شجرۂ نسب کو امیرالمومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تک پہنچایا ہے اور ادب کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ باپ اور ماں دونوں جانب سے حسینی سید تھے چنانچہ یہاں آپ کے پدری اور مادری نسب کے دونوں شجرے علیٰحدہ علیٰحدہ تحریر کیے جاتے ہیں۔[4]

پدری سلسلۂ نسب:

سلطان المشائخ شیخ نظام الدّین اولیا، یہاں لفظ شیخ تعظیماً تحریر کیا گیا ہے۔ بن خواجہ

احمد بن خواجہ علی البخاری یہاں بھی ان دونوں بزرگوں کے نام کے ساتھ لفظ خواجہ تکریم کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ بن سیّد عبداللہ بن سیّد حسن بن سیّد علی بن سیّد احمد بن سیّد ابی عبداللہ بن سیّد علی اصغر بن سیّد جعفر[۵] بن امام علی ہادی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امام اوّل امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مادری سلسلۂ نسب:

خواجہ عرب البخاری جو سلطان المشائخ کے نانا ہیں بن سیّد ابوالمفاخر بن سیّد محمد اطہر جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے خلفا میں تھے جیسا کہ کتاب[۶] ------- میں ہے۔ بن سیّد حسین[۷] بن سیّد علی[۸] جن کا نام سلطان المشائخ کے پدری سلسلۂ نسب میں آ چکا ہے، اسی طرح آخر تک (آپ کا مادری سلسلہ پدری سلسلے کے ناموں کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہوتا ہے)[۹]

چنانچہ ان مستقر اسناد کی بناء پر حضرت سلطان المشائخ دونوں طرفوں سے حسینی سیّد ہیں اور جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰنؒ نے [۷] "نفحات الانس" میں آپ کے خالدی ہونے کا ذکر کیا ہے یہ تحقیق کسی اور کتاب میں نظر نہیں آئی[۱۰] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان المشائخ کے حسب و نسب کے حقائق صحیح طور سے مولانا تک نہیں پہنچے۔ جنھیں وہ اپنی تصنیف میں بیان کرتے، چنانچہ انھوں نے دو تین سنی سنائی باتوں کو (اپنی تصنیف میں) بیان کر دیا ہے۔ اس بیان کی بنیاد کسی بات کو ایک دوسرے سے سن سُنا کر بیان کرنا ہے، لہٰذا ایسی سنی سنائی باتیں تحقیق کے درجے میں نہیں آتیں۔

"سیر الاولیاء" میں بیان کیا گیا ہے کہ سلطان المشائخ کے دادا اور نانا شہر بخارا کے رہنے والے تھے آپ کے دادا کا نام خواجہ علی اور نانا کا نام خواجہ عرب تھا۔ دونوں ایک ساتھ بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آئے اور وہاں سے ایک ساتھ سفر کر کے بدایوں پہنچے۔ چونکہ اس زمانے میں شہر بدایوں قبتہ الاسلام کہلاتا تھا، دونوں نے یہیں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ یہ دونوں بزرگ دولت و جائداد کے مالک تھے[۱۱] پھر ایسے حالات پیدا ہوئے کہ دونوں بزرگوں کے درمیان قرابت داری پیدا ہو گئی۔ خواجہ عرب نے اپنی صاحبزادی رابعۂ عصر بی بی زلیخا کا عقد خواجہ احمد بن خواجہ علی سے کر دیا، اور دونوں خاندانوں کے درمیان قرابت

داری کے طریقوں کی بنیاد رکھ دی۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے ان دو پاک سیپیوں سے دریائے عظمت وہمت کے موتی یعنی سلطان المشائخ کو پیدا فرمایا تاکہ آپ کے وسیلے سے اہلِ عالم کو اس دنیا میں (روحانی) نشوونما اور آخرت میں نجات حاصل ہو:

آفرین خدائے بر پدرے
کہ از و ماند ایں چنیں پسرے

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کی اس باپ پر رحمت ہو جس نے ایسا لائق فرزند یادگار چھوڑا۔

نیز "سیرالاولیاء" کے مصنف نے ساتویں باب کے ہفتہ وار اور سالانہ اوراد کے نکتے میں بیان کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ سلطان المشائخ کی ولادت آخری بدھ کو طلوع آفتاب کے بعد بتاریخ ۲۷ صفر سن چھ سو چھتیس میں ہوئی[۱۲]، چنانچہ اسی باعث ہر سال (ماہ صفر کے) آخری بدھ [۸] کو آپ کے مزار مبارک کو، جیساکہ آپ کے ایامِ حیات میں سالگرہ منانے کا دستور تھا، غسل دیتے ہیں اور بطور تبرک مریضوں کو شفایابی کے لیے پلاتے ہیں۔

"سیرالاولیاء" سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ ابھی کم عمر تھے کہ آپ کے والد ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے۔ ایک رات آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی غیبی آواز ان سے کہہ رہی ہے کہ تم دو جانوں میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو، خواجہ احمد کو یا بیٹے کو یعنی سلطان المشاوخ کو۔ اس پاک دامن بی بی نے بیٹے کو منتخب کر لیا جب دن نکلا تو انھوں نے کسی سے رات کے خواب کا ذکر نہیں کیا، البتہ پورے اخلاص کے ساتھ خواجہ احمد کی تیمارداری میں مصروف ہو گئیں اور کھانے پینے کی چیزیں جن کی انھیں ضرورت تھی مہیا کرتی رہیں۔ تقریباً اسی زمانے میں خواجہ احمد رحمت حق سے جا ملے۔

"سیرالعارفین" کے مصنف کا بیان ہے کہ جب سلطان المشائخ کے والد نے رحلت فرمائی تو آپ پانچ سال کے تھے۔

"سیرالاولیاء" میں ہے کہ جب سلطان المشائخ کچھ بڑے ہوئے تو آپ کی والدہ نے آپ کو مکتب میں بٹھا دیا، آپ نے تھوڑی ہی مدت میں قرآن شریف ختم کر کے کتابیں پڑھنی شروع کر دیں۔ جب ایک بڑی کتاب[۱۳] ختم ہونے کو تھی تو استاد (مولانا علاء الدین اصولی رحمۃ اللہ علیہ) نے آپ سے کہا کہ تم ایک معتبر کتاب ختم کرو گے اس لیے تمھیں دانش مندی کی دستار بندی اور فاتحہ فراغ کا انتظام کرنا چاہیے۔ جب سلطان المشائخ

نے یہ بات سنی تو والدہ محترمہ کی خدمت میں جاکر عرض کیا۔ ان مخدومۂ عالم نے سوت کات کر ایک دستار بنوائی اور کھانے کا انتظام کیا اور شہر کے چند بزرگوں کو (مجلس میں شریک ہونے کی) دعوت دی۔ خواجہ علی بھی جو شیخ جلال الدّین تبریزی کے مرید اور قطبِ وقت تھے اس مجلس میں تشریف فرما ہوئے جب دسترخوان بڑھا دیا گیا تو سلطان المشائخ دستار کو اپنی ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے مجلس میں داخل ہوئے تاکہ بزرگوں کی موجودگی میں اسے آپ کے سر پر باندھا جائے [۹] خواجہ علی نے دستار کا ایک سِرا اپنے دستِ مبارک میں اور دوسرا سِرا سلطان المشائخ کے دستِ مبارک میں دیا۔ آپ نے اس دستار فضیلت کو بہت ہی نیاز مندی کے ساتھ باندھا۔ سب سے پہلے اپنا سر خواجہ کے قدموں پر رکھا۔ انھوں نے آپ کے حق میں دعا فرمائی کہ حق تعالیٰ تمھیں علمائے دین میں شامل فرمائے اور اس کام کی انتہا نصیب فرمائے۔ اس کے بعد آپ نے حاضرینِ مجلس میں سے ہر ایک کے قدموں پر اپنا سر جھکایا اور ان سچّے بزرگوں کی دعائیں جان و دل سے حاصل کیں۔

حضرت سلطان المشائخ کے والد خواجہ احمد کے مختصر حالات

"تذکرۃ الاصفیا" [۱۴] میں بیان کیا گیا ہے کہ سلطان المشائخ کے والد پیدائشی ولی تھے، چنانچہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کی زبانِ کرامت بیان پر کلمۂ توحید جاری تھا۔ ولادت کے وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا۔ جب آپ بلوغت کی عمر کو پہنچے تو جیّد عالم بن چکے تھے۔ آپ نے امانت و دیانت کو اپنا شیوۂ زندگی بنایا۔ بادشاہِ وقت نے آپ کو شہر بدایوں کا قاضی مقرر کرنے کی پیشکش کی لیکن چونکہ آپ کی طبیعت اس قسم کے عہدہ حاصل کرنے کی جانب مائل نہ تھی اس لیے اس پیشکش کو قبول نہیں فرمایا لیکن جب اسی روش پر زندگی گزارتے ہوئے عرصہ گزر گیا اور آپ کی امانت و دیانت، علم و حلم کا ہر طرف چرچا ہونے لگا تو بادشاہ نے حکماً شہر بدایوں کی قضا آپ کے سپرد کی۔ چونکہ آپ کو اس کام سے نفرت تھی اس لیے کچھ عرصے بادشاہ کی خواہش کا لحاظ کرتے ہوئے آپ نے قضا کا کام سرانجام دیا۔ پھر دنیا کے معاملات سے کنارہ کش ہو کر گوشۂ تنہائی اختیار کر لیا اور حق تعالیٰ کی یاد اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔ بے شمار لوگوں کو راہِ ہدایت دکھائی اور دنیا کو اپنے نورِ ولایت سے منور فرمایا۔ آپ اپنے والد خواجہ علی کے مرید و خلیفہ تھے۔ خواجہ علی کا سلسلۂ طریقت چند

واسطوں سے حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم تک پہنچتا [۱۰] ہے یعنی آپ ان کے سلسلۂ ارادت میں تھے۔ کتاب "سیر الاولیاء" کے بعض مقامات پر بمناسبت موقع بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ۶ ذی الحجہ چھ سو اکتالیس (۶۴۱ھ) کو وفات پائی اور شہر بدایوں کی حدود میں مدفون ہوئے آپ کا روضۂ متبرکہ آج بھی مخلوقِ خدا کی زیارت گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو۔

سلطان المشایخ قدس سرہ، کی والدہ شریفہ بی بی زلیخا کے مختصر حالات

"سیر الاولیاء" میں منقول ہے کہ سلطان المشایخ نے فرمایا میری ولیہ والدہ کو حق تعالیٰ کی معرفت کمال درجے حاصل تھی۔ اگر اتفاقاً کوئی مشکل پیش آجاتی تو آپ پہلے ہی اس کا انجام خواب میں دیکھ لیتیں۔ اکثر معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتیں اور اپنے کام رضائے الٰہی کے مطابق انجام دیتیں جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

"سیر الاولیاء" میں بیان کیا گیا ہے کہ سلطان المشایخ نے فرمایا اگر میری والدہ کو کوئی ضرورت لاحق ہوتی تو آپ اپنی اوڑھنی سر سے اتار کر سامنے رکھ لیتیں اور پانچ سو مرتبہ درود شریف کا ورد فرماتیں، آپ کی وہ حاجت پوری ہو جاتی۔ فرمایا ایک مرتبہ والدہ کی لونڈی کہیں بھاگ گئی چونکہ اس لونڈی کے علاوہ دوسرا کوئی خدمت گار نہ تھا آپ بے حد ملول ہوئیں۔ اسی حالت میں مصلّے پر بیٹھ گئیں اور اوڑھنی کو سر سے اتار کر سامنے رکھا اور بارگاہِ الٰہی میں التجا کی۔ الٰہی جب تک تو میری کنیز کو واپس مجھے عنایت نہیں فرمائے گا، میں یہ اوڑھنی اپنے سر پر نہیں رکھوں گی۔ اسی وقت غیب سے کوئی شخص آپ کی خدمت میں پہنچا اور آواز دی کہ اس گھر سے ایک لونڈی بھاگ گئی تھی میں اسے پکڑ کر لایا ہوں۔ یہ آواز سن کر میں گھر سے باہر نکلا، اس کنیز کو اندر لے آیا اور والدہ کے سپرد کر دیا میں آپ کی یہ کرامت دیکھ کر سخت حیران ہوا۔

"سیر الاولیاء" سے منقول ہے کہ ایک زمانے میں سلطان قطب الدّین خلجی، سلطان المشایخ کی دشمنی پر اُتر آیا اور اس نے چاہا کہ آپ کو کسی طرح گزند پہنچائے۔ اس دشمنی کا ایک سبب تو یہ تھا کہ سلطان نے ایک نئی جامع مسجد تعمیر کرائی تھی [۱۱] اور شہر دہلی کے تمام علماء و مشایخ کو طلب کیا تاکہ وہ اس مسجد میں نماز جمعہ ادا کیا کریں۔ سلطان المشایخ نے جواب میں فرمایا کہ جب ہماری خانقاہ کے قریب ایک مسجد موجود ہے تو دوسری مسجد میں نماز کے لیے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ شہر کے تمام مشائخ اور

بڑے لوگ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہ کی خدمت میں مبارکباد دینے کے لیے حاضر ہوتے تھے لیکن خواجہ حضرت سلطان المشائخ اپنے خرید کردہ غلام، اقبال خادم کو (بطور اپنے نمائندے کے) دربار میں بھیجتے تھے۔ اس صورتحال میں حاسدوں اور حریفوں کو باتیں بنانے کا موقع مل گیا۔ انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ سلطان المشائخ غرور اور خود نمائی کے سبب نوتعمیر شدہ مسجد میں، حکم صادر ہونے کے باوجود، نماز جمعہ کے لیے نہیں جاتے۔ اسی باعث نئے چاند کی مبارکباد دینے کے لیے جیسا کہ دستور ہے بارگاہِ سلطانی میں حاضر نہیں ہوتے اور ایک غلام کو جو ہرگز شہنشاہ کی بارگاہ میں باریابی کے لائق نہیں ہے، بھیج دیتے ہیں۔ اس بات کے سنتے ہی بادشاہ پر سلطنت کا غرور اور حکومت کا گھمنڈ طاری ہو گیا اور اس نے کہا کہ اگر سلطان المشائخ آئندہ ماہ نہیں آئے تو ہم بہ جبر حاضر کرائیں گے۔ اس کے علاوہ دیگر نامناسب باتیں بھی کہیں۔ جب سلطان المشائخ نے یہ پریشان کُن خبر سنی تو آپ نے کچھ نہیں فرمایا اپنی جگہ سے اُٹھے اور اپنی والدہ کے روضے کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور اسی راز و نیاز کے انداز میں جو آپ کو والدہ کی خدمت میں حاصل تھا، آپ نے عرض کیا کہ قطب الدین نے اپنے دل میں مجھے ایذا دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اگر آئندہ ماہ تک اس کا کام تمام نہ ہوا تو میں ہرگز آپ کی قبر کی زیارتؒ کے لیے حاضر نہ ہو سکوں گا۔ جب آپ نے یہ بات اپنی والدہ سے عرض کر دی تو آپ کو یقین ہو گیا کہ والدہ کے باطنی تصرف کے باعث میرا دشمن کسی مصیبت میں ضرور مبتلا ہوگا، چنانچہ وہاں سے بہ اطمینانِ خاطر خانقاہ واپس ہوئے اور بغیر کسی اندیشے کے اپنے سجّادہ کرامت پر تشریف فرما ہوئے اور اس امر کے منتظر رہے کہ دیکھئے عالمِ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ اسی رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک سینگ دار بیل آپ کو ہلاک کرنے کے درپے ہے۔ آپ نے اس کو دونوں سینگوں سے پکڑ کر زمین پر دے مارا [۱۲] اور وہ اسی وقت مر گیا۔ آپ نے اس خواب سے یہ تعبیر لی کہ بادشاہ مجھ پر فتح نہ پا سکے گا بلکہ قتل ہو جائے گا۔ الغرض جب مہینے کی انتیس تاریخ کی رات آ پہنچی تو بادشاہ نے عزم کر لیا کہ کل پہلی تاریخ کو سلطان المشائخ کو طلب کر کے آپ سے گستاخی کے ساتھ پیش آئے لیکن اسی رات بادشاہ پر آسمان سے بلائے ناگہانی نازل ہوئی۔ اس رات بادشاہ قصرِ ہزار ستون میں سو رہا تھا۔ ادھی رات نہ گزری تھی کہ اس کا نمک پروردہ غلام خسرو خان اس کی خواب گاہ میں داخل ہوا اور اس کے سر کو تن سے جدا کر کے لاش محل کے نیچے پھینک دی۔ بیان کرتے ہیں کہ اس رات سلطان المشائخ اپنی خانقاہ کی چھت پر ٹہلتے رہے اور یہ شعر آپ کی زبانِ مبارک پر جاری تھا۔

اے رو بہک چرا نہ نشستی بجائے خویش
با شیر پنجہ کر دی و دیدی سزائے خویش[۱۵]

(ترجمہ) اے لومڑی کے بچے تو اپنی جگہ کیوں نہ بیٹھا رہا، تو نے شیر سے پنجہ آزمائی کی اور اپنی سزا دیکھ لی۔

"سیر الاولیاء" میں بیان کیا گیا ہے، سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جمادی الثانی کی پہلی تاریخ کو میری والدہ نے دارِ دنیا سے روضہ آخرت کی جانب کوچ فرمایا۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ چند روز تکلیف اٹھا کر مرض موت میں مبتلا ہوئیں۔ عالم حیرت میں غذا ترک کردی اور شب و روز چشم مبارک سے آنسو بہتے رہتے۔ میں چاند رات کو حسبِ معمول نئے چاند کی مبارک باد دینے کے لیے والدہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنے سر کو ان کے قدموں میں رکھ دیا، والدہ نے میری طرف دیکھا، بعد ازاں ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ دریافت فرمایا کہ کیا آج چاند رات ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا آئندہ مہینے کس کے قدموں میں سر رکھو گے اور کون تمھیں شفقت کی نظر سے دیکھے گا۔ مجھے یقین ہو چلا کہ ان کے انتقال کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ مجھ پر بے ساختہ گریہ طاری ہو گیا۔ اپنے دل پر قابو نہ رہا اور میری حالت بگڑنے لگی۔ میں نے عرض کیا کہ اے میری مخدومۂ جہاں ماں، مجھ بے چارے غریب کو کس کے سہارے چھوڑے جاتی ہو۔ فرمایا اس کا جواب صبح دوں گی۔ تم آج رات شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر رہو۔ والدہ کے حکم کے مطابق میں شیخ کے گھر [۱۳] چلا گیا لیکن تمام شب گریہ وزاری کرتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو والدہ کی بھیجی ہوئی کنیز میرے پاس آئی اور کہنے لگی حضرت جی آپ کو والدہ نے یاد فرمایا ہے۔ میں نے پوچھا کیا زندہ سلامت ہیں۔ کنیز نے اثبات میں جواب دیا۔ میں وہاں سے والدہ کی خدمت میں پہنچا۔ انھوں نے مجھے دیکھ کر پوچھا، رات آرام سے تو رہے۔ میں ان کے قدموں میں گر گیا اور بے اختیار رونے لگا اور عرض کیا کہ میری راحت تو آپ کی زندگی سے وابستہ ہے۔ فرمایا تمھیں یاد ہے کہ رات تم نے مجھ سے ایک بات دریافت کی تھی اور میں نے آج جواب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے عرض کیا جی ہاں یاد ہے۔ پھر فرمایا کہ اپنا دایاں ہاتھ آگے کرو۔ جب میں نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا تو والدہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا الٰہی! میں اس بے چارے غریب بچے کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ بس یہ جملہ زبان پر لائیں اور اپنی جان حق تعالیٰ کے سپرد کر دی۔ یک بارگی میں یہ کلمہ سن کر

خوش ہوا، اور اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ مخدومہ میرے لیے جواہرات اور موتیوں سے بھرا ہوا ایک مکان چھوڑ جاتیں تو اس کلمے کے مقابلے میں ہیچ ہوتا۔ مختصر یہ کہ جب سلطان المشائخ کی والدہ بی بی زلیخا نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو شیخ نجیب الدّین متوکل جو حضرت شیخ فرید الدّین گنج شکر کے حقیقی بھائی تھے کے مزار کے پاس دفن کی گئیں۔ آپ کی قبر حضرت خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی کے روضے کے راستے میں شیخ شہاب الدّین سہروردی [۱۹] کی صاحبزادیوں بی بی نُور اور بی بی حور کی قبروں کے قریب ہے، چنانچہ آج بھی شہر دہلی میں آپ کے مزار کی خاک اہلِ نظر کی آنکھوں کا سرمہ ہے دیکھنے والی آنکھیں ہوں تو حقیقت آشکار ہوتی ہے۔

بندہ کمترین مصنف کتاب کے آباو اجداد کا اجمالی ذکر

محمد بلاق، بن شیخ ابو محمد دہلوی، بن شیخ علی اکبر، بن شیخ محمد، بن شیخ کبیر، بن شیخ محمد حسن، بن شیخ محمد حسین، بن شیخ علم الدّین، بن شیخ یحییٰ، بن شیخ عبدالرحمٰن، بن شیخ عبدالصمد، بن مولانا عبدالرشید، یہ مولانا عبدالرشید بن مولانا عماد الدّین [۱۴] قاضی قطب الدّین کاشانی کے پوتے اور خواجہ رفیع الدّین ہارون بن مولانا خواجہ محمد کے نواسے تھے مولانا خواجہ محمد، سلطان المشائخ کے حقیقی بھانجے تھے اور اس نسبتِ قرابت کے باعث مولانا خواجہ محمد کے فخر کی کلاہ آسمان سے جالگتی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ قاضی قطب الدّین کاشانی اور خواجہ رفیع الدّین ہارون کے حالات کی تفصیل سولھویں مطلب میں پیش کی جائے گی جو سلطان المشائخ کے اقربا اور خلفا کے لیے معیّن کیا گیا ہے چونکہ اس محل پر ان حضرات کے حالات کا بیان بے جا طوالت کا باعث بن جاتا اس لیے فی الحال موقوف کیا جاتا ہے تاکہ طالبین (بے محل تحریر سے) اکتا نہ جائیں اور ان کے دل میں زیادہ الجھن پیدا نہ ہو۔

حواشی مطلب اوّل

۱۔ "تاریخ ہندی" کے نام سے کوئی کتاب احقر مترجم کے علم میں نہیں ہے۔ متن کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ مصنف کی مراد ضیاء الدّین برنی رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف "تاریخ فیروز شاہی" ہے جسے "تاریخ برنی" بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ "حسرت نامہ" مصنفہ ضیاء الدّین برنی رحمتہ اللہ علیہ۔ حسرت نامہ اب قطعی طور پر ناپید ہے ملاحظہ فرمائیں The life and times of Shaikh Nizam Uddin Auliya مصنفہ ڈاکٹر خلیق احمد نظامی دہلی ۱۹۹۱ء ص ۷۔ اس سلسلے میں یہ پہلو قابلِ غور ہے کہ زیرِ نظر مخطوطے میں اضافت کے ساتھ اس کا نام "حسرت نامہ چشتیہ بہشتیہ" تحریر کیا ہے، جب کہ "سیر الاولیاء" میں صرف "حسرت نامہ" منقول ہے (ص ۳۲۳) چشتیہ بہشتیہ علیٰحدہ تصنیف ہے۔ اصل متن میں اضافت غالباً سہو کتابت ہے۔

۳۔ سیّد جلال الدّین بن احمد کبیر بن جلال الدّین سرخ بخاری کی ولادت ۷۰۷ھ میں ہوئی۔ آپ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے نام سے زیادہ معروف ہیں۔ اپنے والد سیّد احمد کبیرؒ سے بیعت کی لیکن خلافت حضرت رکن الدّین ابوالفتحؒ سے حاصل ہوئی۔ مشایخ چشت کا خرقہ حضرت نصیر الدّین چراغ دہلیؒ نے عنایت فرمایا۔ ۷۸۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ ملاحظہ فرمائیں "سیر العارفین" مصنفہ حامد بن فضل اللہ جمالی مترجمہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری لاہور بار دوم ۱۹۸۹ء ص ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۹ اور ۲۳۸

۴۔ حضرت سلطان المشایخ قدس سرّہ کے سوانحی حالات پر سب سے اہم اور بنیادی ماخذ سیّد محمد بن سیّد مبارک کرمانی المعروف بہ امیر خورد رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف "سیر الاولیاء" ہے۔ اس میں مصنف رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت سلطان المشایخ قدس سرّہ کا کوئی شجرۂ نسب پدری یا مادری نقل نہیں کیا۔ یہ اضافہ کسی صاحب نعمت اللہ نُوری نے اپنے قلم سے کیا ہے ("سیر الاولیاء" ص ۱۰۶) اسی الحاقی شجروں کو "مطلوب الطالبین" کے مصنف نے یہاں نقل کیا ہے۔ علامہ اخلاق حسین دہلوی، ڈاکٹر خلیق احمد نظامی اور ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ان شجروں کو صحیح تسلیم نہیں کرتے بلکہ غیر مستند اور الحاقی ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں "حضرت محبوب الٰہی" مصنفہ علامہ اخلاق حسین دہلوی، لاہور ۱۹۸۵ء حاشیہ ۱ص ۱۳ The life and times of Shaikh Nizam Uddin Auliya حاشیہ ۲ ص ۱۳ "نقد ملفوظات" مصنفہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لاہور ۱۹۸۹ء ص ۲۲۰

مذکورہ شجروں کے مندرجات سے قطع نظر حضرت سلطان المشایخ قدس سرّہ کی سیادت مسلّم ہے۔ امیر خورد نے "سیر الاولیا" میں سلطان المشایخ قدس سرّہ کے ایک خواب کا ذکر کیا ہے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطان المشایخ قدس سرّہ سے ارشاد فرمایا "مولانا نظام الدّین محمد تو از فرزندان مائی بانسب صحیح" (مولانا نظام الدّین تم نسب صحیح کے ساتھ ہمارے فرزندوں میں ہو) ملاحظہ فرمائیں "سیر الاولیا" (فارسی) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۲۲۰، حضرت محبوب الٰہی حاشیہ ۱ص ۱۳ The life and

times of Shaikh Nizam Uddin Auliya حاشیہ ۲ ص ۱۳

۵۔ "سیر الاولیا" میں نعمت اللہ نوری نے سلطان المشایخ کا مادری سلسلۂ نسب تحریر کیا ہے (صص ۱۰۸،۱۰۷) اور محمد بلاق نے پدری سلسلہ نقل کیا ہے۔ "سیر الاولیا" میں سیّد جعفر کے بعد سیّد علی الامام کا نام نقل کیا گیا ہے۔ (ص ۱۰۸) جب کہ "مطلوب الطالبین" میں یہ نام درج نہیں ہے۔ اس طرح "سیر الاولیا" کے شجرے کے مطابق سلطان المشایخ انیس واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتے ہیں اور "مطلوب الطالبین" کے مندرجات کے مطابق اٹھارہ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتے ہیں۔

۶۔ فارسی متن میں کتاب کے نام کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے کاتب یا مصنف کس نے جگہ خالی چھوڑی ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

۷۔ فارسی متن میں یہاں سیّد حسین تحریر کیا گیا ہے جب کہ پدری سلسلۂ نسب میں سیّد حسن نقل کیا گیا ہے۔ "سیر الاولیا" ص ۱۰۸ پر سیّد حسن تحریر ہوا ہے۔

۸۔ "مطلوب الطالبین" کے مندرجات کے مطابق ان بزرگ یعنی سیّد علی سے سلطان المشایخ کے پدری اور مادری سلسلے باہم مل جاتے ہیں۔ آگے چل کر ایک فرق واقع ہوا ہے جس کی حاشیہ نمبر ۵ میں نشاندہی کر دی گئی ہے۔

۹۔ قوسین کی عبارت احقر مترجم نے اصل متن کی عبارت کو زیادہ واضح اور مکمل کرنے کے لیے تحریر کی ہے اسے متن کی عبارت تصور نہ فرمائی جائے۔ اس بے جا لیکن ضروری تجاوز پر احقر معذرت خواہ ہے۔

۱۰۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر خلیق احمد نظامی کی تحقیق یہ ہے کہ مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ نے جو آپ کو خالدی کہا ہے تو اس کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ حضرت سلطان المشایخ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے، لیکن بعض مصنفین کا یہ خیال ہے کہ "خالدی" شہر بخارا کا ایک محلّہ تھا، غالباً اس محلے کی نسبت سے مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو خالدی کہہ دیا ہو The life and times of Shaikh Nizam Uddin Auliya حاشیہ ۲ ص ۱۳

۱۱۔ "سیر الاولیا" میں صرف خواجہ عرب کے صاحبِ مال و منال ہونے کا ذکر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "سیر الاولیا" ص ۱۰۴

۱۲۔ امیر خورد رحمتہ اللہ علیہ نے باب ہفتم نکتہ اوراد ہفتہ و سالینہ میں سلطان المشایخ قدس سرہ، کا جو ملفوظ نقل کیا ہے وہ تاریخ ولادت اور سال ولادت کی تفصیل سے خالی ہے۔ ملفوظ گرامی یہ ہے:

"فرمود کہ روز چہار شنبہ آخریں ماہ صفر قوی بابرکت است، ہر کہ ہست دریں روز بدانچہ می تواند طعام کند و چیزے از خود جدا کند بفقرا می دہد و خوش می باشد و فرمود کہ تولد ایں ضعیف ہم دریں روز است۔"

(ترجمہ) فرمایا کہ ماہ صفر کا آخری بدھ بہت زیادہ بابرکت ہے۔ اس دن کا عمل یہی ہے کہ جس قدر ہو سکے غریبوں کو کھانا کھلائے اور کچھ مال فقرا میں تقسیم کرے اور خوش رہے اور یہ بھی فرمایا کہ اس

ضعیف کی ولادت اسی روز ہوئی تھی۔

ملاحظہ فرمائیں "سیر الاولیا" ص ۳۹۷۔ سلطان المشائخ قدس سرہ، کا یہ ملفوظ گرامی قطعی طور پر واضح اور مصرح ہے۔ اس سے محمد بلاق رحمتہ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کہ امیر خورد نے "سیر الاولیا" کے باب ہفتم، نکتہ اوراد ہفتہ و سالینہ میں سلطان المشائخ قدس سرہ، کی تاریخ ولادت چہار شنبہ ۲۷ ماہ صفر ۶۳۶ھ بیان کی ہے۔ مذکورہ ملفوظ گرامی میں سلطان المشائخ قدس سرہ، نے اپنی ولادت کی تاریخ و سال کا کوئی ذکر نہیں فرمایا ہے بلکہ آخری چہار شنبے کی اہمیت و عظمت بیان فرمانے کے بعد یہ انکشاف فرمایا ہے کہ میں بھی اسی روز پیدا ہوا تھا ممکن ہے کہ محمد بلاق رحمتہ اللہ علیہ کے زیر مطالعہ "سیر الاولیا" کے نسخے میں سلطان المشائخ قدس سرہ، کی ولادت کی تفصیلات درج ہوں، لیکن محققین نے ایسے کسی نسخے کی ابھی تک نشاندہی نہیں کی ہے علاوہ ازیں تقویم کی رو سے ۶۳۶ھ میں آخری بدھ ۲۴ صفر کو تھا، ۲۷ صفر کو جیسا کہ محمد بلاق علیہ الرحمتہ نے تحریر فرمایا ہے۔ آخری بدھ نہ تھا بلکہ ہفتے کا دن تھا۔ ملاحظہ فرمائیں "تقویم ہجری و عیسوی" مصنفہ ابوالنصر محمد خالدی اشاعت سوم کراچی ۱۹۷۴ء ص ۳۲

ڈاکٹر خلیق احمد نظامی نے حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کا سال ولادت ۶۴۲ھ بیان کیا ہے The life and times of Shaikh Nizam Uddin Auliya حاشیہ ۸ ص ۱۴

علامہ اخلاق حسین دہلوی نے اس مسئلے پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد حضرت قدس سرہ کی ولادت کے سال، تاریخ اور دن کا تعین کیا ہے۔ علامہ موصوف کی تحقیق کے مطابق حضرت سلطان المشائخ کی ولادت باسعادت ۲۷ صفر ۶۴۵ھ میں آخری چہار شنبہ کو ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں حضرت محبوب الٰہی صص ۱۵، ۱۶، ۳۵، ۳۶ اور ۳۷ نیز تقویم ہجری و عیسوی ص ۳۳

بہر حال احقر مترجم کے پیش نظر جو حقائق و شواہد تھے انھیں یکے بعد دیگرے پیش کر دیا ہے یہاں کسی قسم کا محاکمہ مقصود نہ تھا اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حقیقی صورت حال کیا ہے۔ ہو سکتا ہے آنے والے دنوں میں جیسے جیسے حقائق سامنے آتے جائیں یہ مسئلہ بھی دائمی طور پر طے ہو جائے۔

۱۳۔ یہ ابوالحسن احمد بن محمد القدوری کی مشہور تصنیف "قدوری" تھی جسے آپ نے مولانا علاالدین اصولیؒ سے پڑھا "قدوری" کا موضوع فقہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں The life and times of Shaikh Nizam Uddin Auliya حاشیہ ۳ ص ۲۳

۱۴۔ اس تذکرے کے مصنف شیخ رحمت اللہ عرف شیخ بری لکھنوی ہیں، ان کا زمانہ حیات معلوم نہ ہو سکا ملاحظہ فرمائیں "تذکرہ علمائے ہند" (فارسی) مصنفہ مولوی رحمان علی مطبع نول کشور لکھنو ۱۹۱۴ء بار دوم ص ۲۵۷

۱۵۔ "سیر الاولیا" کی روایت کے مطابق جس رات خسرو خاں نے قطب الدین مبارک خلجی کو قتل کیا، حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کی زبان مبارک پر یہ شعر جاری نہ تھا بلکہ امیر خورد نے بہ حیثیت مصنف اس واقعے کے انجام پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ شعر نقل کیا ہے امیر خورد کی عبارت یہ ہے:

خسرو خاں یلغار کرد و سر از تن سلطان بدخواہ سلطان المشائخ بہ تیغ جدا کرد و تن

اورا از بالائے قصر بیروں انداخت و سرِ اورا بالائے نیزہ کرد و بخلق نمود و شیخ سعدی خوش گوید"

(ترجمہ) "خسرو خاں نے یلغار کر کے سلطان المشائخ کے بدخواہ بادشاہ کا سر تلوار سے قلم کر کے اس کے جسم سے الگ کر دیا اور اس کے جسم کو محل کے اوپر سے باہر پھینک دیا اور اس کے سر کو نیزے پر آویزاں کر کے لوگوں کو دکھایا شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے۔"

اے روبہک چرا نہ نشستی بجائے خویش
باشیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش

ملاحظہ فرمائیں "سیر الاولیا" (فارسی) ص ۱۶۱

۱۶۔ یہاں "شیخ شہاب الدین سہروردی" کے نام سے قاری کا ذہن بانیٔ سلسلہ سہروردیہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ م ۶۳۲ھ کی طرف منتقل ہوتا ہے، لیکن کسی تذکرے سے شیخ الشیوخ قدس سرہ کا معہ اہل و عیال ہندوستان تشریف لانا ثابت نہیں، اور نہ دہلی میں حضرت قدس سرہ، کی دو صاحبزادیوں کے مدفون ہونے کا ذکر کسی معاصر تذکرے میں ہے۔ غالباً یہ کوئی بزرگ ہوں گے جن کا نام شہاب الدین ہوگا اور سلسلۂ سہروردیہ سے منسلک ہونے کے سبب سہروردی کہے جاتے ہوں گے۔ واللہ اعلم

مطلب دوم

سلطان المشایخ کے تعلیم اور علمی مقام حاصل کرنے اور ظاہری علوم کی تحصیل کی تفصیل کے ذکر میں۔

پختہ اہلِ یقین اور کامل اطاعت شعار طالبین پر واضح ہو کہ حق تعالیٰ نے سلطان المشایخ کو اتنا زیادہ ظاہری علم عطا فرمایا تھا کہ اس کا بیان کرنا قطعی طور پر ناممکن ہے تاہم کسی قدر تبرکاً یہاں تحریر کیا جاتا ہے تاکہ یہ مختصر رسالہ اس فائدے سے بھی خالی نہ رہے۔

"سیر الاولیاء" میں بیان کیا گیا ہے کہ سلطان المشایخ کا علم اور علمی کمال ایسے مقام تک پہنچ گیا تھا کہ آپ تیز طبع علما اور صاحبِ ہوش دانشمندوں میں مولانا نظام الدّین بحاث اور محفل شکن کے لقب سے مخاطب کیے جاتے تھے۔ مختلف علوم حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، منطق اور علم میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ اس علم و فضل کے علاوہ آپ نے شمس الملک [۱] سے جو اپنے زمانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ مقاماتِ حریری [۲] کے چالیس مقام قرأت کئے تھے۔ آپ نے اس زمانے کو یاد کرتے ہوئے فرمایا کہ مقامات حریری پڑھنے کا کفارہ میں نے اس طرح ادا کیا کہ مشارق الانوار جو علم حدیث میں ہے، حفظ کی اور مولانا کمال الدّین محدث [۳] سے جو اس علم کے استاد تھے اجازت حاصل کی۔ ان سب فضائل کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کو سات قرأتوں کے ساتھ یاد کیا [۱۵] چنانچہ اس سے متعلق فوائد الفواد میں آپ کا ایک ملفوظ گرامی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بدایوں میں شادی مقری نام کے ایک صاحب تھے وہ سات قرأتوں میں قرآن مجید خوش الحانی سے پڑھتے تھے۔ وہ صاحبِ کرامات تھے اور خلاف عادت بہت سی باتیں ان سے ظہور میں آتی تھیں۔ ان کی ادنیٰ کرامت یہ تھی کہ جو شخص ان سے ایک سبق پڑھ لیتا اللہ تعالیٰ اسے پورا قرآن ختم کرنے کی توفیق عنایت فرماتا چنانچہ میں نے خود بھی ان سے ایک سیپارہ پڑھا تھا اس کی برکت سے میں نے پورا قرآن یاد کر لیا۔

"سیر الاولیا" میں سلطان المشایخ کے کمالِ علم کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ اپنے ابتدائی زمانے میں مولانا شمس الدّین یحییٰ اور مولانا صدر الدّین ناولی سلطان المشایخ کی بزرگی

کے قائل نہ تھے تاہم چھٹی کے دن غیاث پور کے قریب جہاں حضرت کا قیام تھا، دریائے جمنا پر کپڑے دھونے کے لیے آتے تھے اور آپ کی عظمت و بزرگی کی شہرت سے واقف تھے کہ شہر کے علما آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عقیدت کی پیشانی زمین پر رکھتے ہیں ایک روز مولانا شمس الدّین یحییٰ نے مولانا صدرالدّین ناؤلی سے کہا کہ شیخ نظام الدّین اس نواح میں سکونت پذیر ہیں اور سارا شہر ان کا معتقد ہے۔ معلوم نہیں کہ ان کے علم کی کیا کیفیت ہے آئندہ جمعہ کو ان کے ہاں چلیں گے لیکن ہم دوسروں کی طرح قدم بوسی نہیں کریں گے، بس سلام کر کے بیٹھ جائیں گے اور کوئی علمی مسئلہ دریافت کریں گے الغرض دوسرے جمعہ کو دونوں عزیز شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جیسے ہی آپ کی موہنی صورت دیکھی دونوں نے اپنا سر زمین پر رکھ دیا، مصرع

سزد خوبانِ عالم را زمیں پیشِ تو بوسیدن

(ترجمہ) یہ بات دنیا کے خوب روؤں کے لائق ہے کہ وہ تیرے حضور زمیں بوسی کریں۔

رباعی:

آں دل کہ ز دستِ دیگراں بربودم
ہرگز بہ کسے نہ دادم و ننمودم
جاناں تو بہ یک نظر چناں بر بودی
گوئی کہ ہزار سالہ بے دل بودم

(ترجمہ) وہ دل جو میں نے دوسروں کے ہاتھ سے اُچک لیا (اسے) ہرگز کسی کو نہ دیا اور نہ دکھایا اے محبوب تو نے ایک نظر کے ساتھ اس طرح اُچک لیا گویا کہ میں ہزار برسوں سے دل کے بغیر تھا۔

خواجہ نے ان کی زمیں بوسی پر تبسم کیا اور فرمایا، خوش آمدید آئیے تشریف رکھیے۔ دونوں عزیز آداب و تسلیمات [۱۶] بجالا کر دوزانو بیٹھ گئے اور خاموش رہے۔ خواجہ نے ان کی جانب رخ کیا اور دریافت فرمایا، آپ کیا پڑھتے ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم مولانا ظہیرالدّین بھکری سے "بزدوی" [۴] پڑھ رہے ہیں۔ خواجہ نے ان کے سبق کے ایک مشکل مقام سے متعلق سوال کیا۔ دونوں آپ کی اس کرامت پر حیران ہوئے اور زمیں بوس

ہو کر عرض کیا کہ اے مخدوم یہی ایک ایسا مقام ہے جو استاد سے بھی حل نہ ہو سکا۔ سلطان المشائخ نے تبسم فرمایا اور اس مسئلے کو اچھی طرح بیان فرما کر حل کر دیا۔ دونوں عزیز رخصت ہونے کے لیے اپنی جگہ سے اُٹھے۔ خواجہ نے مولانا شمس الدین کو دستار اور صدرالدین کو تہبند عطا فرمایا[۵] دونوں نے اس عطا کو سر پر رکھا اور زمیں بوس ہو کر رخصت ہوئے۔ جب باہر آئے تو آپس میں کہنے لگے کہ شیخ کی عظمت و بزرگی کے بارے میں تو سن چکے تھے، آج ان کے علم کی فراوانی کا مشاہدہ بھی کر لیا، بے شک شیخ کا علم حق تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ دوسری ملاقات میں مولانا شمس الدین یحییٰ اور مولانا صدرالدین مرید ہوئے۔ چونکہ پورے اخلاص کے ساتھ حاضر ہوئے تھے لہٰذا خلافت کے شرف سے سرفراز ہوئے۔

"سیر الاولیا" سے منقول ہے۔ اگرچہ علوم ظاہری کے عالم ہونے کے باعث سلطان المشائخ کی نشست و برخاست اربابِ علم و فضل کے ساتھ تھی، لیکن مستقل طور پر آپ کا طالبِ حق دل باطنی علوم حاصل کرنے کی جانب متوجہ رہتا تھا چنانچہ اس کے بارے میں اکثر فرماتے تھے کہ جوانی کے زمانے میں اگرچہ میرا میل جول اربابِ علم و فضل کے ساتھ تھا لیکن میرے دل میں بارہا یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ وہ دن کب آئے گا جب میں ان لوگوں سے چھٹکارا پاؤں گا اور حقیقی علوم کے حصول میں مصروف ہوں گا۔ میں ان لوگوں سے اکثر کہا کرتا تھا کہ میں آپ حضرات کے درمیان زیادہ عرصے نہیں رہوں گا۔ میری یہ کیفیت شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے تھی۔ جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو تمام ظاہری مرادوں سے دست کش ہو گیا [۱۷] اور باطنی مشاغل میں مصروف ہو گیا اور مجھے اپنی مراد حاصل ہو گئی۔ الحمدللہ ذالک۔

"مرات الاسرار"[۶] میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سلطان المشائخ، گنج شکر کی خدمت میں سلوک و ریاضت میں مشغول ہوئے تو آپ نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ حکم فرمائیں تو میں علم کی تحصیل ترک کر دوں۔ گنج شکر نے فرمایا، میں کسی کو حصولِ علم سے منع نہیں کرتا۔ دونوں کام کرتے رہو یہاں تک کہ ان میں سے کوئی ایک کام دوسرے پر غالب آجائے۔ الغرض کچھ عرصے بعد سلطان المشائخ پر باطنی اثر اس قدر طاری ہوا کہ حصولِ علم کا رجحان از خود ختم ہو گیا۔ سلطان المشائخ نے بارہا فرمایا کہ وہ کتابیں جو میں نے پہلے پڑھی تھیں اگر اب پڑھنا شروع کرتا ہوں تو طبیعت میں بہت زیادہ انتشار پیدا ہونے لگتا ہے۔ مصرع

جائے کہ سلطاں خیمہ زد غوغا نماند عام را
(ترجمہ) جس جگہ بادشاہ دربار کرتا ہے وہاں عام لوگوں کا داخلہ بند ہوتا ہے۔

جواشی مطلب دوم

۱۔ خواجہ شمس الدّین خوارزمیؒ اس عہد کی دہلی کے جیّد عالم اور استاذالاساتذہ تھے۔ معقول و منقول، فرع و اصول اور علم و ادب میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ خواجہ شمس الدّین حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ، کی بے حد عزت فرماتے تھے ان کی نشست گاہ پر کوئی قدم نہیں رکھ سکتا تھا لیکن شمس الملک آپ کو اپنی نشست گاہ ہی میں بٹھاتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں "محبوب الٰہی" ص ۲۴۔ ۲۵

۲۔ مقامات حریری قاسم بن علی بن محمد بن عثمان الحریری البصری کی تصنیف ہے۔ عربی ادب میں بے مثل کتاب ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "محبوب الٰہی" ص ۲۴۔

۳۔ مولانا کمال الدّین زاہد پاکستان کے شہر راولپنڈی کے قریب قصبہ مرگلہ کے رہنے والے تھے۔ یہاں سے دہلی منتقل ہو گئے۔ مولاناؒ اعلیٰ پائے کے عالم حدیث تھے۔ انھوں نے مولانا محمود بن ابی الحسن اسد البلخی سے علم حدیث حاصل کیا۔ مولانا محمود صاحبِ مشارق الانوار مولانا رضی الدّین حسن صغانیؒ کے شاگرد تھے۔ ملاحظہ فرمائیں The life and times of Shaikh Nizamuddin Auliya ص ۳۳۔

۴۔ بزدوی، علی بن محمد البزدوی کی اصول کے موضوع پر مشہور تصنیف ہے۔ بزدوی کے علاوہ انھوں نے گیارہ جلدوں میں مبسوط لکھی۔ جامع کبیر اور جامع صغیر کی شرح کی۔ غناء الفقہا بھی ان کی تصنیف ہے۔ علی بن محمد البزدوی ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۸۲ھ میں وفات پائی۔ ملاحظہ فرمائیں "تاریخ فقہ اسلامی" ترجمہ تاریخ التشریع الاسلامی مصنفہ علامہ محمد الخضری۔ مترجم مولانا عبدالسلام ندوی، اسلام آباد سال اشاعت ندارد ص ۴۵۰۔

۵۔ محمد بلاق علیہ الرحمتہ نے اس واقعے کا ماخذ سیر الاولیا بیان کیا ہے لیکن سیر الاولیا کے مندرجات کے مطابق حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ، نے مولانا شمس الدّین یحییٰ کو تہبند اور مولانا صدرالدّین ناؤلی کو دستار عطا فرمائی۔ "بوقتِ برخاستن سلطان المشائخ میرز پیشِ مولانا شمس الدّین یحییٰ آورد و دستار پیشِ مولانا صدرالدّین ناؤلی" ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۲۳۴

۶۔ مرأت الاسرار، مصنفہ عبدالرحمٰن چشتی، م ۱۰۹۴ھ

مطلب سوم

سلطان المشایخ کے دل میں شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر کی محبت پیدا ہونے، اور اسی اخلاص اور آرزوئے دلی کے ساتھ بدایوں سے شہر دہلی آنے، اور وہاں سے شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خاص جائے قیام اجودھن حاضر ہونے کے بیان میں۔

''سیر الاولیا'' میں بیان کیا گیا ہے۔ سلطان المشایخ نے فرمایا کہ جب میری عمر بارہ سال تھی اور میں لغت پڑھ رہا تھا، اس زمانے میں ایک شخص ابوبکر خراط جسے ابوبکر قوال بھی کہتے تھے ملتان سے میرے استاذ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ استاذ نے اس سے ملتان کے مشایخ کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے بیان کیا کہ میں شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں کافی عرصے رہا اور انھیں سماع بھی سنایا۔ ان کے ہاں نوافل اور ذکر کی کثرت ہے۔ حتیٰ کہ ان کی کنیزیں آٹا پیستے ہوئے بھی ذکر کرتی ہیں۔ اس نے شیخ بہاء الدین زکریا کے جس قدر مناقب بیان کیے میرے دل پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بعد ازاں اس نے شیخ فرید الدین گنج شکر [۱۸] کے احوال بیان کرنے شروع کیے کہ جب میں ملتان سے اجودھن پہنچا تو دیکھا کہ سارا عالم ان کی ولایت کی گرفت میں تھا۔ میں نے ایسا چاند دیکھا جس نے اس علاقے کو اپنی معرفت کی روشنی سے پُرنور کر دیا تھا۔ جب میں نے شیخ فرید الدین گنج شکر کے یہ اوصاف سنے تو میرے دل میں ان کی محبت پیدا ہوئی اور اس کا اثر اس حد تک بڑھا کہ میں ہر نماز کے بعد ان کے اسم مبارک کا ورد کرتا تھا اور اس ورد کو میں نے اپنا وظیفہ بنا لیا تھا۔ آخر کار یہ محبت اس مقام تک پہنچی کہ سب لوگوں میں اس کی شہرت ہو گئی۔ چنانچہ میرے دوستوں میں سے اگر کوئی مجھ سے قسم لینا چاہتا تو وہ شیخ کی محبت کی قسم دلواتا۔

الغرض جب میں سولہ سال کا ہوا تو بدایوں سے دہلی کے سفر پر روانہ ہوا۔ دوران سفر ایک بزرگ جن کا نام عوض تھا میرے ہم سفر ہو گئے۔ اگر اتفاقاً راستے میں کوئی خطرہ پیش آتا تو وہ کہتے، اے پیر آئیے ہم آپ کی پناہ میں جا رہے ہیں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ

یہ پیر جن سے آپ پناہ طلب کرتے ہیں اور مدد کی درخواست کرتے ہیں، کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا، وہی جنھوں نے تمھارے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور تمھیں اپنی محبت کا فریفتہ بنا لیا ہے یعنی شیخ فریدالدّین گنج شکر اس دن سے شیخ کی عقیدت و محبت میری دل میں زیادہ ہو گئی۔ جب میں دہلی پہنچا تو اتفاق سے مجھے شیخ نجیب الدّین متوکل کے قریب جو شیخ کے بھائی اور خلیفہ تھے، رہنے کی جگہ مل گئی۔ میں نے ان کی صحبت کو غنیمت جانا چونکہ ان کے ہاں شب و روز شیخ کے اوصاف کا ذکر ہوتا رہتا تھا، میرے دل میں قدم بوسی کا بے حد اشتیاق پیدا ہوا۔ میں شہر میں تین چار سال رہا اور کوشش کر کے اپنی تعلیم مکمل کی اور استاذِ بزرگ سے علم حدیث کی سند حاصل کی۔

"سیر الاولیا" سے منقول ہے کہ جب سلطان المشایخ بدایوں سے شہر دہلی تشریف لائے تو سرائے نمک میں آکر اُترے۔ آپ نے ہمشیرہ اور والدہ کو جو آپ کے ساتھ تھیں کرائے پر جگہ لے کر اسی سرائے میں رکھا اور خود بارگاہ قوّاس (کمان ساز) میں جو سرائے نمک کے سامنے تھی سکونت اختیار فرمائی۔ یہ سرائے شیخ نجیب الدّین کے مکان اور منده دروازے کے قریب [۱۹] تھی۔ جب وہاں سے رہائش تبدیل کی تو ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے کہ وہ بھی سابقہ رہائش کے قریب تھی قیام فرمایا[1] اور تحصیلِ علم میں مشغول ہوگئے۔

"سیر الاولیا" سے نقل کیا جاتا ہے کہ جب سلطان المشایخ نے مختلف علوم میں کمال حاصل کر لیا اور اہلِ علم میں آپ کی امتیازی حیثیت قائم ہو گئی تو آپ نے شیخ نجیب الدّین کی خدمت میں شہر قاضی بنائے جانے کے لیے دعا کی درخواست کی۔ وہ آپ کی درخواست پر مسکرائے اور فرمایا کہ تمھیں حق تعالیٰ نے اس کام کے لیے پیدا نہیں فرمایا ہے۔ تم ایسے بادشاہ بنو گے کہ مخلوق تمھاری پناہ کے سائے میں راحت پائے گی اور ایسے چاند بنو گے کہ عالم تمھارے نُور سے جگمگائے گا[2] سلطان المشایخ نے شیخ نجیب الدّین کے یہ کلمات سنے تو آپ کے دل سے قاضی بننے کی خواہش جاتی رہی اور آپ نے شیخ فرید الدّین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہونے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد بڑے اشتیاق سے بیس سال کی عمر میں کہ عین جوانی تھی اور شباب کا عروج تھا، آپ تمام خواہشوں سے بے نیاز ہو کر شہر دہلی سے نکلے اور اجودھن کی جانب روانہ ہوئے۔

نفحات الانس[3] سے منقول ہے کہ سلطان المشایخ دینی علوم کی تحصیل و تکمیل کے بعد (ایک دن) جامع مسجد دہلی تشریف لے گئے، جب صبح ہونے لگی تو موذن نے منار

پر چڑھ کر قرآن کی یہ آیت تلاوت کی۔ "اَلَم یانِ للّذِین آمنُوا اَن تَخشَعَ قُلُوبُھُم لِذِکرِ اللّٰہ" (کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے سامنے جھک جائیں۔ الحدید آیت ۱۶) جب آپ نے یہ آیت سنی تو ایک خاص کیفیت آپ پر طاری ہو گئی۔ آپ پر ہر طرف سے انوار ظاہر ہونے لگے۔ صبح ہوئی تو آپ زاد سفر کے بغیر شیخ فرید الدّین گنج شکر کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر مرید ہوئے اور مرتبہ کمال کو پہنچے۔ شیخ نے آپ کو دوسرے لوگوں کی تکمیل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور دہلی کے لیے رخصت مرحمت فرمائی، جہاں آپ مریدوں کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔

حواشی مطلب سوم

۱۔ سیر الاولیا میں ہلال طشت دار کی مسجد کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سلطان المشایخ قدس سرہ کے حالات میں نکتۂ ششم صص ۱۱۸ تا ۱۲۱۔ نیز ڈاکٹر خلیق احمد نظامی اور علامہ اخلاق حسین دہلوی نے حضرت قدس سرہ کی دہلی میں قیام گاہوں کی جو تفصیل دی ہے اس میں بھی مذکورہ مسجد کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں The life and times of Shaikh Nizamuddin Auliya صص ۲۶ تا ۲۹ نیز حضرت محبوب الٰہی صص ۷۱ تا ۷۴۔ سیر الاولیا میں مذکور ہے کہ مستقل طور پر غیاث پور منتقل ہونے سے قبل حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ شمس الدّین شراب دار کے مکان میں قیام پذیر تھے۔ ص ۱۲۱ ہو سکتا ہے کہ امتداد زمانہ سے یہ مکان محمد بلاقؒ کے زمانے میں ہلال طشت دار کی مسجد کے زیریں حصے میں آگیا ہو اور انھوں نے اپنے زمانے کے متعارف مقامات کے پیش نظر زیرِ ترجمہ تصنیف میں عوام میں مشہور نام تحریر کر دیا یا ان کے زیر مطالعہ سیر الاولیا میں وہی منقول ہو جو انھوں نے مطلوب الطالبین میں تحریر کیا ہے۔ واللہ اعلم

۲۔ "تمھیں حق تعالیٰ نے اس کام کے لیے پیدا نہیں فرمایا ہے تم ایسے بادشاہ بنو گے کہ مخلوق تمھاری پناہ کے سائے میں راحت پائے گی اور ایسے چاند بنو گے کہ عالم تمھارے نور سے جگمگائے گا" یہ کلمات شیخ نجیب الدّین متوکلؒ نے ادا نہیں فرمائے اور نہ سیر الاولیا میں منقول ہیں۔ مذکورہ عبارت سیر الاولیا کے حوالے سے سراسر تحریف ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے، سلطان المشایخ نے فرمایا

> ایک روز میں نے شیخ نجیب الدّین متوکل کی مجلس میں ان سے عرض کیا کہ ایک مرتبہ آپ سورۂ فاتحہ پڑھ کر خلوص نیت سے میرے لیے دعا فرمائیں کہ میں کسی جگہ قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نجیب الدّین نے اس دعا سے اغماض فرمایا میں نے یہ سمجھا کہ میری بات آپ کے کانوں تک نہیں پہنچی میں نے دوبارہ عرض کیا کہ ایک دفعہ سورۂ فاتحہ و سورۂ اخلاص اس نیت سے پڑھ کر

میرے لیے دعا فرمائیے کہ میں کسی جگہ کا قاضی مقرر ہو جاؤں۔ اس مرتبہ آپ
نے میری بات سن کر مسکرا کر فرمایا "تم قاضی نہ بنو کچھ اور بنو۔"

ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۱۷۸ (اردو ترجمہ از قدوسی) ص ۲۹۷۔

۳۔ نفحات الانس من حضرت القدس مصنفہ حضرت مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ م ۸۹۸ھ

مطلب چہارم

سلطان المشایخ کے شہر اجودھن پہنچنے اور حضرت فرید الدّین گنج شکر سے بیعت کرنے کے ذکر میں

"سیر الاولیا" میں بیان کیا گیا ہے کہ سلطان المشایخ [۲۰] نے فرمایا۔ بدھ کا دن تھا کہ یہ دعا گو اجودھن پہنچا اور حضرت شیخ فرید الدّین گنج شکر کی خدمتِ میں حاضری کی سعادت سے مشرف ہوا۔ پہلی بات جو میں نے شیخ کی زبانِ مبارک سے سنی یہ شعر تھا:

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(ترجمہ) تیرے فراق نے کتنے ہی دلوں کو کباب کر دیا ہے۔ تیرے شوق کے سیلاب نے کتنی ہی جانوں کو تباہ کر دیا ہے۔

سلطان المشایخ نے اپنی تصنیف "راحت القلوب" جس میں شیخ فرید الدّین گنج شکر کے ملفوظات مجلس وار جمع کیے ہیں، مجلس اوّل میں تحریر فرمایا ہے۔

"پندرہ ماہِ رجب الرجب ۶۵۵ھ بدھ کا دن تھا کہ اس دعا گو نے سیّد العابدین کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور مرید ہوا اس وقت دین و دنیا کی کلاہ شیخ کے سرِ مبارک تھی۔ وہ کلاہ، خرقۂ خاص اور لکڑی کی کھڑاؤں مجھے عطا کی اور فرمایا، اے فلاں میں نے چاہا تھا کہ ملکِ ہندوستان کسی اور شخص کو بخشوں گا لیکن ابھی تم راستے ہی میں تھے کہ میرے باطن یہ بات القا کی گئی کہ ابھی یہ عطا موقوف رکھو، نظام بدایونی پہنچنے والا ہے۔ وہ اس ولایت کے لائق ہے اسے سپرد کرنا۔"

"سیر الاولیا" میں بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت سلطان المشایخ، شیخ فرید الدّین گنج شکر کے سلسلۂ ارادت میں شامل ہوئے، اس وقت شیخ نے فرمایا کہ اس مسافر طالب علم کے لیے جماعت خانے میں کھاٹ یعنی چارپائی بچھادو چنانچہ چارپائی بچھادی گئی۔ سلطان المشایخ نے

(یہ اہتمام دیکھ کر) کہا کہ میں چارپائی پر نہیں سوؤں گا۔ کیوں کہ میں خاصی تعداد میں کلام ربانی کے حافظوں اور درگاہِ سبحانی کے عاشقوں کو دیکھتا ہوں جو اسی موتی برسانے والے فرش پر لیٹتے ہیں اور اسی حالت میں رہنا اپنی نیک بختی خیال کرتے ہیں، پس میں کس طرح چارپائی پر سوسکتا ہوں، یہ بڑی بے ادبی ہوگی۔ سلطان المشایخ کی یہ بات مولانا بدرالدین اسحٰق کے سامنے جو شیخ کے داماد اور خانقاہ کے نگراں تھے بیان کی گئی۔ انھوں نے فرمایا کہ نظام الدین محمد سے کہو کہ اپنی مرضی پر عمل کریں گے [۲۱] یا شیخ کے حکم کو بجالائیں گے۔ جوں ہی سلطان المشایخ نے یہ بات سنی بے چوں و چرا چارپائی پر آئے اور سو گئے۔ یہ بات بھی آپ نے بارہا فرمائی کہ جب میں دولت ارادت سے مشرف ہوا تو میری عمر بیس سال تھی۔ فرماتے تھے کہ اس دن سے کہ میں اپنے شیخ کی خدمت سے دہلی واپس ہوا تین بار ان کی حیات میں حاضرِ خدمت ہوا، اور وفات کے بعد سات مرتبہ زیارت سے مشرف ہوا۔ اس اعتبار سے دس بار حاضری ہوئی۔

"راحت القلوب" کی عبارت سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جب سلطان المشایخؒ پہلی مرتبہ شیخ فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ کی خدمت میں سات ماہ اور سترہ دن رہے اور پھر نعمت خلافت حاصل کر کے دہلی واپس ہوئے۔ "راحت القلوب" کے آغاز میں ہے کہ ماہ رجب چھ سو پچپن کی گیارہ تاریخ تھی کہ یہ دعا گو حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوا، بعد ازاں آخر کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ ماہ ربیع الاوّل چھ سو چھپن کی دوسری تاریخ تھی کہ اس مخلص کو اپنے خرقۂ خاص سے مشرف فرمایا اور دہلی کی واپسی کی اجازت مرحمت فرمائی۔ رخصت کرتے وقت اس غلام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مولانا نظام الدین کو میں نے خدائے تعالیٰ کے حکم سے ملک ہندوستان عطا کیا اور اپنا جانشین مقرر کیا اور ملک اس کی پناہ میں دیا۔

کاتب اوراق محمد بلاق عرض کرتا ہے کہ یہ تمام قصہ بہت طویل ہے۔ یہاں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے انشاء اللہ تعالیٰ سلطان المشایخ کے خلافت پانے کے باب میں مفصل بیان کیا جائے گا۔

حواشی مطلب چہارم

مطلب چہارم کے بعض مندرجات وضاحت طلب ہیں جنھیں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ "راحت القلوب" کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ حضرت فریدالدین گنج شکر قدس سرہ، کے ملفوظات ہیں جنھیں حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ، نے جمع فرمایا ہے، لیکن عہد حاضر میں اس سلسلے میں جو تحقیق ہوئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشایخ کو "راحت القلوب" کا مصنف خیال کرنا صحیح نہیں ہے۔ علامہ اخلاق حسین نے اس مسئلے پر تفصیل سے بحث کی ہے اور مطبوعہ "راحت القلوب" کے اکثر مندرجات کی بناء پر اسے ناقص، ناتمام، خودساختہ اور جعلی قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں حضرت محبوب الٰہی صص ۴۰ تا ۴۵ (حاشیہ)۔ ڈاکٹر خلیق احمد نظامی اور ڈاکٹر نثار احمد فاروقی بھی اسے موضوع اور جعلی کتاب قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں The life and times of Shaikh Nizam Uddin Auliya ضمیمہ ہفتم صص ۱۹۴۔ ۱۹۵ نقد ملفوظات ص ۱۰۷ حاشیہ نمبر ۱۔

۲۔ حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ کی اجودھن میں پہلی حاضری کی دو مختلف تاریخیں بیان کی گئی ہیں۔ اصل عبارتیں بالترتیب نقل کی جاتی ہیں:

> (۱) "روز چہار شنبہ پانزدہم ماہ رجب الرجب سنہ خمس و خمسین و ستمائہ یعنی سال شش صد و پنجاہ و پنج بود کہ ایں دعا گو سعادت قدم بوس آں سیّد العابدین حاصل نمود و ارادت آورد۔"
>
> ("مطلوب الطالبین" مخطوطہ نیشنل میوزیم کراچی نمبر ۲۱۱۔ ۱۹۶۵ ص ۲۱)
>
> (۲) "یازدہم شہر رجب المرجب سنہ خمس و خمسین و ستمائہ یعنی سال شش صد و پنجاہ و پنج بود کہ ایں دعا گو ملازمت حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر حاصل نمود۔" (ص ۲۲)

ان اقتباسات سے متعلق علامہ اخلاق حسین کا تبصرہ یہ ہے

> "حضرت محبوب الٰہی کے بیان سے تو صرف اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت بابا فرید گنج شکر سے بیعت ہوئے تو بدھ کا دن تھا اور آپ بیس سال کے تھے لیکن غالباً سب سے پہلے ۱۱۱۱ھ میں قاضی محمد بلاق مرحوم نے "راحت القلوب" کے حوالے سے بیعت ہونے کی تاریخ، مہینہ اور سن لکھا ہے، مگر تعجب یہ ہے کہ ایک ہی عنوان کے تحت دو تاریخیں لکھی ہیں۔ (۱) ۱۵ رجب ۶۵۵ھ اور (۲) ۱۱ رجب ۶۵۵ھ (مطلوب الطالبین ص ۲۲۔ ۲۳ مخطوطہ ۱۱۴۸ھ) اور قاضی محمد بلاق مرحوم نے نہ تو ان تاریخوں کے اختلاف کا کوئی سبب بتایا اور نہ اختلاف کو رفع کرنے کی کوشش ہی کی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں جو سوانح

حیات لکھی گئیں ان کے لکھنے والوں نے عموماً بدھ ۱۵ رجب ۶۵۵ھ کو بیعت کی تاریخ تسلیم کرلیا ہے۔" (حضرت محبوب الٰہی صص ۴۰-۴۱)

"بدھ ۱۵ رجب ۶۵۵ھ/۱۲۵۷ء جس کی عموماً پیروی کی گئی ہے، بروئے تقویم اس تاریخ کو بدھ نہیں اتوار ہے البتہ ۱۱ کو بدھ ہے۔" (ص ۴۲)

رجب ۶۵۵ھ کی تاریخوں سے متعلق علامہ اخلاق حسین کے اعتراضات قطعی طور پر درست ہیں، البتہ "پانزدہم" اور "یازدہم" میں سہو کتابت کے احتمال کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ دونوں کی تحریری شکل تقریباً یکساں ہے اس لیے مطلوب الطالبین کی پہلی عبارت میں یازدہم فرض کرلیا جائے تو یہ غلطی رفع ہوسکتی ہے، لیکن اصل مسئلہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کے سال ولادت کے تعین کا ہے، اگر یہ طے ہوجاتا ہے تو دوسرے سنین کا تعین زیادہ دشوار نہیں ہے۔

۳۔ محمد بلاق مرحوم نے اس باب میں "راحت القلوب" سے جو اقتباسات نقل کیے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر نور اللہ مرقدہ نے اجودھن کی پہلی حاضری میں حضرت سلطان المشائخ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ انھوں نے اسی بیان کو مطلب ششم میں بھی دہرایا ہے۔ (مطلوب الطالبین قلمی ص ۴۵) یہ بیان درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اجودھن کی پہلی حاضری میں نہیں بلکہ تیسری حاضری میں سلطان المشائخ قدس سرہ، خلافت سے مشرف ہوئے۔ سیر الاولیا کی اس روایت کو محمد بلاق نے بھی نقل کیا ہے۔ (ص ۴۷) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا میلان راحت القلوب کے بیان کی جانب ہے بہرحال امیر خورد نے سلطان المشائخ قدس سرہ، کا یہ ملفوظ نقل کیا ہے۔

"سہ کرت از دہلی بخدمت شیخ شیوخ العالم رفتم بعدہ، یک روز خواجہ طلبید سیزدہم ماہ رمضان سنہ تسع و ستین و ستمائتہ بود، فرمود کہ نظام یاد داری آن کہ گفتہ بودم، گفتم آرے، فرمود کہ کاغذ بیارید اجازت نامہ بنویسند۔ کاغذ آوردند، اجازت نامہ بنشتند۔" (سیر الاولیا ص ۱۲۶)

(ترجمہ) میں دہلی سے تین بار شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک دن آقا نے مجھے طلب فرمایا، یہ رمضان چھ سو انہتر کی تیرہ تاریخ تھی، فرمایا نظام جو میں نے کہا تھا تمھیں یاد ہے۔ میں عرض کیا جی ہاں۔ ارشاد ہوا کہ کاغذ لے کر آئیں اور اجازت نامہ تحریر کریں۔ کاغذ لایا گیا اور اجازت نامہ تحریر کیا گیا۔" (ترجمہ از احقر مترجم)

اس بے غبار شہادت کے بعد کوئی پہلو یا نکتہ وضاحت طلب نہیں رہتا۔

مطلب پنجم

سلطان المشائخ کے اپنے پیر شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں استقامت، فنائیت، عقیدت اور متابعت اختیار کرنے اور شیخ کا آپ کے حال پر شفقت و رحمت فرمانے کے بیان میں اسی ضمن میں بیعت وارادت کے آداب کی تشریح، شیخ اور مرید کے حقوق کی وضاحت کی گئی ہے اور حضرت بی بی فاطمہ سام قدس سرہا کے مختصر حالات ہیں۔

پختہ اعتقاد والے طالبین پر واضح اور روشن ہو کہ سلطان المشائخ کے دل میں حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کی محبت و عقیدت اس درجے قائم ہو گئی تھی کہ آخر دم تک روز بروز اس میں اضافہ ہوتا گیا، اسی طرح سلطان المشائخ پر شیخ کی شفقت و مرحمت [۲۲] اس قدر تھی کہ شیخ نے دعا گو طالب کو کبھی فراموش نہیں فرمایا، چنانچہ "فوائد الفواد" میں منقول ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میرے شیخ اکثر میرے متعلق فرماتے تھے کہ جس شخص نے مجھ سے تعلق قائم کیا میں نے محسوس کیا کہ کچھ عرصے بعد اس کے مزاج میں تغیر آگیا اور اس کے اخلاص میں کمی واقع ہو گئی لیکن اس غریب نے جس دن سے مجھ سے تعلق پیدا کیا ہے، اسی مزاج پر قائم ہے اور کسی طرح کا فرق رونما نہیں ہوا جس وقت سلطان المشائخ آخری جملے پر پہنچے تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا، اسی کیفیت میں آپ نے فرمایا، الحمد للہ ابھی تک شیخ کی محبت و عقیدت میرے دل میں برقرار ہے بلکہ روبہ ترقی ہے۔

"سیر الاولیا" سے منقول ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ فرید الدین گنج شکر کے دستِ مبارک میں ایک کاغذ تھا جس میں دعا درج تھی۔ اس وقت شیخ نے فرمایا. کوئی ہے جو اس دعا کو یاد کرے۔ میں نے محسوس کیا کہ شیخ کا اشارہ میری جانب ہے۔ میں نے عرض کیا اگر حکم ہو تو میں یاد کر لوں۔ فرمایا یہ لو۔ میں نے کاغذ لے لیا اور گزارش کی اگر حکم فرمائیں تو میں ایک بار اسے حضرت کی خدمت میں پڑھ لوں۔ فرمایا پڑھو۔ میں نے پڑھنا شروع کیا اس دوران آپ نے ایک اعراب کی اصلاح فرمائی۔ میں نے اس اعراب

کو اسی طرح ادا کیا جس طرح شیخ نے ادا فرمایا تھا جب میں باہر آیا تو شیخ بدرالدین اسحٰق نے مجھ سے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا کہ اعراب کو اسی طرح ادا کیا جس طرح شیخ نے فرمایا تھا۔ میں نے کہا اگر سیبویہ[۱] جو اس علم کا بانی ہے، مجھ سے کہے کہ یہ اعراب اس طرح نہیں ہے، تب بھی میں اسی طرح ادا کروں گا جس طرح شیخ نے بتایا ہے۔ شیخ بدرالدین اس جواب سے بے حد خوش ہوئے اور کہا کہ جس قدر تم شیخ کا ادب کرتے ہو یہ بات ہم میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ [۲۳]

"سیر الاولیا" میں منقول ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دن شیخ کے صاحبزادے نظام الدین اور یہ ضعیف دونوں شیخ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس موقعے پر شیخ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں میرے فرزند ہو۔ نظام الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم فرزند نانی ہو، اور غلام کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم فرزند جانی ہو۔

"فوائد الفواد" میں ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میرے شیخ جن دنوں بیمار تھے، مجھے چند دوستوں کے ساتھ اس دیار کے شہیدوں کے مزارات کی زیارت کے لیے بھیجا۔ جب ہم وہاں سے لوٹے اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ تم لوگوں کی دعا نے میرے حق میں کچھ اثر نہ کیا، ایک دوست تھا جسے شیخ علی بہاری کہتے تھے، وہ ذرا دور کھڑا تھا۔ اس نے وہیں سے عرض کیا کہ ہم ناقص ہیں اور ذاتِ شیخ کامل ہے۔ ناقصوں کی دعا کاملوں کے حق میں کس طرح مستجاب ہو سکتی ہے۔ دور کھڑے ہونے کے سبب، علی بہاری کی بات شیخ اچھی طرح نہ سن سکے کہ اس نے کیا کہا۔ میں نے علی بہاری کی گزارش شیخ کے گوش گزار کی۔ فرمایا، اے نظام تم خدائے تعالیٰ سے جو کچھ طلب کرو گے تمھیں ملے گا۔ یہ فرمانے کے بعد عصائے خاص مجھے مرحمت فرمایا۔

خیر المجالس سے منقول ہے، سلطان المشائخ نے شیخ فرید الدین گنج شکر سے جو نعمت پائی اس کا باعث دو مواقع ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک روز سخت گرمی میں شیخ کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے اتفاق سے تمام احباب پر نیند کا غلبہ ہوا، اور وہ سو گئے۔ (اس اثناء میں) شیخ نے آواز دی "نظام" سلطان المشائخ جاگ رہے تھے، جواب میں عرض کیا، شیخ حاضر ہوں۔ شیخ نے فرمایا، میں اپنے فرزند نظام کو آواز دے رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد پھر آواز دی "نظام" سلطان المشائخ نے عرض کیا، شیخ حاضر ہوں۔ شیخ نے فرمایا، سامنے آؤ، میری خواہش تھی کہ اپنے فرزند کو کوئی نعمت بخشوں، لیکن یہ نعمت تمھارے نصیب میں

تھی، اس روز شیخ نے آپ کو نعمتِ فراواں عطا فرمائی۔ [۲۴]

دوسرا واقعہ یوں ہے کہ ایک روز شیخ کے خادم خواجہ بدرالدین اسحٰق کو کوئی کام تھا، انھوں نے سلطان المشائخ سے کہا کہ آپ میرے آنے تک حجرے کے دروازے پر بیٹھ جائیں اگر شیخ دستک دے کر بلائیں تو حاضر خدمت ہو جائیں یا جب میں آجاؤں تو مجھے بتا دیں۔ چنانچہ سلطان المشائخ دروازے پر بیٹھ گئے اُدھر حجرے میں شیخ پر ایک خاص حالت طاری ہوئی۔ اسی کیفیت میں سرِ مبارک کو برہنہ کر کے یہ اشعار پڑھتے ہوئے حجرے کے چکر لگانے لگے۔

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم
خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ منِ خستہ زکونین توئی
ہم بہرِ تو میرم از برائے تو زیم

(ترجمہ) (اے محبوب) میں چاہتا ہوں کہ ہمیشہ تیری محبت میں زندگی بسر کروں (یہاں تک کہ) خاک ہو جاؤں اور تیرے قدموں میں پڑا رہوں۔

مجھ خستہ حال کا مقصود دونوں جہانوں میں تیرے ہی ذات ہے میں اگر مروں تو تیرے لیے اور جیوں تو تیرے لیے۔

شیخ یہ اشعار پڑھنے کے بعد سجدے میں گر پڑے۔ اسی حالت میں سلطان المشائخ حجرے میں داخل ہوئے اور اپنا سر شیخ کے قدموں میں رکھ دیا۔ شیخ نے فرمایا، مانگو کیا مانگتے ہو۔ چونکہ وقت سازگار تھا سلطان المشائخ نے جو نعمت طلب کی مل گئی (فرماتے تھے) بعد ازاں میں بہت پشیمان ہوا کہ میں نے حالت سماع میں مرنے کی درخواست کیوں نہ کی۔ جب سلطان المشائخ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کیا نعمت طلب کی تھی تو فرمایا، استقامت

"فوائد الفواد" میں ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک روز میں شیخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس اثناء میں شیخ کی ریش مبارک سے ایک بال جھڑ کر میرے سامنے گرا۔ میں نے اٹھالیا اور شیخ کے قدموں پر سر رکھ کر عرض کیا کہ میری ایک درخواست ہے۔ فرمایا کہو۔ میں نے عرض کیا کہ یہ بال ریش مبارک سے جھڑ گیا ہے اگر حکم ہو تو میں لے

نوں اور بال کی طرح حفاظت کروں۔ فرمایا جیسا چاہو کرو۔ میں نے بہت ہی تکریم کے ساتھ وہ بال لیا اور کپڑے میں لپیٹ کر تعویز بنالیا اور اپنے ساتھ دہلی لے آیا چنانچہ جو پریشان حال بیمار میرے پاس تعویز کے لیے آتا میں وہ تعویز کردہ بال اسے دے دیتا۔ وہ لے جاتا اور چند دن اپنے پاس رکھتا۔ جب اسے شفا ہو جاتی تو آکر مجھے واپس کر دیتا۔ اس طرح ایک مدت گزر گئی۔ ایک دفعہ تاج الدین ملتانی جو میرا دلی دوست تھا اپنے بیمار فرزند کے لیے تعویز لینے آیا۔ [۲۵] میں نے چاہا کہ اسے تعویز دوں لیکن جس طاق میں میں نے اسے رکھا تھا وہاں نہیں ملا۔ میں نے تاج الدین سے معذرت کر لی۔ وہ اپنے گھر لوٹ گیا۔ اس کا فرزند اسی مرض میں فوت ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد ایک دوسرا شخص میرے پاس آیا اور تعویز طلب کیا۔ جب میں نے طاق کی جانب نگاہ کی تو وہ تعویز وہاں موجود تھا۔ میں نے اُٹھا کر اس شخص کو دے دیا اور (اپنے دل میں) کہا سبحان اللہ! چونکہ تاج الدین کے بیٹے کو اجل آئی تھی ہرچند تعویز تلاش کیا نہیں ملا۔ واہ اس ایک بال کی کرامت کا کیا کہنا۔

سلطان المشائخ نے "راحت القلوب" میں تحریر فرمایا ہے کہ مجھے مولانا برہان الدین محمد قطب[۲] سے بے حد تعلق خاطر تھا، چنانچہ (ایک دفعہ) میں نے ان کی خاطر ہانسی میں خاصی مدت قیام کیا۔ جب وہاں سے اپنے پیر شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوا تو شیخ نے فرمایا بیٹھو۔ میں بیٹھ گیا اور پھر اٹھا اور وہ مکتوب جو مولانا برہان الدین نے مجھے دیا تھا خدمت شیخ میں پیش کیا۔ شیخ نے ملاحظہ فرمایا[۳] اس کے بعد بندے سے دریافت کیا کہ (اب کی بار) اس قدر دیر کیوں کی۔ میں نے زمیں بوس ہو کر عرض کیا کہ میرا خاکی جسم تو وہاں (دہلی میں) تھا لیکن میری روح مخدوم بندہ نواز کا مشاہدہ کرتی رہتی تھی۔ فرمایا، ہاں جیسا تم نے کہا ایسی ہی کیفیت رہی ہوگی اور مجھے علم ہے جیسا کہ تم نے کہا بارہا تم پر ایسا ہی اشتیاق طاری ہوا کہ اگر پر لگ جائیں تو اُڑ کر خدمت شیخ میں پہنچ جاؤں۔ بعد ازاں حاضرین مجلس کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ مرید اور فرزند کو ایسے ہی پکے اعتقاد کا ہونا چاہیے جیسا کہ بابا نظام ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم نے جو خط بھیجا تھا، اس میں ایک موزوں رباعی درج تھی، اگر تمھیں یاد ہے تو پڑھو کہ میں (تمھاری زبان سے) سنوں۔ میں زمیں بوس ہوا، اور اس رباعی کو دہرایا:

زاں روے کہ بندۂ تو خوانند مرا
بر مردمکِ دیدہ نشانند مرا

لطف و کرمت زغایتے فرمودہ است[۴]
ورنہ کیم و خلق چہ دانند مرا

(ترجمہ) اس سبب سے کہ مجھے آپ کا غلام کہتے ہیں، لوگ مجھے اپنی آنکھوں کی پتلی پر بٹھاتے ہیں۔
آپ کے لطف و کرم نے انتہا فرمادی ہے ورنہ میں کون ہوں دنیا والے مجھے کیا جانیں۔

جب میں نے رباعی ختم کی تو شیخ الاسلام [۲۶] پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور رقص میں آگئے۔ ان پر یہ کیفیت چاشت سے دوپہر تک طاری رہی۔ جب کچھ سنبھلے تو دعا گو کو خرقہ، مصلی اور نعلین عطا فرمائے اور فرمایا، بابا نظام میں تمھیں جلد دہلی رخصت کر دوں گا۔ تم کچھ عرصہ یہاں رہو تاکہ تمھیں جی بھر کے دیکھ سکوں کیوں کہ باہم ایک دوسرے کا دیدار غنیمت ہے۔ جب شیخ نے یہ جملہ پورا کیا تو ان پر گریہ طاری ہو گیا

چوں یافتیم حیف بود گر رہا کینم

(ترجمہ) افسوس کی بات ہے کہ ہم کوئی چیز پائیں اور پھر اسے اپنے جدا کر دیں۔

"فوائد الفواد" سے منقول ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں اپنے شیخ، فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک جوگی آگیا۔ شیخ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ وہ جوگی بیٹھ گیا۔ بات یہاں سے شروع ہوئی کہ نیک والدین کے ہاں جو بد عمل بچے پیدا ہوتے ہیں اس کا سبب کیا ہے۔ جوگی نے عرض کیا کہ عام لوگ اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ مباشرت کا صحیح وقت کون سا ہے۔ جس وقت ان پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے وہ اپنی بیویوں سے خواہش کی تکمیل کر لیتے ہیں، اسی باعث صالح عورتوں کے ہاں بد کردار بچے پیدا ہوتے ہیں۔ (دیکھیے) ہر ماہ کے تیس یا انتیس دن ہوتے ہیں اور ہر دن کی اپنی علیحٰدہ خاصیت ہوتی ہے مثلاً جو لوگ مہینے کے پہلے دن مباشرت کرتے ہیں ان کے ہاں اس کردار کے بچے ہوتے ہیں، جو دوسرے روز مباشرت کرتے ہیں اس اخلاق کے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ الغرض جوگی نے مہینے کے ہر روز کی خاصیت کی نشاندہی کی۔ میں نے سب یاد کر لیں اور جوگی سے کہا، میں نے اس تفصیل کو علیحٰدہ علیحٰدہ یاد کر لیا ہے۔ شیخ نے یہ بات سنی تو مسکرائے اور فرمایا، اے نظام یہ باتیں تمھارے کام نہیں آئیں گی۔ میں شیخ کے اس

اشارے کو سمجھ گیا اور تمام زندگی مجرّد رہا، اگرچہ عزیزوں نے اس باب میں بے حد اصرار کیا لیکن میں نے ان کا اصرار قبول نہ کیا۔ چنانچہ ایک روز میں بی بی فاطمہ سام کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ انھوں نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس شہر میں ایک شخص ہے، اس کی ایک خوبصورت اور نیک سیرت بیٹی ہے اگر آپ اس کو پسند کریں تو مناسب ہوگا۔ میں نے اس جوگی کا ماجرا انھیں سنایا اور کہا، چونکہ شیخ کی جانب سے اس کام کی ممانعت کا اشارہ ہوا ہے [۲۷] اس لیے مجھ پر واجب ہے کہ شیخ کے حکم پر کمربستہ رہوں اور نکاح نہ کروں۔ جب بی بی فاطمہ سام نے میری یہ بات سنی تو بہت خوش ہوئیں اور فرمایا میں نے اس شخص کی خاطر سے آپ سے یہ بات کہی ورنہ مجھ پر آپ کی حقیقت روشن ہے۔

مشایخ چشت کے ملفوظات میں، ان بی بی کی عظمت کا ذکر بہت زیادہ نقل کیا گیا ہے۔ اس مختصر رسالے میں ان سب کے بیان کی گنجائش نہیں ہے البتہ ان میں سے چند یہاں تحریر کیے جاتے ہیں۔

بی بی فاطمہ سام شیخ فریدالدّین گنج شکر کی منہ بولی بہن تھیں [۵] اسی تعلق سے شیخ کے بھائی شیخ نجیب الدّین متوکل شہر دہلیؒ میں اکثر ان کی خدمت میں جاتے تھے اور ان کی مبارک ذات سے روحانی فوائد حاصل کرتے تھے۔ سلطان المشایخ نے بھی ان سے تربیت حاصل کی اور مقصود اصلی تک پہنچے [۶] چنانچہ "فوائد الفواد" میں ہے، آپ نے فرمایا کہ بی بی فاطمہ سام بے حد و بے اندازہ صلاحیت کی حامل تھیں۔ حق تعالیٰ نے (شاید) انھیں صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا تھا۔ وہ کامل ذوق و شوق رکھتی تھیں اور تنہائی میں اکثر شوق آمیز اور راحت انگیز اشعار پڑھتی تھیں۔ دو مصرعے مجھے بھی یاد ہیں

ہم عشق طلب کنی وہم جاں خواہی
ہر دو طلبی ولے میسّر نہ شود

(ترجمہ) تو عشق کا طلب گار بھی ہے اور جان کا بھی خواہش مند ہے۔ دونوں کو طلب کرتا ہے لیکن میسّر نہیں ہوتے (ایک چیز کے طلب گار بنو عشق کے یا زندگی کے)

"سیرالاولیا" اور "فوائد الفواد" سے منقول ہے کہ جس رات شیخ نجیب الدّین متوکل کے ہاں فاقہ ہوتا، اس کی صبح بی بی فاطمہ سام کوئی چیز پکا کر ان کے گھر بھجواتیں۔ ایک روز

بی بی نے حسبِ معمول کھانا بھجوایا۔ شیخ نجیب الدّین نے مزاحاً فرمایا، اے اللہ جس طرح تو اس عورت کو میرے حال سے باخبر کر دیتا ہے ایک دن شہر کے بادشاہ کو بھی باخبر کر دے تاکہ وہ کوئی بابرکت چیز بھجوا دے (کچھ دن آرام سے بسر ہوں) پھر مسکرا کر فرمایا کہ بادشاہوں کو یہ باطنی صفائی کہاں حاصل ہے جو بی بی فاطمہ سام کو ہے۔

شیخ فرید الدّین گنج شکر نے بارہا فرمایا کہ اگر مشایخ کی خلافت عورتوں کے لیے جائز ہوتی تو میں [۲۸] فاطمہ سام کو اپنا خلیفہ بناتا کہ وہ اس زمانے میں مردوں سے بہتر ہیں[۷] چنانچہ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ شیخ کی مریدہ تھیں۔ واللہ اعلم[۸] شہر دہلی میں مٹیا کوٹ کے باہر اندرپت کے جوار میں آج بھی ان کی قبر شریف مخلوق خدا کی زیارت گاہ ہے کہا جاتا ہے کہ ابدالانِ زمانہ[۹] میں سے ایک ابدال ان کے مزار پر موجود رہتا ہے اور مصروفِ خدمت رہتا ہے۔ ان خاتون پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

میں پھر اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ "سیر الاولیا" سے منقول ہے کہ سلطان المشایخ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں اور شیخ جمال الدّین ہانسوی اور خواجہ شمس دبیر دوسرے دوستوں کے ساتھ شیخ فرید الدّین گنج شکر کی خدمت سے رخصت ہوئے۔ شیخ جمال الدّین نے نصیحت کی درخواست کی کہ مریدوں کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ جب وہ شیخ سے رخصت ہونے لگتے ہیں تو وصیت کی درخواست کرتے ہیں۔ اگر شیخ نے درخواست کرنے سے قبل کوئی نصیحت فرمائی تو بہتر ہے ورنہ خود درخواست کرتے ہیں۔ (شیخ جمال الدّین کی درخواست پر) شیخ فرید الدّین نے فرمایا کہ میری وصیت یہی ہے کہ میرے نظام کو اس سفر میں خوش رکھنا۔ اس کے بعد ہم شیخ کی خدمت سے رخصت ہو گئے۔ دورانِ سفر شیخ جمال الدّین مجھ سے بشاشت سے پیش آئے اور عنایت فرماتے رہے۔ خواجہ شمس دبیر بھی جو لطف و کرم کی کان ہیں مجھ پر کرم فرماتے رہے، یہاں تک کہ ہم قصبۂ اگروہ جو ہانسی سے ایک منزل پر ہے پہنچ گئے۔ شیخ جمال الدّین کے دوستوں میں سے ایک شخص[۱۰] اس قصبے میں رہتا تھا۔ اس نے ہماری آمد کو اپنے لیے سعادت جانا اور ہمارے استقبال کے لیے آیا اور اپنی قیام گاہ پر لے گیا۔ بہت عمدہ ضیافت کی۔ شیخ جمال الدّین نے اس سے کہا کہ آپ نے ہماری بہت اچھی مہمانی کی اب ہمیں جانے کی اجازت دیجیے۔ اس نے کہا [۲۹] میں آپ کو اس وقت رخصت کروں گا، جب یہاں بارش ہو گی، شاید اس علاقے میں بارش نہیں ہوئی تھی۔ اگرچہ شیخ نے بظاہر اپنی زبان سے کچھ نہیں فرمایا لیکن باطن میں

توجہ کی۔ اس رات خوب بارش ہوئی اور سارے علاقے کو سیراب کر دیا۔ وہ دوست یہ کرامت دیکھ کر حیران ہوا۔ بعد ازاں دوستوں کی سواری کے لیے چند گھوڑے بہت زیادہ صرفہ کر کے لایا اور درخواست کی سب دوست ہانسی تک سوار ہو کر جائیں۔ مجھے جو گھوڑا ملا وہ بہت بد لگام اور سرکش تھا۔ میں اس پر قابو نہ پاسکا اور دوستوں سے بچھڑ گیا مجھ پر صفرا نے غلبہ کیا اور میں بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ مجھے محسوس ہوا کہ نزاع کا وقت آ گیا ہے۔ بے اختیاری میں میں نے شیخ کے نام کا ورد شروع کر دیا۔ اس اثنا میں کوئی مسافر آ پہنچا۔ اس نے میرے منہ پر پانی چھڑکا جب میں ہوش میں آیا تو مجھے احساس ہوا کہ میری زبان پر بے ارادہ شیخ کا نام جاری ہے۔ میں نے گمان کیا کہ انشاء اللہ شیخ کو یاد کرتے ہوئے دنیا سے جاؤں گا۔

سیر الاولیا اور افضل الفوائد سے منقول ہے کہ ایک دفعہ چند درویش شیخ فرید الدّین گنج شکر کے روضے کی زیارت کے بعد سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حد درجے خوشی کا اظہار فرمایا اور اپنے قریب بیٹھنے کو کہا۔ اثنائے گفتگو میں ایک درویش نے جو صاحبِ کرامات تھے کہا کہ میں ایک شب شیخ فرید الدّین کے مزار شریف کی پائینتی مشغول (بہ حق) تھا۔ اس مشغولیت کے دوران میں نے شیخ کو دیکھا۔ قدم بوس ہو کر عرض کیا حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ شیخ نے جواب میں فرمایا، وہی جو وہ اپنے دوستوں سے روا رکھتا ہے۔ اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ اے درویش اگر تم کبھی میرے نظام کے ہاں جاؤ تو اس سے کہنا کہ اس دعا کو زیادہ سے زیادہ پڑھا کرے ہر عنایت جو حق تعالیٰ نے (مجھ پر) فرمائی، اسی دعا کی بدولت فرمائی،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یادائم العزوالبقا یاذی الجلال والجود والعطا یا اللہ

[۳۰] یا رحمٰن یا رحیم بحق ایاک نعبدو ایاک نستعین[۱۱]

سلطان المشایخ نے اس روز سے اس دعا کو اپنا ورد بنا لیا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ آپ نے اس دعا میں کیا اثر دیکھا، فرماتے تھے کہ میرے لیے کسی امر میں یہ ایک حکم تھا جسے میں ہی جانتا ہوں[۱۲] اس روز آپ نے اس درویش کو سبز رنگ کے اون کا خرقہ عنایت فرمایا۔

بیعت و ارادت اور اس کے طریقوں کا مختصر بیان

راقم اوراق فقیر حقیر محمد بلاق عرض پرداز ہے، چونکہ یہ باب سلطان المشایخ کے اپنے پیر شیخ فرید الدّین گنج شکر سے مضبوط عقیدت اور نیاز مندی اور آپ پر شیخ کی شفقت و

مرحمت سے متعلق ہے، اس لیے مشایخ اور فقرا کے قدموں کی اس خاک نے لازم جانا کہ اسی باب میں بیعت و ارادت کے طور طریقے اور اس کے آداب، اضافی فوائد کے ساتھ تحریر کیے جائیں تاکہ طالبین کے لیے مفید ثابت ہوں۔

"راحت القلوب" اور "آداب السالکین[13]" سے منقول ہے کہ جب ایک مسلمان یہ چاہے کہ وہ کسی شیخ کا مرید ہو اور اس کے ہاتھ پر توبہ کرے تو اسے چاہیے کہ جمعرات یا پیر کی شب عبادت میں بسر کرے۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک دن بیعت کے لیے مقرر کرے۔ روزہ رکھے، غسل کرے، نیا لباس پہنے، خوشبو لگائے اور کچھ شیرینی لے کر پیر کی خدمت میں جائے اور مغرب و عشاء کے درمیان بیعت کرے۔ اگر روزہ نہ رکھ سکے اور شب بیداری نہ کر سکے غسل کرنا کافی ہے، بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہو۔ ویسے مرید ہونے کے لیے وقت کا تعین روزہ رکھنا اور غسل کرنا لازمی شرطیں نہیں ہیں بلکہ (یہ امور) بیعت کے آداب میں سے ہیں، چنانچہ "سیر الاولیا" کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ شیخ فرید الدین گنج شکر، سلطان المشایخ اور دیگر مشایخ چشت کی خدمت میں جس وقت کوئی طالب حاضر ہوتا وہ اسے مرید کر لیتے۔ فائدہ۔ راحت القلوب اور لطائفِ اشرفی[14] میں ہے کہ شیخ کسی نئے شخص کو مرید کرے تو نیک لوگوں کو بلائے اور اپنے مریدوں [۳۱] کو بھی اس مجلس میں جمع کرے اور مصلیٰ بچھا کر قبلہ رو ہو کر بیٹھے پھر بارگاہِ الٰہی میں اپنی اور مرید کی بھلائی کی دعا کرے۔ بعد ازاں دو رکعت نماز ادا کرے اور سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو جائے اور مرید کو بھی اپنے برابر روبہ قبلہ کھڑا کرے۔ پہلے سورۂ القارعہ پڑھے اور مرید پر دم کرے۔ اس کے بعد تھوڑی سی شیرینی لے کر خود اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں ڈالے اور تین بار کہے:

> الٰہی اپنے اس بندے کو اپنی طرف کھینچ لے اور اس پر اپنی راہ آسان کر دے

بعد ازاں تین بار تکبیر (اللہ اکبر) اور تین بار لاحول آخر تک بلند آواز سے کہے۔ اس محل پر تکبیر کہنا گویا ان غازیوں کی سنت پر عمل کرنا ہے جب وہ کفار سے جنگ کرنے کے لیے میدان میں اترتے تھے تو نعرۂ تکبیر بلند کرتے تھے تاکہ فرشتے ان کی مدد کریں۔ جب تکبیر اور لاحول کی تکرار سے فارغ ہو جائے تو اپنا دایاں ہاتھ مرید کے دائیں ہاتھ پر رکھے اور مضبوط پکڑ کر مرید سے کہے کہ وہ اکیس مرتبہ کلمۂ توحید، اکیس مرتبہ درود شریف اور اکیس مرتبہ استغفار آخر تک پڑھے (جب وہ پڑھ چکے تو) شیخ اپنا ہاتھ اس طرح پلٹے کہ مرید کا ہاتھ اس کے

ہاتھ کے اوپر آجائے اور کہے:

> مجھ فقیر نے تمھیں اپنے شیخ، اپنے مشائخ اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر، ان امور میں بیعت کیا کہ تم بارگاہ رب العزت میں عہد کرو کہ میں آئندہ اپنے ہاتھ پیر، آنکھ، زبان، کان اور ہوش کو تمام بُرے افعال سے بچاؤں گا اور ہمیشہ شریعت کی راہ پر چلوں گا۔

مرید اپنی زبان سے اقرار کرے۔ اس کے بعد مرید کی استعداد کے مطابق اسے ہدایت کرے اور اپنا ہاتھ مرید کے ہاتھ سے الگ کرے۔ بیعت کا بنیادی رکن ہاتھ پر ہاتھ رکھنا ہے۔ بعض صوفیہ جب تک شیخ کا ہاتھ مرید کے ہاتھ پر نہ ہو، بیعت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ جب شیخ اپنا ہاتھ الگ کرے تو قینچی سے مرید کے سر کے بال تراشے۔ بال تراشتے وقت یہ آیت پاک تلاوت کرے، "محلقین رؤسکم و مقصّرین لا تخافون[15]" اور یہ بھی کہے اللھم قصر نکبتہ[16] کما قصرت شعرہ [۳۲] یعنی اے اللہ جس طرح میں نے اس کے بال کترے ہیں، اس کے رنج و غم کم کر دے۔ اس کے بعد مرید کی پیشانی کے درمیان سے ایک بال کاٹے اور کہے کہ الہی تیرا غلام تجھ سے بھاگا ہوا تھا، اب یہ تیری غلامی میں آنا چاہتا ہے اور غلاموں کے مانند تیری غلامی کا خواہشمند ہے۔ اس کے بعد ایک بال پیشانی کے دائیں ،جانب سے اور ایک بال بائیں جانب سے کترے لیکن تین بالوں سے زیادہ نہ لے کیوں کہ اس سے زیادہ کی ممانعت ہے۔ ان تین بالوں کو ملا کر گرہ لگائے اور کسی پاک صاف جگہ دفن کر دے، لیکن بعض مشائخ نے کہا ہے کہ ایک بال سے زیادہ نہ لے۔ (دراصل) تین بالوں کا کترنا امیر المومنین علیؓ اور امام حسن بصریؒ کی سنت ہے۔ فائدہ۔ ہر شیخ کا تین بال تراشنے سے مقصود، مرید کی آنکھوں سے تین حجاب اٹھانا ہے۔ پہلا "حجاب نفس" دوسرا "حجاب دنیا" تیسرا "حجاب آخرت" چنانچہ اس بناء پر منقول ہے "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا حرام علےٰ اھل الاخرۃ والاخرۃ حرام علیٰ اھل المعرفتہ و" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا اہل آخرت پر حرام ہے اور آخرت اہل معرفت پر حرام ہے۔ اسی مفہوم کو مسعود بکؒ[17] نے اس شعر میں ادا کیا ہے۔

مجرّد شو از دین و دنیا قلندر
کہ راہِ حقیقت ازیں ہر دو بر تر

(ترجمہ) اے قلندر دین و دنیا سے دست بردار ہو جا کہ حقیقت کی راہ

ان دونوں سے برتر ہے۔

فائدہ۔ جب شیخ بیعت کے لوازمات سے فارغ ہو جائے تو مرید کو کلاہ اور شجرہ جیسا کہ مشایخ کا دستور رہا ہے عطا کرے۔ اگر مرید خلوت کے لائق ہے تو خلوت میں بیٹھنے کا حکم دے ورنہ اپنی موجودگی میں اس کی تربیت کرے۔

خلوت کی کل مدت چالیس دن ہے۔ بعض کے نزدیک ستّر اور نوّے دن بھی ہے۔ خواجہ عبداللہ تستریؒ [18] نے خلوت کے لیے چالیس روز سے زیادہ کا حکم نہیں دیا اور خواجہ جنید بغدادیؒ [19] نے بارہ سال مقرر فرمائے ہیں۔ سالک کو چاہیے کہ کسی ایک مدت کو خود پر مسلّط نہ کرے بلکہ دلی اطمینان کے مطابق خلوت میں بیٹھے اس لیے کہ خلوت اختیار کرنے سے مقصود نفس کو شکست دینا اور عاجز کرنا ہے۔ صاحب معارف [20] نے یہ فائدہ بھی تحریر کیا ہے کہ جب مرید بیعت و ارادت کی رسموں کی ادائیگی سے فارغ ہو جائے تو دو رکعت نماز ادا کرے [۳۳] پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور الم نشرح اور دوسری میں فاتحہ اور الم ترکیف پڑھے کہ یہ مشایخ کی سنّت ہے۔ سلام کے بعد دونوں ہاتھ (دعا کے لیے) اٹھائے اور سینے کے برابر رکھے اور اپنے شیخ کی خیر و عافیت، اس سے محبت اور حق تعالیٰ کی معرفت کے حصول کی دعا کرے، چونکہ وہ وقت حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا ہوتا ہے، مرید جو کچھ اور جس قدر حق تعالیٰ سے طلب کرے گا ضرور حاصل ہوگا کیوں کہ توبہ کرنے کے بعد وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور پاک لوگوں کی دعا میں اثر ہوتا ہے۔

"مراد المریدین" [21] اور "آداب السالکین" میں تحریر کیا گیا ہے کہ جب کوئی پردہ نشین عورت کسی شیخ سے بیعت ہونا اور اس کے ہاتھ پر توبہ کرنا چاہے تو شیخ کو چاہیے کہ اپنے اور عورت کے درمیان پردہ کرے اور پانی سے بھرا ہوا ایک طشت یا بڑا پیالہ پردے کے نیچے اس طرح رکھے کہ اس کا ایک گوشہ پردے کے اندر اور دوسرا گوشہ پردے سے باہر بالکل درمیان میں ہو۔ پھر شیخ اپنی انگشتِ شہادت اس جانب پانی میں اور عورت دوسری جانب پانی میں ڈالے اس کے بعد بیعت کی رسم ادا کی جائے اور اد چشتیہ [22] میں بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی عورت مرید ہونے کی نیت کرے تو پیر کو چاہیے کہ اپنا ہاتھ پاک صندل یا زعفران یا گلاب (کے رنگ) سے آلودہ کر کے سفید کپڑے یعنی اوڑھنی پر اس طرح جمائے کہ اس کے ہاتھ کا نقش ابھر آئے، پھر وہ اوڑھنی اس عورت کو دے اور اس سے کہے کہ اس

نشان پر اپنا ہاتھ رکھے۔ اس کے بعد بیعت کی رسم ادا کرے اور اوڑھنی عورت کو بخش دے۔ جمہور مشایخ کے نزدیک عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے، اسی طرح عورت کے بال تراشنا یا کترنا بھی جائز نہیں ہے۔ مشایخ نے عورت کو مرید کرنے سے متعلق یہ بھی جائز رکھا ہے کہ عورت اپنے محرموں میں سے کسی کو اپنا وکیل بنائے تاکہ اس کی جانب سے اس کا محرم وکیل رسوم بیعت ادا کرے۔

فائدہ: اوراد چشتیہ میں تحریر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی غیر موجود (طالب) بیعت و ارادت کی درخواست کرے تو شیخ کو چاہیے [۳۴] کہ مرید ہونے کے لوازمات اور رسوم اپنے ہاتھ کے نقش کے ساتھ تحریر کر کے اسے ارسال کرے تاکہ وہ اپنا دایاں ہاتھ شیخ کے نقش پر رکھ کر تحریر کردہ ہدایات کے مطابق عمل کرے ------[۲۳] ---- غایب مرید کو مراد تک پہنچائے ----[۲۴] ---- غایب مرید کو شجرہ اور کلاہ بھجوانا اس امر کی دلیل ہے کہ شیخ نے اس کی بیعت قبول کر لی ہے۔

فائدہ معدن المعانی[۲۵] میں مصنف نے تحریر کیا ہے کہ مرید کے سر کے بال تراشنا شیخ کے حق میں حضرت شیث علیہ السلام سے نسبت قائم ہونے کی علامت ہے وہ واقعہ یوں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں کسی فرزند کی ولادت ہوتی تو آپ اسے اس کے لایق کام میں لگا دیتے۔ جب شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو آدم علیہ السلام اس تردد میں پڑ گئے کہ ان کے لیے کون سا کام مقرر کیا جائے۔ اس اثنا میں حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ آئ شیث صوفی یعنی شیث صوفی ہیں۔ الغرض جب شیث علیہ السلام ذرا بڑے ہوئے تو انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کی اور مخلوق نے ان سے تعلق پیدا کرنا اور مرید ہونا شروع کر دیا۔ جب مخلوق کی آمد و رفت کثرت سے ہونے لگی تو حضرت جبریل علیہ السلام دوبارہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ ایک قینچی بھی لائے اور فرمایا اے شیث (علیہ السلام) اب جو شخص آپ سے تعلق پیدا کرے اور مرید بنے تو اس قینچی سے اس کے سر سے تھوڑے سے بال لے لو تاکہ آپ کے اور اس کے درمیان محبت استوار ہو جائے۔ اسی سنّت کے مطابق مشایخ مرید کے سر کے بال تراشتے ہیں۔ "راحت القلوب" میں اسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سنت بیان کیا گیا ہے اور بعض تصانیف میں امیر المومنین علیؓ اور امام حسن بصریؒ کی سنّت لکھا گیا ہے۔ بہرحال مشایخ نے اس رسم کو کبھی ترک نہیں کیا اور نہ آئندہ کریں گے۔

واضح ہو کہ ان اوراق کے راقم محمد بلاق نے خرقے کی اصل حقیقت اور خلافتِ ظاہری و باطنی کی تشریح سلطان المشائخ [۳۵] کے اپنے شیخ فرید الدین گنج شکر سے خلافت پانے کے مطلب (باب) میں بیان کی ہے طالب کو چاہیے کہ ان مطالب کا مطالعہ مذکورہ باب میں کرے۔

فائدہ: "سیر الاولیا" میں ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا کہ شیخ کو ایسا ہونا چاہیے کہ جب کوئی طالب مرید ہونے کی نیت سے آئے تو پہلے اپنے نورِ معرفت سے اس کے سینے کے زنگ کو دور کرے تاکہ کسی طرح کا میل اس کے دل میں باقی نہ رہے اور اس کا سینہ آئینے کی مانند عکس ریز ہو جائے۔ اگر شیخ میں یہ استعداد نہیں ہے تو اسے کسی شخص کو مرید نہیں بنانا چاہیے کیوں کہ وہ بذاتِ خود بھٹکا ہوا ہے مرید کی کیا رہنمائی کرے گا۔

فائدہ: ایک دفعہ امام حسن بصری اور ان کے مرید حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہما ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا، اس نے بتایا کہ میں فلاں شیخ کا مرید ہوں۔ انھوں نے نووارد سے پوچھا، بتاؤ تمھارے پیر نے تمھیں کیا ہدایت کی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بس شیخ نے میرا سر تراشا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں فرمایا۔ دونوں بزرگوں نے فریاد کے لہجے میں کہا، وَھو مضل وانت ضال یعنی وہ گمراہ کرنے والا ہے اور تو گمراہ ہے۔ اس واقعے سے اس امر کا اشارہ ملتا ہے کہ شیخ کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نور معرفت سے مرید کے سینے کے زنگ کو مٹا دے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو حقیقی رہزنوں میں سے ایک رہزن وہ بھی ہے۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

فائدہ: "فوائد الفواد" میں ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا کہ مرید جو شیخ سے تجدید بیعت کرتے ہیں، یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاصدِ اسلام کی حیثیت سے اہل مکہ کے پاس بھیجا (ادھر مدینہ طیبہ میں) ایک ارجاف یعنی لوگوں کو برانگیختہ کرنے والی بری خبر پھیلائی گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سن کر صحابہ کو طلب کیا اور تجدید بیعت کا حکم دیا اور فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ اہل مکہ سے جنگ کروں تمام صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے اور بیعت کی چونکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے تنے سے سہارا لیے ہوئے تشریف فرما تھے، اس وجہ سے اس بیعت کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں [۳۶] تجدید بیعت کی جس کا ذکر کیا جا چکا ہے، یہی اصل تھی۔

فائدہ: "فوائد الفواد" میں ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا اگر کوئی مرید تجدید بیعت کرنا چاہے اور پیر موجود نہ ہو تو اسے چاہیے کہ شیخ کے خلیفہ کی خدمت میں یہ رسم ادا کرے اور اگر شیخ کا خلیفہ موجود نہ ہو تو شیخ کے کپڑے کو اپنے سامنے رکھے اور اس سے تجدید بیعت کرے کہ مشائخ کا یہی طریقہ رہا ہے۔ (دراصل) تجدید بیعت کی غرض و غایت یہ ہے کہ اگر مرید کے اعتقاد میں لغزش واقع ہو جائے تو اس کے ذریعے اعتقاد استوار ہو جاتا ہے اور وہ موت کے وقت حقیقی مرتد کی حیثیت سے نہیں مرتا۔ اللہ تعالیٰ ان سے اپنی پناہ میں رکھے [۲۵الف]

فائدہ: "فوائد الفواد" میں بیان کیا گیا ہے کہ بعضے بزرگ جو مشائخ کے مزارات سے بیعت کرتے ہیں اور مرید ہوتے ہیں جائز نہیں ہے، چنانچہ "فوائد الفواد" ہی میں منقول ہے کہ شیخ فرید الدین گنج شکر کے ایک بیٹے تھے جو سب بیٹوں میں بڑے تھے۔ وہ شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین کی قبر مبارک کی پائنتی محلوق اور مرید ہوئے۔ جب یہ خبر شیخ فرید الدین گنج شکر کو ملی تو انھوں نے فرمایا، اگرچہ خواجہ قطب الدین ہمارے پیر اور سردار ہیں لیکن وہ بیعت درست نہیں ہے جو بزرگوں کی قبروں سے کی جائے بیعت وہ ہوتی ہے جو زندہ شیخ کے ہاتھ پر کی جاتی ہے۔

فائدہ: "آداب السالکین" میں مصنف نے تحریر کیا ہے کہ مرید ہونے کی سات شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ شیخ حیات ہو اس کے انتقال کے بعد اس کا مرید ہونا جائز نہیں۔ دوم یہ کہ مرید بالغ ہو، اور اپنے نفع و نقصان کی سمجھ رکھتا ہو۔ اگر کسی بچے کو جس کا والد ولی مطلق ہے اسے کسی شیخ کا مرید کراتا ہے تو جائز ہے اور والد کا فیصلہ ہرگز غلط یا تبدیل نہیں کیا جاسکتا، اگر غیر والد اور غیر ولی کسی بچے کو مرید کراتا ہے تو بلغ ہونے پر اسے اختیار ہے کہ بیعت پر قائم رہے یا اسے توڑ دے جیسا کہ نکاح کے مسئلے میں ہوتا ہے۔ سوم بیعت یعنی ہاتھ پر ہاتھ رکھنا، چہارم سر کے بال منڈوانا، پنجم خرقہ یا کلاہ پہنانا، ششم دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرنا اور توبہ کرنا، ہفتم پیر کا مرید کو وعظ و نصیحت کرنا [۲۷] جب یہ سات شرائط پوری ہو جائیں تو مرید کی ارادت قابلِ قبول ہوتی ہے ورنہ ارادت مشکوک رہتی ہے۔

فائدہ: جب مرید حلقۂ ارادت میں آجائے اور توبہ کر لے تو اس توبہ کے سبب اس سے ان گناہوں کی بازپرس نہ ہوگی جو توبہ سے پہلے اس سے سرزد ہوئے تھے، کیوں کہ حق تعالیٰ ان کو (اپنی رحمت سے) معاف فرما دیتا ہے۔ لوگوں کو بھی چاہیے کہ اس کے پچھلے گناہوں پر عیب گیری نہ کریں کیوں کہ وہ ان گناہوں سے پاک ہو چکا ہے۔ اگر توبہ کرنے

کے بعد اس سے کوئی نامناسب حرکت سرزد ہو تو وہ حقیقی مرتد ہو جاتا ہے، اور لوگوں پر اسے لعن طعن کرنا لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ "فوائد الفواد" سے منقول ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا کہ قصبہ بھوہر میں سراج الدین نامی ایک شخص تھا۔ ایک دفعہ (دوران سفر) میں اس کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ اور اس کی بیوی شیخ فرید الدین گنج شکر کے مرید تھے۔ اسی روز اس قصبے کے رہنے والوں نے اس کی بیوی سے جھگڑا کیا اور اس پر طرح طرح کی تہمت لگاتے رہے۔ اس عورت نے جواب دیا کہ تم لوگ میرے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہو، ذرا سوچو کہ یہ باتیں مجھ میں بیعت سے پہلے تھیں یا اب ہیں۔ اگر یہ باتیں پہلے کی ہیں تو ان پر عیب گیری نہ کریں کیوں کہ توبہ کرنے کے باعث مجھ سے ان کی بازپرس نہیں ہو گی۔ فھم من فھم یعنی جس نے سمجھا سمجھا۔

ادب۔ سالک کو چاہیے کہ اپنی راہ سے الگ نہ ہو الاّ یہ کہ کوئی ضرورت واقع ہو جائے، کیوں کہ اصحاب طریقت نے کہا ہے کہ اگر عالم ہر روز طلب دنیا میں پھرتا رہے گا تو حلال و حرام کے مسائل کون بتائے گا اور اگر صوفی کوچہ و بازار میں مارا مارا پھرے گا تو سلوک اور رشد و ہدایت کا قیام کون عمل میں لائے گا۔

سالک کو چاہیے کہ ہمیشہ متقی لوگوں کی صحبت میں بیٹھے اور بے پروا لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرے کیوں کہ یہ حدیث اس حقیقت پر دلیل ہے، "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحبت الصالحین نور و صحبت الاغنیا نار" یعنی صالحین کی صحبت نور ہے اور بے پروا لوگوں کی صحبت نار ہے مطلب یہ ہے کہ معرفت کی منزلیں طے کرنے والے کے لیے آگ ہے، فھم من فھم یعنی جس نے سمجھا سمجھا۔

ادب۔ جب سالک راہ سلوک میں قدم رکھے [۳۸] تو اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے توبہ کرے۔ توبہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک عوام کی توبہ اور دوسرے خواص کی توبہ۔ عوام کی توبہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنا ہے اور خواص کی توبہ ماسوی اللہ سے دل اٹھا لینا ہے۔ اسی طرح اہل معرفت کے گروہ کی توبہ بھی تین قسم کی بیان کی گئی ہے۔ اول توبۂ حال، دوم توبۂ ماضی اور سوم توبۂ مستقبل۔ توبۂ حال یہ ہے کہ زمانۂ حال میں اپنے کیے پر نادم و شرمسار ہو۔ توبۂ ماضی یہ ہے کہ اگر ماضی میں کسی پر ظلم کیا ہے یا ناحق اس کے مال پر تصرف کیا ہے تو جا کر اس کو راضی کرے اور توبۂ مستقبل یہ ہے کہ آئندہ کسی گناہ کا خیال دل میں نہ لائے۔ اگر کوئی شخص زبان سے تو توبہ کر لیتا ہے لیکن اس کا دل گناہ کی جانب مائل رہے تو یہ توبہ نہیں کہلائے گی بلکہ باری تعالیٰ کے ساتھ ایک کھیل ہو گا۔ نعوذ باللہ منھا۔

فائدہ: ایک روز سراج الدین بدایونی نے سلطان المشائخ سے دریافت کیا کہ کیا یہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

مَن لیس لہ، شیخ فشیخہ ابلیس

(ترجمہ) جس کا کوئی شیخ نہیں پس اس کا شیخ ابلیس ہے

سلطان المشائخ نے فرمایا، یہ حدیث نہیں ہے، مشائخ کا قول ہے۔ اس کے بعد زبان مبارک سے فرمایا، ایک درویش تھے کامل حال جب انھیں کسی شخص کے بارے میں معلوم ہوتا کہ اس کا کسی شیخ سے تعلق نہیں ہے تو فرماتے کہ یہ شخص کسی کے پلڑے میں نہیں بیٹھا ہے۔ اس محل پر میر حسن نے عرض کیا، یعنی وہ بے وزن ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی شیخ سے تعلق رکھتا ہے، اس سے جو کچھ ظہور میں آتا ہے قیامت میں وہ اعمال شیخ کے پلڑے میں رکھے جائیں گے اور اس سے بازپرس ہوگی [۲۶] اسی بناء پر کہتے ہیں کہ فلاں شخص کسی کے پلڑے میں نہیں بیٹھا یعنی اس کا کوئی شیخ نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا اپنے آپ کو کسی کے پلّے باندھنا دنیا کے عذاب اور آخرت کی سزا سے نجات حاصل کرنا ہے[۲۷] چنانچہ خواجہ قطب الدین بختیار اوشی سے منقول ہے کہ اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی کا ایک ہمسایہ تھا جو خواجہ عثمان ہرونی کا مرید تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو خواجہ اس کے جنازے کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے۔ جب لوگ اسے دفن کر کے چلے گئے تو خواجہ نے اس کی قبر کے سرہانے مراقبہ فرمایا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ خواجہ کا چہرہ زرد ہو گیا پھر بحال ہو گیا [۳۹] ایک درویش نے اس حالت کے بارے میں دریافت کیا تو خواجہ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو کسی کے پلّے باندھنا اچھی بات ہے۔ جب اس شخص کی میّت کو دفن کر دیا گیا تو عذاب کے فرشتے آئے اور اس پر عذاب کرنا چاہا۔ اس وقت میرے شیخ عثمان ہرونی آموجود ہوئے اور فرشتوں پر ہاتھ اُٹھایا اور ان کے منہ پر طمانچے مارے اور فرمایا کہ اس پر عذاب مت کرو، یہ میرا مرید ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ شیخ سے کہو کہ یہ شخص تمہارے خلاف تھا۔ خواجہ نے فرمایا کہ یہ بات درست ہے لیکن اس نے خود کو میرے پلّے باندھا تھا، میں نہیں چاہتا کہ اس پر عذاب و عتاب کیا جائے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ شیخ کے مرید کو چھوڑ دو اور اسے ان ہی کے سپرد کر دو میں نے اسے اُن ہی کو بخش دیا۔ الغرض جب سلطان المشائخ نے یہ حکایت ختم کی[۲۸] تو یہ بھی فرمایا کہ اپنے آپ کو کسی کے پلّے باندھنا، دنیا کے عذاب اور آخرت کی تکلیف سے نجات

حاصل کرنا ہے۔ شعر

گر نیک آیم مرا از ایشان گیرند
ور بد باشم مرا بدیشاں بخشند

(ترجمہ) اگر میں نیک ہوں تو نیکوں کی بدولت نیک بنا ہوں اور اگر بد ہوں تو مجھے نیکوں کے طفیل بخش دیں۔

ادب۔ "فوائد الفواد" میں بیان کیا گیا ہے کہ شیخ مرید سے کسی طرح کا لالچ نہ رکھے۔ اگر وہ کوئی چیز لائے تو قبول نہ کرے جیسا کہ اسی کتاب میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک مرید اپنے شیخ کے لیے کھانے کی کوئی چیز لایا شیخ نے قبول نہ کی۔ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے وجہ دریافت کی تو شیخ نے فرمایا، جس طرح دین کے کاموں میں شیخ مرید کا محتاج نہیں ہوتا، اسی طرح دنیاوی اسباب میں بھی مرید کا محتاج نہیں ہونا چاہیے۔ اس سے مرید کے اعتقاد میں ضعف پیدا ہونے لگتا ہے اور وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ شیخ میرا محتاج ہے۔

ادب۔ شیخ، استاد اور والدین کے سامنے از خود باتیں نہیں کرنی چاہئیں، بیت

اول ادب آنست کہ خاموش بباشی
و ز خود سخنے پیش بزرگاں نتراشی

(ترجمہ) پہلا ادب یہ ہے کہ تو خاموش رہے اور بزرگوں کے حضور از خود باتیں نہ بنائے اور ان کی اجازت کے بغیر ان کے ہاں نہ جائے، خاص طور پر اس وقت جب وہ اللہ کی یاد میں ہوں یا آرام کر رہے ہوں تاکہ ان کے کاموں میں مخل نہ ہو۔

ادب۔ استاد [۴۰] اور والدین سے بے وضو ملاقات نہ کرے کیوں کہ بے وضو ملاقات ترکِ ادب ہے۔

ادب۔ بزرگوں کے حضور میں ایک دوسرے سے باتیں نہ کرے اور نہ دائیں بائیں دیکھے، بلکہ سر جھکائے بیٹھا رہے۔

ادب۔ جو بات پیر یا استاد سے سُنے اس کو حق جانے اور ظاہر و باطن میں اس پر شک نہ کرے اگر ان کی بات شریعت یا طریقت کے خلاف نظر آئے تو اپنی فہم کا قصور خیال کرے۔

"سیر الاولیا" میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر مرید کے دل میں یہ خطرہ گزرے کہ میرے

شیخ کے علاوہ دنیا میں دوسرا شخص بھی ہے جو اسے خدا تک پہنچا سکتا ہے تو یقیناً شیطان ملعون نے اس کی عقیدت میں تصرف کیا ہے اور اس ڈانوا ڈول مرید کو شیخ کی محبت کے شغل سے نکال دیا ہے اور حقیقی کافر بنا دیا ہے [۲۹] نعوذ باللہ منھا۔ اس کام میں اعتقاد اصل حقیقت ہے جیسا کہ ظاہری ایمان کے معاملے میں ہے کہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ پہلے باری تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت پر ایمان درست رکھے۔ اسی طرح مریدوں کو چاہیے کہ شیخ کی عقیدت میں ضعف پیدا نہ ہونے دیں، چنانچہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر مومن سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ کافر نہیں ہوتا لیکن مرید ذرا سی لغزش سے مرتد ہو جاتا ہے [۳۰]

ادب۔ ایک دفعہ شیخ اجل شیرازی کا کوئی مرید چوری کے الزام میں گرفتار ہوا، اسے قتل گاہ میں لے جایا گیا جلاد نے اس کو اس طرح کھڑا کیا کہ اس کا منہ قبلے کی طرف رہے لیکن اس طرح اس کی پیٹھ شیخ کی قبر کی طرف ہو گئی وہ فوراً پلٹ گیا اور منہ قبلے کی طرف سے پھیر لیا۔ جلاد نے کہا، ایسا کون شخص ہے جو کہتا ہو کہ اس حالت میں قبلے کی جانب منہ نہ کیا جائے۔ مرید نے کہا کہ تم کو اس بحث سے کیا مطلب تم تلوار اٹھاؤ اور میری گردن الگ کرو، میں نے اپنا رُخ قبلے کی طرف کر لیا ہے۔

ادب۔ "سیر الاولیا" میں منقول ہے کہ ایک شخص شبلی علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ میں آپ کا مرید ہونا چاہتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا میں تمھارا مرید ہونا اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ میں جو حکم دوں گا [۳۱] تم اسے بجا لاؤ گے اس نے کہا، آپ جو حکم دیں گے میں اسے جان سے بجا لاؤں گا۔ شبلیؒ نے فرمایا، تم کلمہ توحید کس طرح پڑھتے ہو مرید نے کہا، میں اس طرح پڑھتا ہوں "لا الہ اللہ محمد الرسول اللہ" شبلیؒ نے فرمایا اس طرح کہو لا الہ الااللہ شبلی رسول اللہ مرید نے فی الفور اسی طرح پڑھا۔ بعد ازاں شبلیؒ نے فرمایا، اے عزیز شبلی تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلاموں کا ایک کمینہ غلام ہے، رسول وہی ہیں میں نے تو صرف تیرے اعتقاد کو آزمایا تھا۔

ادب۔ سلطان المشایخ سے دریافت کیا گیا، ایک مرید بہت عبادت گزار اور زاہد ہو لیکن اس کے دل میں پیر کی محبت کم ہو، اور دوسرا مرید صرف فرض نماز اور روزے کے علاوہ کچھ نہ کرتا ہو لیکن وہ پیر سے عقیدت رکھنے اور محبت کرنے میں راسخ ہے ان دونوں میں کون بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا وہ جو عقیدت و محبت میں راسخ ہے، کیوں کہ اس کی کامل

عقیدت کا ایک وقت اس سست اعتقاد مرید کے تمام اوقات پر فوقیت رکھتا ہے۔

ادب۔ مرید کو وہی کرنا چاہیے جس کا پیر حکم دیتا ہے لیکن پیر ایسا ہو جو شریعت و طریقت کے احکام کا عالم ہو۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہے گا جو ان احکام سے خارج ہو۔ اگر پیر کوئی ایسی بات کہے جو اختلافی ہے تو مرید کو وہی کرنا چاہیے جو پیر نے فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بزرگ سے تعلق پیدا کرتا ہے اور مرید ہو جاتا ہے تو اسے تحکیم کہتے ہیں یعنی وہ مرید پیر کو اپنے اوپر حاکم بناتا ہے۔ پس جو کچھ پیر حکم دیتا ہے اور مرید اسے بجا نہ لائے تو تحکیم نہیں ہوگی اور اگر مرید پیر کے قول و فعل کا انکار کرے تو مرید نہ رہے گا۔ نعوذ باللہ منھا۔

ادب۔ پیر کے حضور نوافل، تسبیح اور اوراد میں مشغول نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ کوئی مشغولی پیر کے مشاہدے سے بالاتر نہیں ہے۔ اگر مرید ایسا نہ کر سکے تو اٹھ کر کسی گوشے میں چلا جائے اور اپنا وظیفہ پورا کرے اگر گوشہ نہ ملے تو پیر کی پشت کے پیچھے بیٹھ کر وظیفہ پورا کرے۔

ادب۔ مرید پر لازم ہے کہ کسی صورت پیر کی طرف پشت نہ کرے۔ اگر کسی ضروری کام سے پیر کے سامنے سے اٹھنا پڑے تو الٹے قدموں چلے تاکہ اس کی پشت پیر کی جانب نہ ہو، اور جب پیر کی نظر سے [۴۲] چھپ جائے تو سیدھا چلنا شروع کر دے۔

شیخ فرید الدین گنج شکر اور سلطان المشائخ کے اکثر مرید ان کے حضور الٹے قدموں رخصت ہوتے تھے اور ان دونوں بزرگوں نے اپنے بعض مریدوں کے بارے میں فرمایا بھی ہے کہ ہم نے کبھی ان کی پشت نہیں دیکھی اس مختصر رسالے میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

ادب۔ اپنے مشائخ کے سامنے اور ان کی نشست گاہ میں جوتے پہنے ہوئے نہ جائے۔ جوتے اُتار کر ان کے حضور یا نشست گاہ میں حاضر ہو کہ یہ عمل آداب مشائخ میں داخل ہے۔

ادب۔ اگر پیر یا استاد یا کوئی بزرگ راستے میں مل جائے تو پہلے جوتے اتارے پھر ملاقات کرے جوتے پہنے ہوئے استاد یا بزرگوں سے ملاقات کرنا بے ادبی ہے۔

ادب۔ اگر پیر کی موجودگی میں، ان کے حکم سے امامت کرے تو نماز کے بعد مختصر دعا کرے۔ پھر اٹھ کر پیر کی پشت کے پیچھے آئے اور سنت نماز ادا کرے

ادب۔ اپنے شیخ یا کسی بزرگ کا پیا ہوا پانی مل جائے تو بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پیے۔ اگرچہ ازروئے حکمت کھڑے ہو کر پانی پینا ممنوع ہے لیکن تین قسم کے پانی کھڑے ہو کر پینے چاہئیں۔ ایک زم زم کا پانی دوسرے کسی بزرگ کا بچا ہوا پانی تیسرے وضو کا بچا ہوا

پانی تاکہ تمام اعضائے جسمانی کو اس کی برکت حاصل ہو۔

ادب۔ ہر بار جب پیر سے خرقہ یا کلاہ عنایت ہو تو جب تک دوگانہ رکعت ادا نہ کر لے، نہ پہنے۔ اس کے شکرانے کے طور پر کوئی چیز پیر کی خدمت میں لے کر جائے اور اسے قبول کرنے کی درخواست کرے۔ جب شیخ اسے قبول فرمالیں تو قدم بوس ہو کر تسلیمات بجالائے۔

ادب۔ جب کوئی شخص اپنے پیر یا استاد یا کسی بزرگ کے مزار کی زیارت کے لیے جائے تو اسے چاہیے کہ کچھ پھول، شیرینی یا نقد رقم اپنے ساتھ لے جائے۔ اگر یہ چیزیں مہیا نہیں کر سکتا تو سبزہ لے جانا ہی کافی ہے۔ خالی ہاتھ نہ جانا چاہیے۔ زائر دہلیز سے اندر داخل ہو اور قبر کی پائنتی کو بوسہ دے اور تین طواف کرے جب طواف سے فارغ ہو تو قبر کے دائیں جانب کھڑا ہو کر کہے [۴۳] علیکم السلام یا اھل لا الہ الا اللہ یعنی اے صاحب مزار آپ پر سلامتی ہو، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر پھول یا سبزہ اپنے ہاتھ سے قبر کے دائیں جانب میت کے چہرے پر آہستہ سے رکھے اور بیٹھ جائے اور شیرینی اور نقد رقم اپنے سامنے رکھے اور قرآن کی چند آیات دھیمی آواز سے تلاوت کرے اور اس کا ثواب صاحب مزار کی نذر کرے۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھائے اور درود شریف۔ سورہ فاتحہ، آیتہ الکرسی، اذا زلزلت الارض اور الھکم التکاثر ایک ایک بار، سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ اور لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ الملک ولہ الحمد یحیی و یمیت و ھو حیّ لا یموت ابداً ابدا ذوالجلال والاکرام بیدہ الخیر وھو علیٰ کل شیٔ قدیر پڑھے اور کہے۔ قرات القرآن و جعلتُ ثوابھا بروح فلاں بن فلاں یعنی میں نے قرآن پڑھا اور فلاں بن فلاں کی روح کو اس کا ثواب کیا۔ بعد ازاں انگشت شہادت مزار پر رکھ کر تین بار درود شریف پڑھے اور جو حاجت ہے اسے عرض کرے اور شیرینی اور نقدی ان بزرگ کے وارثوں یا مجاوروں کو دے اور چلا آئے۔

فائدہ۔ جب مقبروں کی زیارت سے واپس ہو تو کسی مریض کی عیادت کرنے نہ جائے کیوں کہ صحت کی امید نہ رہے گی۔ اگر کسی مریض کے ہاں جانا بہت ضروری ہو تو پہلے کسی مسجد میں جائے یا اپنے گھر آئے اور دو رکعت نماز ادا کرے پھر مریض کی مزاج پرسی کو جائے۔ مزاج پرسی کے دوران مریض سے نیک شگون اور برکت ہونے والی باتیں کرے۔ اسے صحت کی امید دلائے۔ موت کا ذکر، زیارت مزار اور عذابِ قبر کا ذکر نہ کرے۔

فائدہ۔ اگر کوئی شخص لفظ "یاسلام" کو ایک سو گیارہ بار پڑھ کر مریض پر دم کرے تو شفایاب ہو جاتا ہے۔ یہ عمل آزمودہ ہے۔ [۴۴]

حواشی مطلب پنجم

۱۔ سیبویہ۔ ان کا شمار علم نحو کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ پورا نام ابوبشر عمر الدّین عثمانی سیبویہ تھا۔ ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں اردو ترجمہ "فوائد الفواد" از پروفیسر محمد سرور جامعی لاہور طبع دوم ۱۹۸۰ء ص ۸۶۔

۲۔ "راحت القلوب" میں ان کا اسم گرامی "برہان الدّین محمد قطب ہانسوی" بیان کیا گیا ہے لیکن "سیر الاولیا" میں مولانا برہان الدّین صوفی بن شیخ جمال الدّین ہانسوی تحریر کیا گیا ہے۔ شیخ قطب الدّین منور ان ہی کے فرزند اور شیخ جمال الدّین ہانسوی کے پوتے تھے (سیر الاولیا فارسی ص ۱۹۲) غالباً اصل متن میں والد اور فرزند کے نام خلط ملط ہو گئے ہیں۔

۳۔ یہ بیان کہ سلطان المشائخ قدس سرہ، نے مولانا برہان الدّین کا مکتوب بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں پہنچایا صحیح نہیں ہے۔ حقائق و شواہد ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) بابا فرید گنج شکر نے حضرت سلطان المشائخ کو رمضان ۶۶۹ھ میں خلافت عطا فرمائی اور فرمایا کہ یہ اجازت نامہ ہانسی میں مولانا جمال الدّین کو اور دہلی میں قاضی منتجب کو دکھا لینا (سیر الاولیا ص ۱۲۶) بابا فرید گنج شکر نے سلطان المشائخ کو شوال (۶۶۹ھ) میں دہلی کی واپسی کا حکم دیا (فوائد الفواد فارسی ص ۸۸) چنانچہ آپ اجودھن سے ہانسی آئے اور شیخ کے حکم کی پابجائی کرتے ہوئے شیخ جمال الدّین ہانسوی کو خلافت نامہ دکھایا اور ان کی تائید حاصل کی (سیر الاولیا فارسی ص ۱۲۷) سلطان المشائخ قدس سرہ، کے ہانسی سے روانہ ہونے کے بعد شوال یا ذی قعدہ یا ذی الحجہ ۶۶۹ھ کی کسی تاریخ کو شیخ جمال الدّین ہانسوی نے وفات پائی (اس کا حوالہ آگے نمبر (۲) میں آ رہا ہے) ۵ محرم ۶۷۰ھ میں بابا فرید گنج شکر کا وصال ہوا (حضرت محبوب الٰہی ص ۳۶)

(۲) سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے کہ شیخ جمال الدّین ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کی خادمہ جنھیں بابا فرید گنج شکر مادر مومناں کے لقب سے مخاطب فرماتے تھے، شیخ جمال الدّین ہانسوی کے فرزند برہان الدّین صوفی کو لے کر بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس وقت مولانا برہان الدّین چھوٹی عمر کے تھے بابا فرید گنج شکر نے ان پر بے حد شفقت فرمائی اور تعظیم و تکریم سے پیش آئے اور اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا اس موقعے پر مادر مومناں نے عرض کیا "خوجا برہان الدّین بالا ہے" یعنی اے خواجہ برہان الدّین چھوٹا ہے اس بار گراں کو کس طرح اٹھائے گا۔ شیخ نے جواب میں فرمایا۔ "مادر مومناں پونوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے۔" یعنی بدر کامل بھی پہلی رات کو چھوٹا ہوتا ہے پھر بتدریج بدر کامل بنتا ہے۔ اس کے بعد بابا فرید گنج شکر

نے مولانا برہان الدّین کو رخصت فرمایا (سیر الاولیا فارسی صص ۱۹۲-۱۹۳)
قابل غور پہلو یہ ہے کہ راحت القلوب کی مذکورہ روایت کی رو سے، ایک بار اجودھن جاتے ہوئے اس تعلق خاطر کی بنا پر جو سلطان المشایخ قدس سرّہ، اور مولانا برہان الدّین علیہ الرحمتہ کے درمیان تھا سلطان المشایخ نے طویل عرصے تک ہانسی میں قیام فرمایا (مرا بہ مولانا برہان الدّین محمد قطب ہانسوی اخلاص فراواں بود، چنانچہ مدتے برائے او در ہانسی بودم۔) وہاں سے اجودھن حاضر ہوئے اور مولانا برہان الدّین کا مکتوب بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں پیش کیا۔ اس واقعے کا امکان بابا فرید گنج شکر کی حینِ حیات تین سفروں کے کسی ایک سفر میں ہوسکتا ہے لیکن باہمی اخلاص کے لیے ہم عمری بھی ایک شرط ہے۔ سلطان المشایخ کی اجودھن کی پہلی حاضری ۶۶۵ھ میں بیس سال کی عمر میں ہوئی اس لیے مولانا برہان الدّین کی عمر بھی اس زمانے میں کم و بیش اتنی ہی ہونی چاہیے لیکن شیخ جمال الدّین ہانسوی کی وفات (شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ ۶۶۹ھ) کے بعد جب مادر مومناں مولانا برہان الدّین کو بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں لے گئیں تو وہ بچے تھے لہٰذا سلطان المشایخ کی مکتوب رسانی کا قصہ روایت و درایت کے معروف معیار پر پورا نہیں اترتا۔

دوسرے یہ کہ اتنی کم سنی میں مولانا برہان الدّین ہانسوی کے مکتوب بنام بابا فرید گنج شکر تحریر کرنے کا کوئی امکان اور قرینہ نہیں ہے یہ ایک بچے کی استعداد اور ادراک سے بالاتر ہے کہ وہ کوئی مضمون سلیقے سے قلمبند کر کے ایک عظیم المرتبت شیخ کی خدمت میں ارسال کرنے کا ارادہ کرے۔ اس کے علاوہ کسی عصری ماخذ مثلاً سیر الاولیا، فوائد الفواد اور خیر المجالس سے بھی اس واقعے کے وقوع پذیر ہونے کی شہادت نہیں ملتی۔ واللہ اعلم

۴۔ مطبوعہ فوائد الفواد ص ۳۰۱ پر تیسرا اور چوتھا مصرع اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

لطفِ عامت عنایتے فرمودست
ورنہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا

مطلوب الطالبین کے پیش نظر متن میں مذکورہ رباعی کے تیسرے مصرعے میں کسی قدر تعقید ہے بہر حال قریب الفہم ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے لیکن یہ کوشش ترجمے کے مسلمہ اصول کے مطابق نہیں ہوگی۔

"آپ نے (بندے کی عزت افزائی کے) مقصد سے لطف و کرم فرمایا ورنہ میں کون ہوں دنیا والے مجھے کیا جانیں۔ احقر مترجم۔

۵۔ "اورا با حضرت شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر فرید الحق والدین و حضرت شیخ نجیب الدّین متوکل قدس اللہ سرہما العزیز برادر خواندگی و خواہر خواندگی بودہ است (ترجمہ) وہ شیخ کبیر فرید الحق والدین اور حضرت شیخ نجیب الدّین متوکل قدس اللہ سرہما العزیز کو منہ بولا بھائی کہتی تھیں اور دونوں بزرگ ان کو منہ بولی بہن کہتے تھے (سیر الاولیا فارسی صص ۵۸۶-۵۸۷)

۶۔ فوائد الفواد میں بی بی فاطمہ سام کا ذکر دو مجلسوں میں آیا ہے اور سیر الاولیا میں، چار مقامات پر ان کا ذکر

ہے لیکن دونوں کتابوں میں کہیں اس بات کا اشارہ تک نہیں کہ شیخ نجیب الدین متوکل نے بی بی فاطمہ سام کے انفاس مبارک سے فوائد حاصل کیے اور سلطان المشائخ قدس سرہ، نے ان سے تربیت پائی اور مقصود اصلی تک پہنچے (اکثر بخدمت دے رفتے واز انفاس مبارک او فواید می گرفتے و سلطان المشائخ نیز از و تربیت یافتے و بہ مقصود اصلی رسیدے (مطلوب الطالبین قلمی ص ۲۸) ملاحظہ فرمائیں فوائد الفواد (فارسی) جلد اوّل مجلس بستم ص ۳۵، جلد پنجم مجلس نوزدہم ص ۴۱۶۔ سیر الاولیا (فارسی) صص ۱۷۸، ۴۲۰، ۵۸۶، ۵۹۳۔

بابا فرید گنج شکر قدس سرّہ نے اپنی صاحب زادی بی بی شریفہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر مشائخ کی خلافت عورتوں کے لیے جائز ہوتی تو میں بی بی شریفہ کو خلافت دیتا مصنف مطلوب الطالبین نے اس ارشاد کو بی بی فاطمہ سام کے حق میں نقل کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۲۰۱۔ اردو ترجمہ (قدوسی) ص ۳۲۹

۷۔ بابا فرید گنج شکر قدس سرّہ نے بی بی فاطمہ سام کی جو توصیف فرمائی ہے، سلطان المشائخ قدس سرّہ نے اپنی ایک مجلس مبارک میں اسے بیان فرمایا ہے۔

> "عورتے بود در اندرپت فاطمہ نام گفتندے در غایت عفت و صلاحیت چناں کہ بابا بر لفظ مبارک شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرّہ العزیز رفتہ بود کہ آن زن مردیست کہ اورا در صورت زنان فرستادہ اند"
>
> (ترجمہ) اندرپت میں ایک خاتون تھیں انھیں لوگ فاطمہ کہتے تھے، وہ نہایت درجے عفیفہ اور پارسا تھیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرّہ العزیز فرماتے تھے کہ وہ عورت مرد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی صورت میں پیدا کیا ہے۔
>
> ملاحظہ فرمائیں فوائد الفواد جلد اوّل بیسوی مجلس ص ۳۵ نیز سیر الاولیا فارسی ۵۸۶ (ترجمہ از احقر مترجم)

۸۔ یہ غلط قیاس اسی غلط قول کی بناء پر پیدا ہوتا ہے۔ کسی عصری ماخذ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بی بی فاطمہ سام بابا فرید کی مریدہ تھیں۔

۹۔ ابدال، حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ (م ۴۶۵۔ ۴۶۹) نے فرمایا ہے کہ چار ہزار اولیائے الٰہی ہیں، جو عام لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ ان کی اپنی حالت تمام لوگوں سے اور خود اپنے آپ سے چھپی رہتی ہے۔ ان چار ہزار میں جنھیں سرہنگان درگاہ حق تعالیٰ کہا جاتا ہے تین سو وہ نفوس ہیں جنھیں "اخیار" کہا جاتا ہے۔ چالیس وہ ہیں جنھیں "ابدال" کہتے ہیں۔ سات وہ ہیں جنھیں "ابرار" کہتے ہیں۔ تین وہ ہیں جنھیں "نقیب" کہتے ہیں۔ ایک وہ ہے جو قطب کہلاتا ہے اسے "غوث" بھی کہتے ہیں۔ یہ تمام ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں اور نظام معاملات و تصرف میں ایک دوسرے سے اذن و اجازت حاصل کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں کشف المحجوب (فارسی) مرتبہ احمد ربانی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۲۲۹ نیز "رسالہ ابدالیہ" مصنفہ حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمتہ اللہ علیہ (م ۸۵۱ھ) مرتبہ ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا اسلام آباد ۱۹۷۸ء صص ۱۲-۱۳ اور سیر دلبراں صص ۱۷۳ تا ۱۷۶

۱۰- سیر الاولیا میں شیخ جمال الدین ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ کے ان آشنا کا نام، میراں نقل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۱۸۹!

۱۱- (ترجمہ) شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں، اے دائمی عزت والے اور باقی رہنے والے اے صاحب عظمت اور بخشش وعطا کرنے والے، اے اللہ اے رحمٰن، اے رحیم، "ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد کی درخواست کرتے ہیں" کے وسیلے سے (ہماری مراد پوری فرما)

۱۲- پیش نظر مخطوطے میں دو تین لفظ مٹے ہوئے ہیں۔ "جسے میں ہی جانتا ہوں" احقر مترجم نے یہ جملہ اپنے قیاس سے ترجمہ کیا ہے۔ واللہ اعلم

۱۳- قدیم اور جدید ماخذوں میں، آداب السالکین کو دو بزرگوں کی تصنیف ظاہر کی گئی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آداب السالکین کو شیخ فتح اللہ اودھی کے مرید شیخ قاسم اودھی کی تصنیف کہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اخبار الاخیار اردو ترجمہ از مولانا سبحان محمود اور مولانا محمد فاضل۔ کراچی سال اشاعت ندارد ص ۳۶۲، جبکہ تذکرہ علمائے ہند کے اردو ترجمے کے متن اور اشاریہ کتب میں اسے شیخ فتح اللہ اودھی کی تصنیف بیان کیا گیا ہے (صص ۳۷۳ اور ۶۳۰) لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی عالمانہ تحقیق اور تصنیفی احتیاط کا تقاضا ہے کہ آداب السالکین کو شیخ قاسم اودھی کی تصنیف تسلیم کی جائے۔

۱۴- لطائف اشرفی۔ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمتہ اللہ علیہ م ۸۰۸ھ کے ملفوظات ہیں جو ان کے مرید نظام یمنی نے تحریر کیے ملاحظہ فرمائیں تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۱۲

۱۵- تم میں سے کوئی سر منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کترواتا ہوگا، تم کو کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا (سورہ فتح آیت ۲۷)

۱۶- اس مقام پر جو لفظ نقل ہوا ہے وہ احقر مترجم سے پڑھا نہیں جا سکا۔ قیاس ہے کہ شاید نکبت، کتابت ہوا ہے۔ اسی قیاس کے پیش نظر ترجمہ کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

۱۷- یہاں دو لفظ نقل کیے گئے ہیں۔ قیاس ہے کہ مسعود بک تحریر کیا گیا ہے اسی قیاس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

۱۸- خواجہ عبداللہ تستری رحمتہ اللہ علیہ بمقام تستر (ایران) پیدا ہوئے۔ اسم گرامی ابو محمد سہیل بن عبداللہ تستری تھا مطلوب الطالبین میں درست نام نقل نہیں کیا گیا۔ آپ کی وفات مکہ مکرمہ میں ۲۷۳ھ یا ۲۸۳ھ میں ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں سرچشمۂ تصوف در ایران مصنفہ پروفیسر سعید نفیسی تہران ۱۳۴۳ش صص ۷۹ اور ۱۹۵

۱۹- حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ آپ کی کنیت ابوالقاسم اور نام جنید بن محمد تھا سال وفات ۲۹۸

یا ۲۹۹ھ ہے۔ سلاسل تصوف میں آپ کی عظمت و بزرگی اظہر من الشمس ہے۔ آپ ہی کی ذات بابرکات کی باعث تصوف نے ایک منظم اور مستقل ادارے کی حیثیت اختیار کی آپ اگرچہ پیدا تو نہاوند (ایران) میں ہوئے تھے لیکن بغداد میں سکونت اختیار فرمانے کی وجہ سے بغدادی کہلائے۔ ملاحظہ فرمائیں سرچشمۂ تصوف در ایران ص ۱۹۵

۲۰۔ معارف۔ نظام الدین بن امیر سیف الدین المعروف شیخ بھکاری کاکوروی کی تصنیف ہے۔ آپ ۸۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۸۱ھ میں بعمر اکیانوے سال وفات پائی۔ کاکوری کے تمام مخدوم زادے آپ کی اولاد ہیں۔ معارف کے علاوہ بھی آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں، تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۳۴

۲۱۔ مولوی رحمان علی مرحوم نے، تذکرہ علمائے ہند میں "مراد المریدین" کو مولوی کرامت علی جون پوری م ۱۲۹۰ھ کی تصنیف ظاہر کیا ہے (اردو ترجمہ ص ۳۹۵) اور مطلوب الطالبین میں بھی، جو مولوی کرامت علی جون پوری کی وفات سے تقریباً ایک سو اسی سال قبل تصنیف کی گئی "مراد المریدین" کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ مولوی کرامت علی سے صدیوں قبل کسی بزرگ نے اسی نام سے کتاب تحریر فرمائی تھی جن کے نام کی محمد بلاق مرحوم نے نشاندہی نہیں کی۔ احقر مترجم کو کوشش بسیار کے باوصف، مطلوب الطالبین میں درج مراد المریدین کے مصنف کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

۲۲۔ اورادِ چشتیہ۔ مولانا عبدالرحمن صوفی متوفی ۱۰۹۴ھ کی تصنیف ہے۔ مرآۃ الاسرار بھی آپ کی تصنیف ہے آپ شیخ عبدالحق ردولوی کے خلفا میں سے تھے۔ مذکورہ تصانیف کے علاوہ آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ڈاکٹر خلیق احمد نظامی کی تصنیف The life and times of shaikh Fariduddin Gunj Shakar کا ترجمہ احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر از قاضی محمد حفیظ اللہ لاہور ۱۹۸۳ء ص ۳۵ (مقدمہ۔ حاشیہ نمبر ۱)

۲۳۔ ۲۴۔ ان مقامات پر عبارتیں مٹ گئی ہیں اس لیے خالی چھوڑ دیے گئے ہیں۔

۲۵۔ تذکرہ علمائے ہند کے مترجم پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم نے شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمتہ اللہ علیہ کے حالات میں جو حاشیہ تحریر فرمایا ہے اس میں معدن المعانی کو شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف میں شامل کیا ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بھی تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم (ص ۲۳۹) میں اسے شیخ یحییٰ منیریؒ کی تصنیف قرار دیا ہے۔ ان حوالوں کے پیش نظر احقر نے ملفوظات شاہ میناؒ کے حواشی میں معدن المعانی کو شیخ یحییٰ منیریؒ کی تصنیف بیان کیا ہے، لیکن حال ہی میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی نقد ملفوظات کے مطالعے کا مزید موقع ملا تو معلوم ہوا کہ معدن المعانی شیخ یحییٰ منیریؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے زین بدر عربی نے مرتب کیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں ملفوظات شاہ میناؒ اردو ترجمہ از احقر عفی عنہ شائع کردہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور اور نقد ملفوظات ص ۲۱۴

۲۵۔ الف۔ سلطان المشائخ نے بیعت رضوان کا واقعہ بیان فرمانے کے بعد صرف اس قدر فرمایا ہے۔

"بعد ازاں فرمود کہ اگر مریدے خواہد تا تجدید بیعت کند و شیخ حاضر نہ باشد جامۂ شیخ پیش نہد بہ آں جامہ بیعت کند۔ دریں میاں فرمود کہ عجب نہ دارم کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ، العزیز بارہا ہم چنیں کردہ باشد و من ہم چنیں می کنم"

(ترجمہ) "اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی مرید تجدید بیعت کرنا چاہے اور شیخ موجود نہ ہو تو شیخ کے کپڑے کو سامنے رکھے اور اس سے بیعت کرے۔ اس درمیان میں فرمایا، عجب نہیں کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ العزیز نے بارہا ایسا کیا اور میں بھی ایسا کرتا ہوں۔"

ملاحظہ فرمائیں فوائد الفواد صص ۹۸-۹۹، اس ملفوظ گرامی میں شیخ کے خلیفہ سے تجدید بیعت کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح اعتقاد میں لغزش ہونے پر تجدید بیعت کا لزوم اور اگر نہ ہو تو مرتد کی موت مرنا، حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ نے اپنی زبان مبارک سے نہیں فرمایا۔

۲۶-۲۷۔ فوائد الفواد میں یہ ملفوظ جلد چہارم مجلس ۳۶ ص ۲۹۲ پر نقل ہوا ہے۔ یہاں اس ملفوظ گرامی میں دو مقامات پر تصرف کیا گیا ہے۔ (۱) فوایدالفواد میں "از او پرسند" یعنی پیر سے باز پرس ہوگی درج نہیں ہے۔ یہ جملہ حضرت سلطان المشایخ کے ملفوظ گرامی میں الحاقی ہے۔ (۲) اسی طرح "بعد ازاں فرمود کہ خودرا بہ پلۂ کسے بستن رُستن است از عذابِ دنیا و عقابِ عقبیٰ" یعنی اس کے بعد فرمایا کہ اپنے آپ کو کسی کے پلّے باندھنا دنیا کے عذاب اور آخرت کی سزا سے نجات حاصل کرنا ہے، بھی درج نہیں ہے بلکہ یہ عبارت درج ہے

"ہرچہ آں مرید کند، فردا آں عمل در پلۂ پیر او نہند، پس کسے کہ مرید کسے نہ باشد گویند کہ فلانے در پلۂ کسے نہ نشستہ است یعنی پیرے نہ دارد"

جو کچھ مرید کرتا ہے قیامت میں وہ عمل شیخ کے پلڑے میں رکھیں گے پس جو شخص کسی کا مرید نہیں ہوتا تو کہتے ہیں کہ فلاں شخص کسی کے پلڑے میں نہیں بیٹھا ہے یعنی اس کا کوئی شیخ نہیں ہے۔

اس عبارت کے بعد ملفوظ گرامی ختم ہوگیا ہے اس اعتبار سے مذکورہ بالا دونوں کی عبارات قطعی طور پر اضافی اور الحاقی ہیں۔

۲۸۔ مطلوب الطالبین کے مصنف نے یہ حکایت، حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ کے ملفوظ گرامی سے پیوست کر کے مذکورہ ملفوظ کا حصہ بنا دیا ہے۔ یہ الحاق خلاف حقیقت ہے۔ حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ نے فوایدالفواد کی کسی مجلس میں یہ حکایت بیان نہیں فرمائی بلکہ اس ملفوظ گرامی میں تو سرے سے حضرت خواجہ عثمانی ہرونی اور خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہما کا ذکر ہی نہیں آیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فوایدالفواد جلد چہارم مجلس ۳۶ ص ۲۹۲ نیز جلد دوم مجلس ۵ ص ۷۶۔ جلد چہارم مجلس ۵۵ ص ۳۴۶۔ جلد پنجم مجلس ۱۵ ص ۴۰۵، جہاں حضرت خواجہ اجمیر کا ذکر آیا ہے لیکن وہاں بھی اس حکایت کا شائبہ تک موجود نہیں ہے، البتہ سیرالاولیا میں حضرت عثمان ہرونیؒ کے حالات میں یہ حکایت منقول

ہے لیکن عذاب کے فرشتوں پر ہاتھ اٹھانے اور منہ پر طمانچے مارنے کے ذکر سے خالی ہے ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) صص ۵۴۔ ۵۵ اردو ترجمہ از مولانا اعجاز الحق قدوسی لاہور ۱۹۸۶ء طبع دوم ص ۱۲۶ سیر الاولیا میں بھی اس حکایت کے ماخذ کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔

۲۹۔ اور ۳۰۔ مطلوب الطالبین کے پیش نظر مخطوطے میں، سیر الاولیا کے اقتباسات صحیح طور پر نقل نہیں ہوئے ہیں اور نہ ان اقتباسات کا مفہوم صحیح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہاں اصل مسئلے کی توضیح اور تفہیم کے لیے سیر الاولیا اور مطلوب الطالبین کے اقتباسات ایک دوسرے کے مقابل نقل کیے جاتے ہیں

سیر الاولیا، ص ۳۴۵	مطلوب الطالبین (قلمی) ص ۴۱
۲۹۔ اگر در خاطر مرید سست اعتقاد بگزرد کہ در عالم جز پیرِ من کسے ہست کہ بخدا می رساند بالقطع شیطان ملعون در اعتقادِ او تصرف کند و آں ہر درے را از مشغولیِ پیر بیروں آرد و خلل در اعتقاد اندازد، و اورا چیزے نماید کہ بداں فسادِ اعتقاد و ارادتِ او باشد، نعوذ باللہ منھا	اگر در خاطر مرید بگزرد، جز پیر من دیگرے در عالم ہم است کہ بخدامی رساند، بالقطع شیطان ملعون در اعتقاد او تصرف می کند و آں ہر درے را از مشغولیِ محبت پیر خود بیروں می آرد و کافرِ حقیقی می گرداند، نعوذ باللہ منھا
(ترجمہ) اگر کسی سست اعتقاد مرید کے دل میں یہ خطرہ گزرے کہ دنیا میں میرے پیر کے علاوہ کوئی اور بھی ہے جو مجھے خدا تک پہنچا سکتا ہے تو قطعی طور پر شیطان ملعون نے اس کے اعتقاد میں تصرف کیا ہے اور اس ڈانوا ڈول مرید کو اپنے پیر کے دھیان سے ہٹا دیا ہے اور اس کے اعتقاد میں خلل پیدا کر دیا ہے اور اس کو ایسی بات کا خیال دلا رہا ہے جس سے اس کی عقیدت و ارادت میں فساد پیدا ہو جائے۔	(ترجمہ) اگر مرید کے دل میں یہ خطرہ گزرے کہ میرے شیخ کے علاوہ دنیا میں دوسرا شخص بھی ہے جو اسے خدا تک پہنچا سکتا ہے تو یقیناً شیطان ملعون نے اس کی عقیدت میں تصرف کیا ہے اور اس ڈانوا ڈول مرید کو شیخ کی محبت کے شغل سے نکال دیا ہے اور حقیقی کافر بنا دیا ہے۔
۳۰۔ اصل دریں کار اعتقاد است چناں کہ در عالم ظاہر اصل ایمان است و مومن را می باید کہ در وحدانیتِ باری تعالیٰ و برسالتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان درست باشد، مرید را نیز باید کہ در حق پیر اعتقاد درست باشد بہ لغزشے بر ارتدادِ طریقتِ او حکم نہ تواں کرد کہ بہ برکت اعتقاد بہ اصل باز آید	اصل دریں کار اعتقاد است چناں کہ در ظاہر ایمان، پس مومن را باید کہ در وحدانیتِ باری تعالیٰ و رسالت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایمان درست دارد ہم چناں مریداں را شاید کہ در اعتقاد پیر سستی نیارد چناں کہ گفتہ اند مومن بہ گناہ کافر نہ گردد و مرید بہ لغزشے مرتد شود۔

(ترجمہ) اس کام میں اعتقاد اصل حقیقت ہے، جیسا کہ ظاہری ایمان کے معاملے میں ہے اور مومن کے لیے ضروری ہے کہ باری تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان درست رکھے، اسی طرح مرید کو چاہیے کہ پیر کے حق میں اعتقاد درست رکھے اس کی لغزش سے طریقت سے مرتد ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا شاید اس درست اعتقاد کی برکت سے وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے۔

اس کام میں اعتقاد اصل حقیقت ہے جیسا کہ ظاہری ایمان کے معاملے میں ہے کہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ پہلے باری تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت پر ایمان درست رکھے اسی طرح مریدوں کو چاہیے کہ شیخ کی عقیدت میں ضعف پیدا نہ ہونے دیں، چنانچہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر مومن سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ کافر نہیں ہوتا، لیکن مرید ذرا سی غلطی سے مرتد ہو جاتا ہے۔

مذکورہ حقائق و شواہد سے واضح ہو جاتا ہے کہ سیر الاولیا میں ارادت کے آداب اور اس کی ضروریات کو دھیمے انداز میں بیان کیا گیا ہے تاکہ مرید پورے یقین اور احتیاط سے راہ سلوک طے کرے، جب کہ مطلوب الطالبین میں سلطان المشایخ قدس سرہ کے فرمودات میں بے جا تحریف کر کے کفر و ارتداد کا فتویٰ صادر کر دیا ہے اور مشایخ چشت کے مسلکِ شفقت و دلنوازی کو مجروح کیا ہے۔

مطلب ششم

سلطان المشائخ کے اپنے پیر شیخ فرید الدّین گنج شکر سے خلافت پانے، خلافت کی مختلف اقسام، خرقہ و کلاہ کی حقیقت اور باطنی خلافت کے اثبات کے بیان میں۔

پختہ اعتقاد اور اطاعت شعار طالبین پر واضح ہو کہ جب حضرت سلطان المشائخ کامل اخلاص و اعتقاد کے ساتھ رجب المرجب چھ سو پچپن ہجری کی پندرہ تاریخ کو دہلی سے شیخ فرید الدّین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اسی روز شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور کلاہ و خرقہ جیسا کہ عام مشائخ کا طریقہ ہے حاصل کیا۔ اس کے بعد مجاہدات میں مشغول ہو گئے۔ سات ماہ اور سترہ دن گزارنے کے بعد، ربیع الاوّل چھ سو چھپن ہجری کی دوسری تاریخ کو (سلوک کی) تحصیل و تکمیل کے بعد خرقۂ خلافت پانے اور ولایت دہلی پر فائز ہونے کی سعادت سے مشرف ہوئے جس کا ذکر راحت القلوب کی پہلی اور آخری مجلس میں کیا گیا ہے[1] سلطان المشائخ نے راحت القلوب میں تحریر فرمایا ہے کہ جس روز شیخ الاسلام حضرت فرید الدّین گنج شکر نے بندے کو اپنی خلافت سے سرفراز کیا، بہت سے نیک لوگوں اور درویشوں کی موجودگی میں زبان مبارک سے فرمایا کہ میں مولانا نظام الدّین کو ہندوستان کی ولایت دیتا ہوں اور اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں اور ہندوستان اس شخص کی پناہ میں دیتا ہوں، بندے نے اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ شیخ نے فرمایا، اے جہان گیرِ عالم اپنا سر اُٹھاؤ۔ میں نے سر اُٹھایا تو خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی کی دستار جو آپ کے سرِ مبارک پر تھی، دعا گو کے سر پر رکھی اور اپنے دست مبارک سے خرقۂ خاص پہنایا۔ لکڑی کی کھڑاؤں اور عصا بھی مرحمت فرمایا[2] اس کے بعد حکم ہوا کہ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرو اور خود قبلہ رخ ہوئے [۴۵] پھر آسمان کی جانب نگاہ کی اور کہا، الٰہی اس بے چارے کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ فرمایا اے نظام جاؤ اور ملک ہندوستان پر تصرف کرو، میں نے تمھیں خدا کے سپرد کیا۔ اس کے بعد مولانا بدر الدّین اسحاق کا تحریر کردہ خلافت نامہ مجھے عطا کیا اور زبانِ مبارک سے فرمایا کہ اسے ہانسی میں مولانا جمال الدّین کو دکھا لینا اور یہ بھی فرمایا کہ اس وقت یہ تمام

چیزیں تم کو ایک ساتھ اس لیے دے رہا ہوں کہ تم میری وفات کے وقت یہاں موجود نہ ہو گے میں بھی اپنے شیخ خواجہ قطب الدّین کے وصال کے وقت ہانسی میں اعتکاف میں تھا اور وہ بھی حضرت خواجہ معین الدّین کی رحلت کے وقت دہلی میں تھے۔ بعد ازاں فرمایا کہ آج رسول علیہ السلام کا عرس ہے، تم میرے مہمان ہو کل روانہ ہونا۔ اتفاق سے اس روز خانقاہ میں کہیں سے فتوح نہیں آئی کہ مطبخ میں آگ سلگائی جاتی۔ میں نے عرض کیا کہ بندے کے پاس ایک غیاثی ہے جو سفر خرچ کے لیے مرحمت ہوا تھا، اگر حکم ہو تو اس سے کھانے کا سامان فراہم کروں، فرمایا تم پر خدا کی رحمت ہو، اور حق تعالیٰ تمام دنیاوی لوازمات تمھیں نصیب فرمائے۔ میں یخ کی یہ بات سن کر کانپ گیا اور دل میں سوچا، افسوس بہت سے بزرگانِ دین اس دنیا کی وجہ سے آزمائش اور تکلیف میں مبتلا ہو چکے ہیں مجھ بے چارے کا کیا حال بنے گا۔ یخ پر میرے اس خطرے کا کشف ہو گیا، فرمایا بابا نظام تم خاطر جمع رکھو، تمھیں دنیاوی اسباب سے کوئی گزند نہ پہنچے گا شیخ کی اس مبارک بات سے میں خوش ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ میری عاقبت اچھی ہوگی۔ چونکہ اس روز حضرت رسول علیہ السلام کا عرس تھا اس لیے موقعے کی مناسبت سے یہ ذکر آ گیا کہ سرور انبیا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کس مہینے میں اس عالم سے رحلت فرمائی۔ یخ نے فرمایا کہ امام شعبی[۳] نے حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ کی صحیح روایت سے اپنی تصنیف "کفایہ" میں تحریر کیا ہے [۴۶] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ربیع الاوّل کی دوسری تاریخ کو پیر کے روز ہوا تھا۔ منگل کو آپ کی نعش مبارک کو مہمان رکھا گیا اور چار ربیع الاوّل بروز بدھ تدفین عمل میں لائی گئی صلی اللہ علیہ وسلم الغرض اس روز میں خواجہ کا مہمان رہا دوسرے روز علی الصبح خواجہ نے مجھے طلب فرمایا اور بغل گیر ہوئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا، جاؤ تمھیں خدا کے سپرد کیا۔ بندہ شرائط آداب بجا لایا اور اسی وقت دہلی روانہ ہو گیا۔

سیرالاولیا کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ جب تیسری بار سلطان المشایخ دہلی سے شیخ فرید الدّین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رمضان المبارک چھ سو انتر ہجری کی تیرہ تاریخ کو بدھ[۴] کے دن شرفِ خلافت سے مشرف ہوئے۔

سیرالاولیا میں سلطان المشایخ کے مریدِ خاص مولانا ضیا الدّین برنی کی تصنیف، حسرت نامہ سے منقول ہے کہ ایک روز میں اشراق سے چاشت تک حضرت سلطان المشایخ

کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ خلقِ خدا کثرت سے آ رہی ہے اور مرید ہو کر سعادتِ ابدی حاصل کر رہی ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگلے زمانے کے مشایخ مرید کرنے میں احتیاط کرتے تھے لیکن سلطان المشایخ بے تامل ہر خاص و عام کو مرید کر لیتے ہیں۔ چونکہ خواجہ اپنے کشف سے دنیا کی باتیں معلوم کر لیتے تھے، میرا خیال آپ پر منکشف ہو گیا، فرمایا، میاں ضیاالدّین تم مجھ سے ہر بات معلوم کرتے رہتے ہو لیکن تم نے یہ کبھی دریافت نہیں کیا کہ میں بغیر پوچھ گچھ کیے لوگوں کو کیوں بیعت کر لیتا ہوں۔ یہ بات سن کر میں کانپ گیا اور شیخ کے قدموں میں گر پڑا، اور عرض کیا کہ عرصے سے یہ وسوسہ میرے دل میں تھا اور اس وقت بھی گزرا تھا کہ مخدوم اس پر آگاہ ہو گئے اور ازراہِ شفقت مجھ سے دریافت فرمایا۔ اب شیخ ارشاد فرمائیں تاکہ مجھے اس کی حکمت معلوم ہو۔ سلطان المشایخ نے فرمایا، سنو اس باب میں میرے پاس دلائل ہیں۔ ایک دلیل جو قابلِ قبول ہے [۷۴] اور جس پر میرے دل کو اطمینان ہے یہ ہے کہ ایک روز شیخ الشیوخ العالم شیخ فرید الدّین گنج شکر نے دوات و قلم میرے آگے رکھ کر فرمایا، یہاں میری جگہ بیٹھ کر تعویز لکھو اور ضرورت مندوں کو دو، میں چاہتا ہوں کہ تمھیں اپنا جانشین بناؤں اور میرے جانشین کو اس کام کی اجازت اپنے پیر کی طرف سے ہونی ضروری ہے، پس آج سے میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم تعویز لکھو اور خواہش مندوں کو دو۔ جوں ہی میں نے تعویز لکھنا شروع کیا میرے دل میں ندامت پیدا ہوئی۔ شیخ نے نورِ باطن سے معلوم کر لیا اور فرمایا، اے نظام اس وقت تمھیں اس معمولی سے کام سے تشویش ہو رہی ہے جب بے شمار ضرورت مند لوگ تمھارے پاس آئیں گے اور تم سے دعا کی درخواست کریں گے اُس وقت تمھارا کیا حال ہو گا۔ میں نے دیکھا کہ اس وقت خلوت ہے میں شیخ کے قدموں میں گر پڑا اور عرض کیا کہ اگرچہ مخدوم چاہتے ہیں کہ مجھے اپنا جانشین بنائیں اور بڑے رتبے تک پہنچائیں لیکن میں بے چارہ غریب اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتا کیوں کہ یہ رتبہ بہت بلند ہے اور مجھ طالب علم کی حیثیت سے بہت زیادہ ہے پس حضرت کی یہی نظرِ شفقت کہ مجھے اپنی بیعت میں قبول فرما لیا میرے لیے کافی ہے۔ شیخ نے دلجوئی فرمائی اور کہا، بابا نظام تمھیں معلوم نہیں ہے کہ روزِ ازل سے یہ جامہ تمھارے قد پر سیا گیا ہے اور یہ بنیاد صرف تمھارے لیے ڈالی گئی ہے دوسرے یہ کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے تمھیں کمال درجے علم، حلم، عشق اور عقل عطا فرمائے ہیں اور جو شخص ان چار اوصاف سے متصف ہو، وہ مشایخ کی خلافت کے لائق ہوتا ہے اور اس سے یہ کام بہت اچھے

طریقے سے انجام پاتا ہے۔[۵] میں نے بہت عاجزی کی اور عرض کیا کہ مجھے ازراہ کرم معاف رکھیں اور معذور خیال فرمائیں۔ میری اس درخواست پر شیخ کی حالت متغیر ہو گئی اور جنبش کر کے رو بقبلہ ہو گئے اور فرمایا، اے نظام اگر تمھیں یقین ہے کہ کل قیامت کے دن بندہ فرید بارگاہِ الٰہی میں آبرومند ہو گا تو یقین جانو کہ میں اس وقت تک بہشت میں قدم نہ رکھوں گا جب تک تمہارے تمام مرید داخلِ بہشت نہ ہوں گے۔ پس اے ضیاالدّین اتنے عظیم بزرگ نے جن کے لیے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں [۴۸] کہ وہ بارگاہ الٰہی کے محبوبوں اور خاص بندوں میں سے تھے۔ جب ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے مجھ سے بیعت کی ہے یہ فرمایا اور وعدہ کیا ہے تو اگر میں لوگوں کو بیعت کرنے سے منع کر دوں تو میں نے کون سا نیک کام کیا۔" جب سلطان المشایخ نے یہ بات ختم کی تو مسکرائے اور فرمایا مجھے خلافت اسی طرح ملی ہے۔ پھر فرمایا میرے پاس دوسری دلیل یہ ہے کہ میں صادق القول عزیزوں سے متواتر سنتا ہوں کہ جو لوگ مجھ سے بیعت کرتے ہیں گناہوں سے باز رہتے ہیں اور نیکی اور پرہیز گاری کے ساتھ مصروفِ عبادت رہتے ہیں۔ اگر میں لوگوں کو بیعت کرنے میں تامل کروں تو اُس قدر نیکیاں جو ان سے عمل میں آتی ہیں محروم رہیں گے۔

سیر الاولیا میں منقول ہے کہ جن دنوں حضرت شیخ فرید الدّین گنج شکر بیمار تھے اور دارِ فنا سے دارِ بقا تشریف لے گئے، آپ کے خاص مرید سیّد محمد کرمانی جو سلطان المشایخ کے ساتھ رہتے تھے آپ کی بیماری کی خبر سن کر دہلی سے اجودھن پہنچے۔ انھوں نے دیکھا کہ شیخ حجرے میں لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کے صاحبزادگان حجرے کے دروازے کے باہر بیٹھے ہوئے آپ کے جانشین مقرر کیے جانے کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں۔ سیّد محمد کرمانی نے چاہا کہ قدم بوسی کے لیے اندر جائیں لیکن شیخ کے فرزندوں نے داخل نہیں ہونے دیا۔ وہ غلبۂ شوق کے سبب ضبط نہ کر سکے اور کسی طرح حجرے کا دروازہ کھول کر اندر چلے گئے اور شیخ کے قدموں میں گر پڑے۔ شیخ نے آنکھ کھولی اور فرمایا "سیّد کیسے ہو تم کب یہاں پہنچے انھوں نے سارا حال عرض کیا اور دہلی کے احباب کی التماس دعا اور سلام عرض کیے اور دل میں سوچا کہ اگر سلطان المشایخ کا نام پہلے لوں گا تو یقین ہے کہ شیخ، سلطان المشایخ کے باب میں شفقت فرمائیں گے اور شیخ کے فرزند مجھ سے آزردہ ہوں گے، اس لیے انھوں نے پہلے دہلی کے مشایخ کی طرف سے مزاج پرسی اور سلام عرض کرنے شروع کیے اور آخر میں

سلطان المشائخ کا اشتیاق قدم بوسی عرض کیا۔ جوں ہی شیخ نے سلطان المشائخ کا نام سنا تو دریافت کیا وہ کیسے ہیں [۴۹] خیریت سے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ الحمد للہ شیخ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ یخ نے فرمایا کہ یہ جامہ، عصا، مصلی اور نعلین انھیں پہنچادیں کہ ان کے علاوہ میں کسی کو اس کے لائق نہیں پاتا۔ یخ کے فرزند اس بات سے رنجیدہ ہوئے اور کہنے لگے یہ آپ نے کیا کیا کہ ہماری مطلوبہ چیزیں دوسرے کو دلوادیں۔ سید محمد نے کہا میں کیا کروں میں نے گفتگو کے دوران سلطان المشائخ کا خاص طور پر کوئی ذکر نہیں کیا بس آخر میں ان کا سلام یخ کی خدمت میں پیش کیا پہلے نام بنام مشائخ دہلی کے سلام عرض کیے ان کے بعد سلطان المشائخ کا نام لیا۔ یخ نے ان پر مرحمت فرمائی۔ جب یخ الاسلام کے انتقال کی خبر سلطان المشائخ کو ملی تو اسی وقت اجودھن کے سفر پر روانہ ہو گئے اور مسافتِ سفر طے کر کے یخ کے مرقد مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مولانا بدرالدین اسحاق نے وہ جامہ، عصا اور مصلیٰ سلطان المشائخ کے سپرد کیا اور سید محمد کرمانی کے اجودھن پہنچنے اور یخ کی مرحمت کا حال سنایا۔ سلطان المشائخ یخ کی عنایتوں پر سجدۂ شکر بجالائے اور خرقہ و مصلی پانے کے شرف سے مشرف ہوئے۔ طالبین پر واضح ہو کہ سلطان المشائخ نے بیعت کے روز جو خرقہ اپنے یخ سے پایا وہ خرقۂ ارادت تھا جیسا کہ (بیعت ہونے کی) رسم ہے پھر سات ماہ سترہ دن کی مدت کے بعد خرقہ خلافت کی سعادت نصیب ہوئی۔ خلافت عطا ہونے کے بعد بھی تبرکاً خرقے حاصل کیے جن کی تفصیل کی گنجائش اس مختصر رسالے میں نہیں ہے۔

اب میں خلافت (کے اقسام) کی توضیح، خرقے اور کلاہ کی اصل اور خلافت باطنی کے اسباب بیان کرتا ہوں۔

جان لیں کہ مشائخ کی خلافت جو اس کام میں رائج ہے سات قسم کی ہے ان میں سے بعض معروف اور بعض مجہول ہیں، چنانچہ [۵۰] اس فن کے طالب کے افادے کے لیے ان کی تفصیل دی جاتی ہے۔

اوّل خلافت اصالتاً، دوم خلافت اجازتاً، سوم خلافت اجماعاً[۶]، چہارم وراثتاً، پنجم حکماً، ششم تکلیفاً، ہفتم اویسیاً۔

اصالتاً خلافت یہ ہے کہ کوئی بزرگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی شخص کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرے جیسا سیر الاولیا کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ ایک وقت یخ فرید الدین گنج شکر نے چاہا کہ اپنے کسی مرید کو خلافت عطا کریں اور ہندوستان کی ولایت کا مالک بنائیں

لیکن غیب سے انھیں آگاہ کیا گیا کہ ابھی توقف کریں، نظام الدین محمد بدایونی راستے میں ہے اور عنقریب پہنچنے والا ہے۔ وہ اس خلافت کے لائق ہے، اسے عنایت کرنا۔ چنانچہ جب سلطان المشایخ اجودھن حاضر ہوئے تو شیخ فرید نے آپ کو اپنا خلیفہ بنایا اور ولایتِ ہندوستان آپ کے تصرف میں دی اور آپ پر مرحمت فرمائی چنانچہ شیخ فرید الدین گنج شکر اکثر بے تکلف فرماتے تھے کہ میں نے بابا نظام کو ظاہری طور پر اپنا خلیفہ بنایا ہے ورنہ باطنی طور پر وہ حق تعالیٰ اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ صوفیہ باصفا اس قسم کی خلافت کو خلافتِ الٰہی بھی کہتے ہیں۔

اجازتاً خلافت یہ ہے کہ شیخ مرید کو خواہ وارث ہو یا بیگانہ لائقِ کار دیکھے تو اپنی رضا و رغبت سے اسے اپنا خلیفہ مقرر کرے۔ جمہور مشایخ رحمتہ اللہ علیہم کا یہی دستور ہے۔ اس قسم کی خلافت کو خلافت رضا بھی کہتے ہیں۔

اجماعاً خلافت یہ ہے کہ کسی شیخ کا انتقال ہو گیا ہو اور اس نے کسی شخص کو اپنا خلیفہ نامزد نہ کیا ہو ایسی صورت میں اس کے مرید اور وارث کسی مرید کے لیے خلافت تجویز کر دیں جیسا کہ عام دستور ہے لیکن مشایخ کے نزدیک یہ خلافت درست نہیں ہے۔ اس نوع کی خلافت کو اختلاف افزا بھی کہتے ہیں۔

وراثتاً خلافت یہ ہے کہ کسی شیخ کی وفات ہو گئی ہو اور اس نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کیا ہو تو اس کا وارث [۵۱] جو اس کام کے لائق ہے متوفی شیخ کے سجادے پر بیٹھے اور خلیفہ بنے۔ مشایخ نے اس خلافت کو قبول کیا ہے اور اگر مرحوم شیخ نے وارث کو باطنی طور پر حکم دیا ہے تو جائز ہے کیوں کہ صوفیہ کے نزدیک باطنی حکم قابلِ قبول ہے۔

حکماً خلافت یہ ہے کہ کوئی بزرگ جن کا کوئی خلیفہ نہ ہو، وفات پا جائیں اور ان کے وارث جانشینی کے لیے آپس میں لڑائی جھگڑا کریں تو بادشاہِ وقت کسی وارث کو لائق خیال کرتے ہوئے اسے خلیفہ مقرر کر دے۔ خلافت کا یہ حکم "اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اُولی الامر منکم" کی بنیاد پر جائز ہو گا۔ فوائد الفواد میں سلطان المشایخ سے بھی ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ "قال جل و علا قلوب الملوک بیدی" (اللہ تعالیٰ نے فرمایا بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں) یعنی میں جس کام کا سرانجام ہو جانا چاہتا ہوں، بادشاہوں کے دل اس کی جانب راغب کر دیتا ہوں پس ان کی رغبت کو اللہ تعالیٰ کی رغبت سمجھنا چاہیے۔[۸]

تکلیفاً خلافت یہ ہے کہ کسی مرید نے کسی شخص کی سفارش یا اصرار سے یا خود عرض

معروض کر کے شیخ سے خلافت حاصل کی تو ایسی خلافت جائز نہیں ہے نہ اس سے کوئی مفید مطلب نتیجہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ سیر الاولیا میں مذکور ہے کہ کسی عزیز نے شیخ فرید الدین گنج شکر سے سفارش کرا کر دہلی کا خلافت نامہ حاصل کیا جب وہ شخص مولانا جمال الدین ہانسویؒ سے جو شیخ کی جانب سے خلافت ناموں پر مہر تصدیق ثبت کرنے کی خدمت پر مامور تھے، تصدیق کے لیے ہانسی گیا تو مولانا نے وہ خلافت نامہ چاک کر دیا۔ جب شیخ نے یہ واقعہ سنا اور چونکہ خلافت نامہ اپنی رضا و رغبت سے عنایت نہیں کیا تھا تو فرمایا کہ میں جمال کے چاک کیے ہوئے کو نہیں سی سکتا۔ بعد ازاں غیبی اشارے کی بناء پر دہلی کی خلافت سلطان المشائخ کو عطا فرمائی۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ نے جب یہ خلافت نامہ دیکھا تو اس پر یہ شعر تحریر کیا[۵۲]

ہزاراں درود و ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ بہ گوہر شناس

(ترجمہ) ہزاروں دعائیں اور ہزاروں شکر (اس بات پر) کہ گوہر کی قدر جاننے والے کو گوہر سپرد کیا گیا۔

اویسی خلافت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی بزرگ کی روح سے جس کا انتقال ہو چکا ہے تربیت پائے اور خلافت حاصل کرے اس قسم کی خلافت کو بزرگوں نے ضرور تاً روا رکھا ہے۔ ان میں سے اکثر حضرات اویسی تھے۔ یہاں ہر بزرگ کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے۔

جان لینا چاہیے کہ مشائخ جو اپنے خلفا کو خرقہ عطا کرتے ہیں، اس کی اصل رسول علیہ السلام کی ذات گرامی سے متعلق ہے۔ چنانچہ سلطان المشائخ نے راحت القلوب میں اور دیگر مشائخ چشت نے اپنے ملفوظات میں بیان کیا ہے کہ رسول علیہ السلام نے شب معراج میں خرقہ پایا تھا۔ اسے خرقۂ فقرا کہتے ہیں۔ جب رسول علیہ السلام معراج سے لوٹے تو صحابہ کو طلب کیا اور فرمایا، میں نے حضرت عزت سے خرقہ پایا ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تم میں سے کسی ایک کو یہ خرقہ دوں۔ یہ فرما کر آپ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا چہرۂ مبارک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب فرمایا اور دریافت کیا کہ اگر میں یہ خرقہ تمھیں دوں تو کیا کرو گے۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں صدق اور بخشش اور طاعت اختیار کروں گا۔ پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اگر میں یہ خرقہ تمھیں دوں تو کیا کرو گے۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں انصاف اور رحم اختیار کروں گا۔ اس کے بعد حضرت عثمان علیہ الغفران سے معلوم کیا کہ اگر میں یہ خرقہ تمھیں دوں تو کیا کرو گے۔ انھوں نے

عرض کیا کہ میں سخاوت و انفاق اختیار کروں گا سب سے آخر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا کہ اگر میں یہ خرقہ تمھیں دوں تو کیا کرو گے۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں بندگان خدا کی عیب پوشی کروں گا اور کسی پر ظاہر نہ کروں گا۔ رسول علیہ السلام نے وہ خرقہ حضرت علی کو عنایت کیا اور فرمایا مجھے حکم تھا کہ جو یہ جواب دے اسے خرقہ دینا۔ [۸ الف] مشایخ چشت کے ملفوظات میں جا بجا ذکر آیا ہے کہ وہ خرقہ مشایخ چشت کے ہاتھوں سے گزر کر شیخ فریدالدین گنج شکر تک پہنچا، انھوں نے سلطان المشایخ کو پہنایا۔ [۵۳]

فوائد الفواد اور سیرالاولیا کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ خرقہ خواجگانِ چشت کو ملا تو اسے خرقہ چشتی کہنے لگے۔ دونوں کتابوں میں سلطان المشایخ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے شیخ فریدالدین گنج شکر سے وہ خرقہ پایا جو خاندان چشتی کا خرقہ تھا۔ وہ ابھی تک میرے پاس ہے، میں نے کسی کو نہیں دیا۔ میں جان کی طرح اس کی حفاظت کرتا ہوں اور اس سے فیض حاصل کرتا ہوں۔

سیرالاولیا کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ بالآخر سلطان المشایخ اس خرقے کو (اپنے ساتھ) قبر میں لے گئے اور جو خرقے آپ نے اپنے صحبت یافتہ مریدوں کو عنایت فرمائے وہ تبرکاً تھے یا دوسری نوعیت کے تھے۔

ایک دوسری روایت جو لطائف اشرفی میں ہے یہ ہے کہ رسول علیہ السلام نے شب معراج میں خرقہ پایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے چار ٹکڑے کیے اور اپنے چار یاروں میں تقسیم کر دیے کہ جب ضرورت ہوگی، لے کر آئیں ایک روز رسول علیہ السلام نے ان ٹکڑوں کو طلب فرمایا۔ اصحاب ثلثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اپنے گھروں کو گئے لیکن انھیں اپنے ٹکڑے نہیں ملے حضرت علیؓ ان چاروں ٹکڑوں کو جو ایک خرقے کی صورت جڑے ہوئے تھے لے کر حاضر ہوئے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا۔ اے علی یہ خرقہ تمھیں مبارک ہو تم اسے خود پہنو اور دوسروں کو پہناؤ۔ وہ خرقہ حضرت علیؓ سے خواجہ حسن بصری کو ملا بعض صاحبِ تصنیف محققین کا خیال ہے کہ وہ خرقہ حضرت علیؓ سے ان کے فرزند امام حسن کو ملا اور انھوں نے اپنے ہاتھ سے خواجہ حسن بصری کو پہنایا اور خواجہ حسن بصری سے خواجگان چشت کو ملا۔

یہ بھی جان لیں کہ مشایخ جو اپنے خلفا کو کلاہ (ٹوپی) عنایت کرتے ہیں اس کی اصل بھی رسول علیہ السلام سے متعلق ہے جیسا کہ حضرت امیر خسروؒ نے اپنی تصنیف افضل

الفوائد میں تحریر کیا ہے کہ امام ابواللیث سمرقندی[۹] نے اپنی تصنیف، تنبیہ میں خواجہ حسن بصری سے روایت کی ہے کہ ایک روز رسول علیہ السلام تشریف فرما تھے کہ جبریل علیہ السلام [۵۴] حاضر ہوئے اور ایک ترکی، دو ترکی، تین ترکی، چار ترکی کلاہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پیش کیں اور عرض کیا اے اللہ کے رسول حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ چاروں کلاہوں کو اپنے سر مبارک پر رکھیں اور جسے چاہیں تبرکاً عنایت فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاروں کلاہ اپنے سرِ مبارک پر رکھیں اس کے بعد اپنے دست مبارک سے ایک ترکی کلاہ حضرت ابوبکر صدیقؓ دو ترکی حضرت عمرؓ تین ترکی حضرت عثمانؓ چار ترکی حضرت علیؓ کے سر پر رکھیں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور فرمایا تم چاروں یاروں کو خلافتِ الٰہی مبارک ہو۔

جان لیں کہ ایک ترکی کلاہ سے یہ عبارت ہے کہ جو شخص اسے اپنے سر پر رکھے اس کے دل میں سوائے حق تعالیٰ کے خیال کے کسی دوسرے کا خیال پیدا نہ ہو، اور دو ترکی کلاہ سے مراد یہ ہے، اوّل ترک دنیا کرے اور دوسرے یہ کہ اسے کوئی چیز ملے تو شام تک اسے تقسیم کردے، تین ترکی کلاہ سے مقصود یہ ہے کہ اوّل ترک دنیا کرے دوسرے یہ کہ اہلِ دنیا سے تعلق نہ رکھے تیسرے یہ کہ حسد کو اپنے دل سے نکال دے اور چار ترکی کلاہ کا حاصل یہ ہے، اوّل ترک دنیا کرے دوسرے ترک زبان یعنی زبان کو لذتوں سے باز رکھے اور فحش کلام زبان پر نہ لائے تیسرے ترک بصارت یعنی جس کی طرف نگاہ کرنا حرام ہے اس کی طرف نگاہ نہ کرے چوتھے طہارت قلب یعنی دل کو ظاہری اور باطنی آلودگیوں سے پاک کرے جو شخص ان مذکورہ خصائل پر عمل نہ کرے اس پر کلاہ پہننا حرام ہے۔

جوامع الکلم[۱۰] کے مصنف تحریر کرتے ہیں کہ رسول علیہ السلام کی خلافت دو نوع پر ہے۔ خلافت کبریٰ اور خلافتِ صغریٰ۔ خلافت کبریٰ خلافت باطنی ہے اور وہ امیرالمومنین علیؓ سے مخصوص ہے اور خلافت صغریٰ خلافتِ ظاہری ہے۔ خلافت ظاہری کے باب میں بھی اختلاف ہے [۵۵] اہلِ سنت والجماعت اسے امیرالمومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت کرتے ہیں اور شیعہ و روافض امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کا حق تسلیم کرتے ہیں۔

مرآت الاسرار کے مصنف تحریر کرتے ہیں کہ خواجہ عبیداللہ احرار[۱۱] نے اپنی تصنیف "اشتغال" میں بیان کیا ہے کہ امیرالمومنین علیؑ کو جو خلافت حاصل ہوئی اس کی تقریب یہ ہے کہ رسول علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس بات پر مامور تھے کہ بغیر طلبِ

صادق کے کسی پر باطنی اسرار ظاہر نہ فرمائیں جیسا کہ جماعتِ صوفیہ میں یہ طریقہ آج تک رائج ہے۔ چنانچہ جب ایک طویل عرصہ گزر گیا اور رسول علیہ السلام کی خدمت میں کوئی طالب صادق حاضر نہ ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے حد مغموم ہوئے کہ ہر شخص مجھ سے احکام شریعت تو معلوم کرتا ہے لیکن ارکانِ ولایت یعنی باطنی اسرار کوئی دریافت نہیں کرتا، شاید میں تمام اسرار اپنے ساتھ دنیا سے لے جاؤں گا۔ اتفاقاً اسی روز امیرالمومنین علیؓ کے دل میں غیب سے یہ خیال ڈالا گیا کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام شریعت یعنی احکام نبوت تو حاصل کرتے ہیں اور ظاہری اتباع بھی کرتے ہیں لیکن باطنی احوال یعنی آپ کی ولایت کے بارے میں کوئی آگاہی حاصل نہیں کرتے، پس اسی وقت کامل صدق و اخلاص کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باطنی احوال سے متعلق سوالات کیے۔ رسول علیہ السلام ان کے سوال سے بے حد مسرور ہوئے اور فرمایا، اے علی مجھے حق تعالیٰ کی جانب سے حکم تھا کہ طلب صادق کے بغیر ولایت کے اسرار کسی پر ظاہر نہ کروں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ طلب تمھارے دل میں پیدا ہوئی اور یہ دولت تمھیں نصیب ہوئی۔ الغرض رسول علیہ السلام نے ولایت کے ارکان (حضرت علیؓ کو) تعلیم کیے اور فرمایا کہ یہ علم سینہ بہ سینہ اور گوش بگوش قیامت تک جاری رہے گا، چنانچہ یہ حقایق علی کرم اللہ وجہہ سے [۵۶] جماعت صوفیہ کو پہنچے اور وہی ان امور کی وارث قرار دی گئی۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ نے خیر المجالس میں فرمایا ہے کہ جماعت صوفیہ کی پیروی عین رسول علیہ السلام کی پیروی ہے چنانچہ سالک پر واجب ہے کہ صوفیہ کے احوال و اقوال اور عقائد سے جیسا کہ حق ہے آگاہی حاصل کرے اور ان کے قدم بہ قدم راہِ سلوک طے کرے تاکہ منزل مقصود تک پہنچ سکے۔ اس موضوع کی تفصیل شیخ محی الدین ابن عربی نے اپنی تصنیف، فتوحات مکیہ کے دیباچے میں اور علاء الدولہ سمنانی[۱۲] نے اپنی تصنیف عروۃ الوثقیٰ میں بہت اچھی طرح بیان کی ہے یہاں اس کے اعادے کی گنجائش نہیں ہے۔

حواشی مطلب ششم

۱۔ راحت القلوب کے حوالے سے عطائے خلافت سے متعلق عہد حاضر کے محققین کی تحقیق مطلب چہارم کے حاشیے میں پیش کی جاچکی ہے۔

۲۔ سیر الاولیا میں ہے کہ بابا فرید گنج شکر نوّر اللہ مرقدہ، کے وصال کے بعد جب حضرت سلطان المشائخ قدس سرّہ، تعزیت اور زیارت کے لیے اجودھن تشریف لے گئے تھے، اس وقت مولانا بدرالدینؒ اسحاق نے جامہ، مصلی اور عصا، حضرت فرید گنج شکر کی وصیت کے مطابق سلطان المشائخ قدس سرہ کے سپرد کیے (سیر الاولیا، اردو ترجمہ قدوسی صص ۲۳۴۔ ۲۳۵) محمد بلاق مرحوم نے سیر الاولیا کی یہ روایت مطلوب الطالبین (قلمی) کے صفحات ۴۹ اور ۵۰ پر خود نقل کی ہے، اور راحت القلوب اور سیر الاولیا کے متضاد بیانات کی یہ توجیہہ کی ہے کہ پہلے روز بیعت ہونے کے بعد جو خرقہ عطا ہوا تھا وہ خرقہ ارادت تھا اور سات ماہ سترہ دن بعد خرقۂ خلافت عطا ہوا۔

۳۔ امام شعبی، ابو عمرو عامر بن شراحیل بن عمرو الشعبی، کوفے میں پیدا ہوئے۔ دور اوّل کے محدثین میں سے تھے۔ حجاج نے ۷۵ھ میں قبیلہ ہمدان کا وکیل مقرر کیا۔ قتیبہ بن مسلم کے کاتب بھی رہے۔ وفات ۱۰۳ تا ۱۱۰ ہجری کسی سال ہوئی۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ میں ہے کہ انھوں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ ملاحظہ فرمائیں دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۱۱ صص ۷۳۹ تا ۷۴۱ زیر عنوان شعبی

۴۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) میں "بروز چہار شنبہ" درج نہیں ہے، نہ ازروئے تقویم تیرہ رمضان ۶۶۹ھ کو بدھ تھا اس تاریخ کو ہفتہ تھا، البتہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرّہ، کے خلافت نامے میں بدھ تحریر کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت بابا فریدؒ نے بروز ہفتہ ۱۳ رمضان المبارک ۶۶۹ھ کو اجازت نامہ لکھنے کا حکم دیا اور اس کی تکمیل بروز بدھ ۱۷ رمضان ۶۶۹ھ کو ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا، ص ۱۲۶ (فرمود کاغذ بیارید اجازت نامہ بنویسید) ص ۱۳۰ (کتابت ایں مثال در روز چہار شنبہ ماہ مبارک رمضان بزرگ گرداند)

۵۔ سیر الاولیا باب ششم نکتہ خلافتِ مشائخ کے ضمن میں صرف تین اوصاف، علم، عقل اور عشق کا ذکر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۳۵۵ اردو ترجمہ (قدوسی) ص ۵۴۰۔ چوتھا وصف حلم مطلوب الطالبین کے مصنف کا اضافہ ہے نیز مذکورہ اوصاف سے متعلق عبارت حسرت نامہ کے اقتباس کا حصّہ نہیں ہے جب کہ مصنف مطلوب الطالبین نے اسے حسرت نامہ کے اقتباس میں شامل کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) صص ۳۵۶ تا ۳۵۸ اردو ترجمہ از مولانا اعجاز الحق قدوسی ص ۵۴۲ تا ۵۴۵

۶۔ پیش نظر مخطوطے میں "اجمالاً" نقل کیا گیا ہے لیکن یہ "اجماعاً" ہے۔ ترجمے میں درست کر دیا گیا ہے۔

۷۔ سورہ نساء آیت ۵۹۔ ترجمہ تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔

۸۔ حدیث شریف کی یہ تشریح محمد بلاق مرحوم کی ہے، حضرت سلطان المشائخ قدس سرّہ نے دوسری طرح اس کو مشرح فرمایا ہے۔

"حق تعالیٰ می فرماید کہ دلہائے بادشاہاں بدست منست یعنی ہرگاہ کہ خلق باخدا راست باشد من دلہائے ایشاں بر خلق مہرباں گردانم و ہرگاہ کہ خلق با حق راست نباشد من دلہائے ایشاں بر خلق بے مہر گردانم۔ بعد ازاں بر لفظ مبارک راند کہ نظر آں جا باید داشت و ہمہ چیز از آں جا تصور باید کرد

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں یعنی جب مخلوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ٹھیک ہوتی ہے تو میں ان کے دلوں کو مخلوق پر مہربان کر دیتا ہوں اور جب مخلوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ٹھیک نہیں ہوتی تو ان کے دل مخلوق پر نامہربان کر دیتا ہوں بعد ازاں زبان مبارک سے فرمایا کہ نظر اللہ تعالیٰ پر رکھنی چاہیے اور تمام چیزوں کو اسی کی طرف سے سمجھنا چاہیے۔

دونوں تشریحوں میں نمایاں اور بین فرق ہے جسے مطالعہ کرنے والے حضرات اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں فوائد الفواد جلد چہارم مجلس ۴۴ ص ۶۰۶

۸ الف۔ یہ واقعہ راحت القلوب کے علاوہ فوائد الفواد (ص ص ۳۲۹۔ ۳۳۰) سیر الاولیا (ص ص ۳۵۱۔ ۳۵۲) اور جوامع الکلم (اردو ترجمہ ص ص ۱۸۵۔ ۱۸۶) میں بھی منقول ہے تاہم جوامع الکلم میں مولانا عمر بن شیخ سعید کے سوال پر حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ نے صراحت فرمائی ہے کہ یہ واقعہ سلوک کی کتابوں میں مرقوم ہے واقعہ بیان کرنے کے بعد صراحت کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے اس واقعے کو کسی حدیثِ صحیحہ میں نہیں دیکھا، ملاحظہ فرمائیں جوامع الکلم ص ص ۱۸۵۔ ۱۸۶

۹۔ امام ابواللیث سرقندی۔ امام الہدیٰ ابواللیث احمد بن ابراہیم سرقندی۔ اپنے زمانے کے عظیم فقہا میں تھے۔ فقہ کی مشہور کتاب خزانتہ الفقہ کے مصنف ہیں ان کا سالِ وفات ۳۷۳ھ ہے ملاحظہ فرمائیں۔ فہرست عربی مخطوطات جلد سوم رضا لائبریری رامپور (بھارت) ص ۲۵۶۔ مطلوب الطالبین میں صرف "تنبیہ" تحریر ہوا ہے۔ تصنیف کا پورا نام "تنبیہ الغافلین" ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "کلمات الصادقین" مصنفہ محمد صادق دہلوی کشمیری ہمدانی اسلام آباد ۱۹۸۸ء ص ۱۰۴ حاشیہ انگریزی

۱۰۔ جوامع الکلم سیّد محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہٗ م ۸۲۵ھ کے ملفوظات ہیں جنھیں آپ کے فرزند اکبر سیّد محمد اکبر حسینی نے مرتب فرمائے۔ احقر مترجم کے پاس اس کا اردو ترجمہ ہے۔ مترجم پروفیسر معین الدین دردائی ہیں۔ اسے نفیس اکیڈمی کراچی نے ۱۹۸۰ء میں شائع کیا۔

۱۱۔ آپ کا اسم گرامی عبید اللہ ناصر الدین اور احرار لقب تھا۔ سلسلۂ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ تھے۔ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ سے تکمیل سلوک کی اور خلافت حاصل کی فارسی کے مشہور شاعر مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے خلفا میں تھے آپ کا ذریعہ معاش زراعت تھا۔ یاغستان علاقۂ تاشقند میں آپ کی ولادت ۸۰۶ھ میں ہوئی اور ۸۹۵ھ میں سمرقند میں وصال ہوا۔ احقر مترجم تحقیق نہ کر سکا کہ اشتغال آپ کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، حضرت مجدد الف ثانیؒ مصنفہ مولانا سیّد زوار حسین شاہؒ کراچی ۱۹۷۲ء ص ص ۱۲۱۔ ۱۲۲

۱۲۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی۔ آپ کا اسم گرامی احمد بن محمد بن احمد بن محمد بیابانکی تھا۔ علاء الدولہ، رکن الدین اور ابوالمکارم کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ سمنان کے قریب بیابانک میں ۶۵۶ھ میں ولادت ہوئی اور ۷۳۶ھ میں وفات پائی محمد بلاق مرحوم نے آپ کی تصنیف کا نام عروۃ الوثقیٰ بیان کیا ہے جو درست نہیں ہے۔ تصنیف کا نام العروۃ لاھل الجلوۃ والخلوۃ ہے جسے آقائے نجیب مایل ہروی نے ۱۴۰۴ھ ش میں تہران سے شائع کیا۔ ملاحظہ فرمائیں، تصوف حصہ اوّل مصنفہ ڈاکٹر سید وحید اشرف فیض آباد (بھارت) ۱۹۸۸ء صص ۱۱۷، ۱۳۶

مطلب ہفتم

سلطان المشایخ کے اپنے پیر شیخ فرید الدّین گنج شکر کی خدمت سے واپس شہر دہلی میں تشریف لانے اور غیبی اشارے سے موضع غیاث پور میں مستقل سکونت اختیار کرنے، خانقاہ تعمیر کیے جانے نیز ملک یار پراں اور شیخ ابوبکر طوسی حیدری کے مختصر حالات کے بیان میں

پختہ اعتقاد اور کامل یقین رکھنے والے طالبین پر واضح ہو کہ جب سلطان المشایخ، شیخ فرید الدّین گنج شکر سے خلافت حاصل کرنے کے بعد شہر دہلی تشریف لائے تو حضرت امیر خسروؒ آپ کو اپنے نانا راوت عرض کی حویلی میں لے آئے اور آپ کی خدمت گزاری کو اپنی نیک بختی تصور کیا۔ یہ تین منزلہ مکان تھا اور اس میں بہت سے چھجے اور محرابیں تھیں۔ حضرت سلطان المشایخ نے سیّد محمد کرمانی اور ان کے اہل و عیال کو نچلی منزل رہنے کو دی۔ سیّد محمد کرمانی ایک بزرگ شخص اور سلطان المشایخ کے ہم خرقہ (بابا فرید گنج شکر کے خلیفہ) تھے اور آپ کے ہمراہ اجودھن سے دہلی آ گئے تھے۔ ان دونوں بزرگوں میں آپس میں بے حد محبت تھی۔ سلطان المشایخ نے خود [۵۷] درمیانی منزل میں قیام فرمایا دوسرے دوستوں نے جو اجودھن سے آپ کے ساتھ آئے تھے اوپر کی منزل میں جو خاصی بلند تھی سکونت اختیار کی آپ اس زمانے میں ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور شام کو اوپر کی منزل میں دوستوں کے ساتھ افطار کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ نیچے اپنی منزل میں آجاتے اور مشغول عبادت رہتے۔

سیر الاولیا کے مصنف نے جو سیّد محمد کرمانی کے پوتے تھے تحریر کیا ہے کہ اس زمانے میں سوائے میرے والد سیّد محمد مبارک اور خواجہ مبشر کے جو چھوٹی عمر کے تھے، سلطان المشایخ کا کوئی اور خدمتگار نہ تھا۔ سیّد محمد کرمانی افطار کے لیے کھانے کا بندوبست کرتے اور میرے والد سیّد مبارک اور خواجہ مبشر بیت الخلا میں پانی اور ڈھیلے رکھنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ مبشر سلطان المشایخ کے زر خرید غلام تھے۔

الغرض اس مکان میں سلطان المشائخ نے اسی طرح دو سال بسر کیے کہ اس دوران میں راوت عرض کے فرزند واپس شہر آ گئے اور کھڑے کھڑے مکان خالی کرنے کو کہا۔ اتنی مہلت بھی دینے کو تیار نہیں ہوئے کہ کرائے کا دوسرا مکان حاصل کر لیں۔ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ مجبوراً میں نے (اسی وقت) وہ مکان خالی کر دیا۔ میرے پاس سوائے کتابوں کے دوسرا سامان نہ تھا۔ انھیں سر پر رکھ کر چھپر والی مسجد میں اٹھ آئے اور ایک دن رات وہاں گزاری لیکن اسی رات راوت عرض کی حویلی میں آگ لگ گئی اور بلند و بالا محرابیں اور چھجے زمین پر آ رہے۔ صبح سعد کاغذی نے جو شیخ صدر الدین کے مریدوں اور سلطان المشائخ کے مخلصوں میں تھا یہ ماجرا سنا تو دوڑا ہوا آیا اور بہ منت تمام سلطان المشائخ کو اپنے مکان پر لے آیا۔ اس کی چھت پر ایک بلند و بالا مکان تھا وہ آپ کے رہنے کے لیے دیا [۵۸] آپ کی پیروی میں سید محمد کرمانی اور دوسرے دوستوں نے بھی اپنے رہنے کے لیے علاحدہ علاحدہ جگہ کا انتظام کر لیا سلطان المشائخ نے ایک ماہ یہاں قیام فرمایا، اس کے بعد سرائے رکاب دار میں منتقل ہو گئے لیکن وہاں بھی زیادہ عرصے نہیں رہے اور شادی گلابی کی حویلی میں آ گئے۔ کچھ عرصے بعد شمس الدین رکاب دار[۱] کے فرزند جو آپ کے معتقد تھے تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے مکان میں لے آئے اور خدمت بجا لائے۔

سلطان المشائخ کو یہاں بڑی حد تک دلی سکون حاصل ہوا اور آپ یہاں چند سال اطمینان سے رہے۔ اجودھن سے آنے والے دوست یہیں آتے اور قیام کرتے تھے۔

اگرچہ سلطان المشائخ چند سال شہر میں رہے لیکن تین حصے دن جنگل کے کسی گوشے میں گزارتے تھے جیسا کہ سیر الاولیا میں منقول ہے سلطان المشائخ فرماتے تھے، ایک مرتبہ میں نے چاہا کہ شہر دہلی سے نکل جاؤں اور کسی ایسی تنہائی کی جگہ رہنے لگوں جہاں کسی کو میرے حال کی خبر نہ ہو۔ میں اس نیت سے اٹھا اور حوض رانی کے نواح میں چلا آیا۔ وہاں میں نے مناجات کی، یاالٰہی میں چاہتا ہوں کہ شہر سے باہر چلا جاؤں اور کسی گوشے میں بیٹھ رہوں۔ اب آپ جو چاہتے ہیں حکم فرمائیں، میں وہیں چلا جاؤں گا۔ عین اسی وقت غیب سے آواز آئی "تمھاری جگہ غیاث پور ہے۔" میں غیاث پور سے واقف نہیں تھا۔ ایک دوست سے معلوم کرنے کے لیے اس کے گھر پہنچا، اسے چوب دار محمد نیشا پوری[۲] کہتے تھے۔ وہ گھر پر نہیں ملا۔ میں نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ وہ کہاں گیا ہے انھوں نے جواب دیا کہ وہ غیاث پور گیا ہے۔ مجھے ان کا جواب سن کر بے حد خوشی ہوئی اور اس کے

ایک آدمی کو ساتھ لے کر غیاث پور پہنچا۔ دیکھا کہ بالکل ویران جگہ ہے۔ میں نے وہاں قیام کا ارادہ کر لیا اور دریائے جمنا کے کنارے رہائش اختیار کر لی۔ جس زمانے میں غیاث الدین بلبن کا پوتا معزالدین کیقباد اپنے دادا کی جگہ بادشاہ بنا [۵۹] اور اس کے تخت پر بیٹھا۔[۳] اس نے کیلوکھڑی میں جو غیاث پور کے نزدیک ایک گاؤں تھا، محل تعمیر کیا۔ وہاں لوگوں کو آباد کیا اور ایک جامع مسجد تعمیر کرائی، اس کے سبب غیاث پور میں عام لوگ کثرت سے آنے جانے لگے۔ اس کے علاوہ اکثر امیر اور سردار بھی سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اسی زمانے میں خواجہ ابوالحسن المعروف بہ امیر خسرو، عزالدین علی شاہ[۴] حسام الدین احمد[۵] اور ان کے والد سیف الدین[۶] نے آپ سے بیعت کی۔ سلطان المشائخ نے اس خاندان کی آپ سے محبت اور قدیم اخلاص کے باعث مرحمت خاص سے نوازا، اور اپنی بارگاہ میں قبولیت سے سرفراز فرمایا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ نے فرمایا، جس زمانے میں معزالدین کیقباد نے کیلوکھڑی کو آباد کیا، لوگ کثرت سے وہاں آنے جانے لگے اور خلقت کا ہجوم (روز بروز) بڑھنے لگا۔ میں نے سوچا کہ میں اب کسی دوسری جگہ چلا جاؤں اور وہاں اپنا ٹھکانہ بناؤں۔ (ان ہی دنوں) مردان غیب میں سے ایک شخص حسین و جمیل کمزور اور نحیف میرے پاس آیا اور یہ شعر پڑھا

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی

کانگشت نمائے عالمے خواہی شد

(ترجمہ) جب تم چاند بنے تھے کیا اس وقت نہیں جانتے تھے کہ ایک عالم تمھیں دیکھنا چاہے گا۔

اس مرد غیب نے یہ بھی کہا کہ وہ شخص کس قدر عظیم قوت اور حوصلے کا حامل ہو گا کہ مخلوق کی صحبت کے ساتھ خالق کی یاد میں مشغول ہو اور ہمیشہ اپنے دل کو حق تعالیٰ کی جانب متوجہ رکھتا ہو۔ میں نے اس سے معذرت کی اور تھوڑا سا کھانا اس کے سامنے پیش کیا۔ اس نے چکھا تک نہیں۔ تب میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ اگر یہ شخص میرے اس کھانے کو تناول کرے گا تو میں ہرگز یہاں سے دوسری جگہ نہیں جاؤں گا۔ جوں ہی میرے دل میں یہ خیال آیا اس نے کھانا اٹھایا اور اس میں سے دو تین لقمے لیے اور چلا گیا۔

اس واقعے کے بعد میں نے اس شخص کو پھر کبھی نہیں دیکھا۔

جوامع الکلم سے روایت ہے کہ سلطان المشائخ کی یہ خانقاہ [۶۰] جو دریائے جمنا کے کنارے تعمیر کی گئی ہے، پہلے یہاں چھپر پڑے ہوئے تھے۔ سلطان المشائخ اسی میں اپنے متعلقین کے ساتھ رہتے تھے۔ اگر کوئی شخص آپ سے خانقاہ کی تعمیر کے لیے عرض کرتا آپ اسے منع فرمادیتے، حتی کہ ضیاء الدین نے جو عماد الملک کا وکیل اور آپ کا مرید خاص تھا، ایک روز خلوت میں عرض کیا کہ غلام کی یہ خواہش ہے کہ یہاں ایک خانقاہ تعمیر کرائے تاکہ مخلصوں کو راحت حاصل ہو۔ آپ نے یہ عرض داشت قبول نہ فرمائی۔ اس نے خواجہ اقبال اور سید حسین بن سید محمد کرمانی کو جو سلطان المشائخ کے منظورِ نظر تھے، وسیلہ بنا کر بہت عاجزی کی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا، اے ضیاء الدین اس رہائش گاہ سے متعلق ایک راز ہے کہ جو شخص اس زمین پر عمارت بنوائے گا وہ فوت ہو جائے گا۔ ضیاء الدین نے اپنا سر زمین پر رکھا اور عرض کیا کہ مجھے یہ بات منظور ہے کہ خواہ میں دنیا میں نہ رہوں لیکن اس جگہ ایک خانقاہ تعمیر کر جاؤں تاکہ خدام کی راحت کا سبب ہو۔ سلطان المشائخ نے فرمایا، تم نے اپنی مرضی سے اپنے لیے یہ بات اختیار کی ہے، آگے تم جانو لیکن تمھیں ایک ماہ کی مدت میں عمارت مکمل کرنی ہے۔ ضیاء الدین نے ایسا ہی کیا ایک ماہ کے عرصے میں تمام عمارت مکمل کرا دی۔ اس دوران سلطان المشائخ ایک ماہ تک کیلوکھڑی کے مکان میں رہے۔

سیر الاولیا کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ سلطان المشائخ کا ایک صاف ستھرا مکان کیلوکھڑی کی جامع مسجد کے قریب تھا۔ آپ ہر شبِ جمعہ کو نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد وہاں تشریف لے جاتے اور ہفتے کو واپس غیاث پور تشریف لے آتے اور ہفتے کے باقی دن غیاث پور کے مکان میں گزارتے۔

الغرض جب ضیاء الدین نے خانقاہ کی عمارت مکمل کرا دی تو چار سو سونے کے تنکے صَرف کر کے مجلس سماع کا اہتمام کیا۔ سلطان المشائخ اپنے تمام مریدین کے ساتھ خانقاہ تشریف لائے جب [۶۱] مجلس سماع منعقد ہوئی تو ضیاء الدین کو سخت بخار ہو گیا اور وہ شریک مجلس نہ ہو سکے۔ ان ہی دنوں وہ رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے۔[۸] رحمتہ اللہ علیہ

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ نماز جمعہ کے لیے کیلوکھڑی جا رہا تھا۔ گرم ہوا چل رہی تھی اور میں روزے سے تھا۔ مجھے چکر

آنے لگے۔ میں ایک دکان پر بیٹھ گیا۔ دل میں خیال آیا کہ اگر میرے پاس گھوڑا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا، میں اس پر سوار ہو کر نماز جمعہ کے لیے جاتا پھر مجھے یہ شعر یاد آیا

با قدم از سر کنم در طلب دوستاں

راہ بجائے نہ برد ہر کہ بہ اقدام رفت

(ترجمہ) دوستوں کی طلب میں سر کے بل چلتا جاؤں جو پیروں سے
چلتا ہے اسے منزل نہیں ملتی

پھر میں نے اس خیال سے توبہ کی۔ تین دن اسی حالت میں گزرے کہ نورالدین ملک یار پراں کے خلیفہ ایک گھوڑی نذر کرنے آئے۔ میں نے قبول نہیں کی اور کہا کہ آپ ایک درویش شخص ہیں، میں آپ کا مال کس طرح اپنے لیے روا رکھ سکتا ہوں۔ انھوں نے کہا تین راتوں سے میرے شیخ مجھے (خواب میں) حکم دے رہے ہیں کہ یہ گھوڑی سلطان المشائخ کی خدمت میں لے جا اور عرض کر کہ آپ اس پر سوار ہو کر نماز جمعہ کے لیے تشریف لے جایا کریں۔ میں نے ان سے کہا[8] اے مرید تجھے آپ کے شیخ سے کوئی سروکار نہیں اگر میرے شیخ مجھے حکم فرمائیں گے تو قبول کر لوں گا۔ اس شب شیخ فریدالدین گنج شکر نے مجھ سے فرمایا کہ بابا نظام جو چیز حق تعالیٰ بھجوائیں اسے رد نہیں کرنا چاہیے۔ دوسرے روز ملک یار پراں کے خلیفہ گھوڑی لے کر آئے میں نے قبول کر لی اور اسے نعمت غیبی خیال کیا۔ اس روز کے بعد سے، اس گھوڑی کی برکت سے میرے اصطبل میں گھوڑے پہنچتے رہے اور کوئی کمی نہیں ہوئی۔[9] بعد ازاں وہ گھوڑی میں نے اپنے بھانجے خواجہ محمد کو دے دی۔

سیر العارفین سے منقول ہے کہ شیخ نورالدین ملک یار پراں عظمت و کرامت والے بزرگ تھے۔ وہ پرگنہ لارا میں پیدا ہوئے۔ شیخ اعزالدین دانیال خلجی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ وہ شیخ علی خضر کے مرید تھے اور شیخ علی خضر ابواسحاق گازرونی [۶۲] کے مرید تھے، رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔ شیخ نورالدین سلطان غیاث الدین بلبن[10] کے عہدِ حکومت میں دہلی آئے تھے اور دریائے جمنا کے کنارے شیخ ابوبکر طوسی کے ہمسائے میں قیام پذیر ہوئے۔ ابوبکر طوسی زنجیر پوش قلندر تھے اور حیدریوں کی رسم کے مطابق مہر حیدری بھی رکھتے تھے۔ وہ اس طرح ہے کہ رانگ کی ایک سیخ بناتے ہیں[11] پھر دونوں سروں کو

جوڑتے ہیں۔ اس جوڑ کو آگ سے گرم کر کے مہر حیدری اس پر رکھتے ہیں اُسے مہر سیخ کہتے ہیں۔ لیکن ابوبکر طوسی صاحب باطن قلندر تھے اور پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ شیخ جمال الدّین ہانسوی انھیں "سفید باز" کہتے تھے۔ انھوں نے بائیس رجب المرجب کو وفات پائی اور اسی تکیے میں جہاں ان کی رہائش تھی انھیں دفن کیا گیا۔ پہلے اس ٹیلے پر مندر تھا، اسے توڑ کر انھوں نے اپنا مکان تعمیر کیا۔

شیخ نُورالدّین کو ملک یار پراں اس لیے کہتے ہیں کہ جب وہ لارا سے شہر دہلی آئے اور شیخ ابوبکر طوسی کے جوار میں سکونت پذیر ہوئے تو انھیں وہاں قیام کرنے میں دشواری پیش آئی۔ شیخ ابوبکر طوسی نے ان سے کہا کہ آپ بادشاہ کے حکم کے بغیر اس علاقے میں نہیں رہ سکتے اور بادشاہ یعنی غیاث الدّین بلبن ان دنوں ٹھٹھہ (سندھ) گیا ہوا تھا۔ شیخ نورالدّین اسی وقت قوت باطن سے ٹھٹھہ پہنچے، غیاث الدّین سے ملاقات کی اور تمام ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ چونکہ فقرا سے اخلاص رکھتا تھا حکم دیا کہ وہ احاطہ جو شیخ کو مطلوب ہے اس کی معافی کا فرمان اور لنگر و خانقاہ کے خرچ کے لیے چار گاؤں کی ملکیت تحریر کر کے ان کے حوالے کریں۔ شیخ وہ کاغذ لے کر اسی وقت کرامت کے زور سے دہلی آگئے اور اسے شیخ ابوبکر کے سامنے رکھا [۶۳] اور کہا یہ بادشاہ کا حکم نامہ ہے اب آپ کو کیا اعتراض ہے۔ شیخ ابوبکر سخت حیران ہوئے اور فرمایا کہ شاید یہ درویش فرشتے کا دوست ہے جو اسے اڑا کر بادشاہ کے پاس لے گیا اور پھر اڑا کر واپس لے آیا۔ اس دن سے لوگ انھیں ملک یار پراں باز پراں کہنے لگے۔ ان کی وفات اٹھارہ جمادی الثانی کو ہوئی اور جمنا کنارے اپنی خانقاہ میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ حضرت سلطان المشایخ ان کی وفات کے بعد شہر دہلی آئے اور دو تین بار ان کے اور شیخ ابوبکر طوسی کے مزار پر زیارت کے لیے گئے، رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

حواشی مطلب ہفتم

۱۔ سیر الاولیا میں شمس الدّین شراب دار نقل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا ص ۱۱۹

۲۔ سیر الاولیا میں اس چوبدار کا نام نقل نہیں ہوا ہے، بلکہ صرف اتنا بیان ہے، میں اپنے دوست کے پاس گیا وہ نیشاپور کا ایک چوبدار (نقیب) تھا۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا ص ۱۲۰

۳۔ معزالدّین کیقباد ۶۸۶ھ میں تخت دہلی پر بیٹھا۔

۴۔ عزالدین علی شاہ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے منجھلے حقیقی بھائی تھے۔ ۱۳ رمضان ۷۰۷ھ کی مجلس میں یہ موجود تھے (فوائد الفواد) ملاحظہ فرمائیں نقد ملفوظات ص ۱۶۸

۵۔ حسام الدین احمد نقد ملفوظات میں ان کا نام حسام الدین قتلغ خاں نقل کیا گیا ہے یہ بھی امیر خسروؒ کے حقیقی بھائی تھے۔ ۶۹۸ھ میں وفات پائی۔ ملاحظہ فرمائیں نقد ملفوظات ص ۱۶۸

۶۔ امیر سیف الدین محمود۔ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے والد ماجد، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی تحقیق کے مطابق امیر سیف الدین کا انتقال ۶۵۹ یا ۶۶۰ھ میں ہوا جب حضرت امیر خسروؒ کی عمر آٹھ سال تھی۔ رمضان ۶۶۹ھ میں حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کو خلافت نامہ عطا ہوا لہٰذا ان سنین کے اعتبار سے یہ روایت کہ امیر خسرو کے والد ماجد بھی سلطان المشائخ کے مرید تھے غلط ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں نقد ملفوظات صص ۱۶۶ اور ۱۶۷

۷۔ مطلوب الطالبین (قلمی) میں پہلا مصرع اس طرح نقل ہوا ہے۔ "آں روز کہ مہ شدی نہ دانستی" ظاہر ہے کہ یہ مصرع بہ اعتبار وزن صحیح نہیں ہے۔ فوائد الفواد میں یہ مصرع باوزن ہے۔ جو زیر نظر ترجمے میں نقل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فوائد الفواد جلد چہارم مجلس ۱۹ ص ۲۴۳

۸۔ جوامع الکلم (اردو ترجمہ) صص ۲۸۹۔ ۲۹۰، یہ عجیب و غریب واقعہ سوائے جوامع الکلم کے کسی عصری ماخذ (سیر الاولیا، فوائد الفواد اور خیر المجالس) میں نہیں ملتا۔ واللہ اعلم

۹۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) میں یہ عبارت ہے۔

"بعد ازاں اسپ از خانۂ من کم نہ شد" (ص ۱۵۴)

(ترجمہ) اس کے بعد میرے ہاں گھوڑے کی کمی نہ ہوئی (یعنی پھر مجھے سواری کی تکلیف نہ ہوئی)

برخلاف اس کے مطلوب الطالبین میں یہ عبارت درج کی گئی ہے۔

"پس ازآں روز بہ یمن آں مادیہ در طویلۂ من اسپہا رسیدند"

(ترجمہ) اس دن کے بعد سے اس گھوڑی کی برکت سے میرے اصطبل میں گھوڑے پہنچتے رہے۔

یہ انتہائی مبالغہ آمیز عبارت ہے۔ حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ شریف یا جماعت خانے میں کوئی اصطبل نہیں تھا۔ حضرت قدس سرہ، نے کامل درویشانہ زندگی بسر فرمائی ہے۔ اگر کسی دن فتوحات زیادہ آجاتیں تو گریہ طاری ہو جاتا۔ جب تک سب چیزیں تقسیم نہ ہو جاتیں مضطرب رہتے۔ ہر ہفتے تجرید فرماتے۔ حجروں اور انبار خانوں کو خالی کرا دیتے حتیٰ کہ جھاڑو دے دی جاتی اس کے بعد نماز جمعہ کے لیے تشریف لے جاتے ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ از مولانا قدوسی) صص ۲۴۶ اور ۲۴۷

۱۰۔ سلطان غیاث الدین کا عہد حکومت ۶۶۴ تا ۶۸۶ھ ہے۔

۱۱۔ خطی نسخے میں یہ جملہ مبہم اور ناقابل فہم ہے اس لیے ترجمہ نہ کیا جاسکا۔ احقر مترجم

مطلب ہشتم

سلطان المشائخ کے فقر وقناعت، توکل و اطاعت اختیار کرنے اور ابتدائے حال میں شہر اجودھن میں بعض ریاضات و مجاہدات کرنے اور ان پر شاکر رہنے کے بیان میں۔

پختہ اعتقاد رکھنے والے طالبین پر واضح ہو کہ حضرت سلطان المشائخ نے بیس سال کی عمر میں کہ عین عالم جوانی اور زمانۂ عیش و کامرانی تھا، شیخ فرید الدین گنج شکر کے ہاتھ پر (دنیا) ترک کرنے کی بیعت کی اور دنیا سے کلی طور پر بے تعلق ہو کر شیخ کے حکم کے مطابق دہلی آگئے اور غیبی اشارے پر دریائے جمنا کے کنارے غیاث پور میں رہائش اختیار فرمائی۔ آپ نے تیس سال سخت مجاہدوں میں بسر کیے چنانچہ ہر تصنیف سے جیسا جیسا یاد آتا جائے گا، اس دور کے مختصر حالات نقل کیے جائیں گے تاکہ یہ مختصر رسالہ ان ماخذوں کے استفادے سے خالی نہ رہے۔

سیر الاولیا میں منقول ہے کہ جس زمانے میں سلطان المشائخ نے موضع غیاث پور کی سکونت اختیار فرمائی، آپ کے متعلقین حد سے زیادہ فقر و فاقے کی حالت میں رہتے تھے، چنانچہ دو تین فاقوں کے بعد [۶۴] آپ کے خادم شہر میں زنبیل گھماتے تھے اور روٹی کے ٹکڑے جو زنبیل میں ڈالے جاتے تھے، ان کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر آپ اور آپ کے متعلقین زنبیل کی روٹی سے افطار کرتے تھے۔ ایک روز افطار کے وقت آپ کے سامنے دسترخوان بچھایا گیا پھر زنبیل سے روٹیوں کے ٹکڑے نکال کر دسترخوان پر ڈال دیے گئے۔ مریدین بھی حاضر تھے۔ افطار کا وقت قریب تھا کہ ایک درویش اندر آیا، وہ سمجھا کہ لوگ کھانا کھا چکے ہیں اور روٹیوں کے یہ چند ٹکڑے بچ گئے ہیں۔ اس نے تمام ٹکڑے سمیٹے اور لے کر چلا گیا۔ سلطان المشائخ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، ابھی ہمارے کام میں برکت ہے کہ بھوکا رکھتے ہیں، یہ واقعہ تین فاقوں کے بعد رونما ہوا تھا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ نے فرمایا، جن دنوں میں دروازۂ مندہ کے قریب برج میں رہتا تھا مجھ پر تین دن ایسے گزرے کہ کھانے کی کوئی چیز میسر نہ ہوئی۔ بھوک نے غلبہ کیا کہ اچانک کوئی شخص دروازے پر آیا اور دستک دی۔ میں نے ایک شخص

سے کہا جا کر دیکھو کون ہے۔ وہ گھر سے باہر نکلا۔ دستک دینے والے شخص نے اسے کھچڑی سے بھرا ہوا ایک پیالا دیا اور چلا گیا۔ میں نے اپنے آدمی سے پوچھا تم اس شخص کو جانتے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ چونکہ غیب سے کھانا آیا تھا اس لیے کھالیا وہ مزا اور ذائقہ جو اس کھچڑی میں تھا اس کے بعد کسی کھانے میں نہیں ملا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے، سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ عہد بلبنی میں ایک جیتل میں ایک من خربوزے ملتے تھے۔ (ایک دفعہ) فصل کا بڑا حصہ گزر گیا اور مجھے ایک پھانک تک میسر نہ ہوئی۔ میری یہی تمنا رہی کہ بقیہ فصل بھی مجھے خربوزہ نہ ملے۔ ایک دن کوئی شخص چند خربوزے اور نان لے کر آیا میں نے اس کو خدا کا بھیجا ہوا تحفہ جانا اور کھالیا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک زمانے میں میری والدہ، ہمشیرہ اور گھر کے دوسرے لوگ جو [۶۵] میری کفالت میں تھے، بہت تنگی کی حالت میں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ فاقے پر فاقہ گزر جاتا۔ اگرچہ اس زمانے میں ایک جیتل میں دو تین من میدے کی نان مل جاتی تھیں لیکن ہمارے پاس ایک جیتل بھی نہ ہوتا کہ نان خریدیں اور کھائیں۔ اس حالت میں اگر کوئی شخص شکر، مصری، باریک کپڑا یا دوسرا تحفہ لے کر آتا تو اگرچہ اس کے فروخت کرنے سے میری غرض پوری ہو جاتی لیکن میں فروخت نہ کرتا اور اسی طرح استعمال کر لیتا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے، سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جس زمانے میں میری رہائش دہلی دروازے کے قریب تھی میں ہمہ وقت اس مایوسی کے عالم میں رہتا تھا کہ میں کہاں اور معرفت الٰہی کہاں۔ اسی کیفیت میں، میں نے شیخ رساں کے روضے پر اس مقصد سے چلہ کھینچا کہ میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہو جاؤں شیخ کے روضے کے صحن میں ایک خشک درخت تھا وہ میرے چلے کے دوران سرسبز ہو گیا۔ جب میں چلے سے فارغ ہوا تو روضے کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا اے شیخ ان چالیس دنوں میں درخت کی حالت میں تغیر آگیا لیکن میری حالت میں کوئی فرق نہیں ہوا، یہ کہہ کر اپنی جائے قیام کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں ایک شخص کو دیکھا جو لڑکھڑاتا ہوا چل رہا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید نشے میں ہے اور اس سے بچ کر نکلنے لگا۔ وہ میرے سامنے آگیا، میں پلٹ کر دوسری طرف چلنے لگا تو اس نے پھر اپنا رخ میری طرف کر لیا۔ میں کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ میں کس طرح اس سے بچ کر نکلوں اور اسے دیکھنے لگا کہ یہ کون شخص ہے۔ اس اثنا میں وہ میرے

قریب آگیا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ اس کے منہ اور جسم سے عطر و عنبر کی خوشبو آرہی تھی، میں نے تصور کیا کہ میں شیخ رساں سے معانقہ کر رہا ہوں۔ اس نے کہا اے صوفی تمھارے سینے سے حق تعالیٰ کی محبت کی خوشبو آرہی ہے یہ کہہ کر وہ میری نگاہوں سے غائب ہو گیا میں نے گمان کیا مجھے حق تعالیٰ کی معرفت اور محبت حاصل ہو جائے گی کیوں کہ شیخ رساں نے میرے حق میں یہ بات فرمائی ہے[1]

سیر الاولیا سے منقول ہے [۶۶] اس زمانے میں جب سلطان المشایخ فقر و فاقے میں زندگی بسر کر رہے تھے سلطان جلال الدین خلجی انار اللہ برہانہ کو آپ کی حالت کی خبر ملی تو اس نے ایک بڑا نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا اور کہلوایا کہ اگر حکم فرمائیں تو ایک گاؤں خدمت گزاروں کے اخراجات کے لیے مقرر کر دوں تاکہ وہ دلی اطمینان کے ساتھ خدمت عالی میں رہیں۔ سلطان المشایخ نے وہ نذرانہ واپس کر دیا اور فرمایا اگر سلطان نے دوبارہ ایسا کیا تو ہماری آزردگی کا باعث ہوگا۔ آپ کے دوستوں اور خدمت گاروں کو جو بھوک کی تکلیف میں مبتلا تھے یہ بات پسند نہ آئی۔ سب جمع ہو کر سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضرت آپ کو سلطان کی نذر رَد نہیں کرنی چاہیے تھی بے شک آپ کو ضرورت نہیں ہے لیکن ہم خادموں پر صَرف کرنے میں کیا خرابی تھی۔ ہم بہت زیادہ تنگ حال ہیں اور اب ہم میں استقامت کی طاقت اور بھوک برداشت کرنے کی قوت نہیں ہے۔ سلطان المشایخ نے جب ساتھیوں کی یہ بات سنی تو بے حد رنجیدہ ہوئے اور فرمایا۔ اے عزیزو اگر تم سب چلے جاؤ تو مجھے کچھ غم نہ ہوگا مجھے کسی سے کوئی سروکار نہیں البتہ کچھ دوست جو میرے ہم خرقہ ہیں، اس موقعے پر انھیں آزماتا ہوں۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ بعد ازاں سیّد محمد کرمانی اور دوسرے یاروں کو طلب فرمایا اور بادشاہ نے جو نذر بھیجی تھی اس کے بارے میں مشورہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ اے ہمارے شیخ ہم اب تو آپ کے گھر سے کچھ کھا لیتے ہیں اگر سلطان کی یہ نذر یا گاؤں آپ قبول کریں گے تو اس کے بعد ہم یہاں کا پانی بھی نہیں پئیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے۔ سلطان المشایخ دوستوں کی اس بات سے بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ دین کے دشوار کاموں میں ایسے ہی دوستوں کی تائید کارگر ہوتی ہے۔ میرا مقصود بھی تم ہی لوگ ہو۔ مجھے دوسروں سے کیا تعلق ہے اگر جاتے ہیں تو مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ سلطان المشایخ اس بڑے برج میں جو [۶۷] مندہ

دروازے کے قریب ہے یاد حق میں مشغول تھے۔ چند دن گزر گئے لیکن کھانے کو کچھ نہ ملا۔ فاقے پر فاقے ہوتے رہے۔ ایک طالب علم آپ کی حالت سے واقف تھا۔ اس نے اس جگہ کے بعض رہنے والوں کو اطلاع دی اور کہا کہ اتنے بڑے بزرگ چند روز سے تمھارے قریب مشغول ہیں اور تمھیں ان کے حال کی کوئی خبر نہیں۔ مقامی باشندوں نے کچھ کھانا پکایا اور لے کر حاضر ہوئے۔ سلطان المشائخ لقمہ منہ میں رکھنے والے ہی تھے کہ ان لوگوں میں سے ایک شخص بول اُٹھا "اس متعلم پر خدا کی رحمت ہو۔" آپ نے کھانے سے ہاتھ روک لیا اور دریافت فرمایا کہ تم نے کیا کہا، اس نے جواب دیا کہ فلاں طالب علم کو حضرت کے حال کی خبر تھی، اس نے مجھے اطلاع دی ورنہ میں تو آپ کے حال سے بے خبر تھا۔ سلطان المشائخ یہ بات سن کر آزردہ ہوئے اور کہا کہ مجھے اپنے شیخ کے سر کی قسم ہے میں یہ کھانا ہرگز نہیں کھاؤں گا علاقے کے باشندے نادم ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اس شخص نے نادانستہ طور پر یہ نامناسب بات کہہ دی ہے۔ آپ اس کی تقصیر معاف کر دیں اور کھانا تناول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا، جو کچھ ہوا تم لوگوں کی جانب ہی سے ہوا ہے۔ اب یہ کھانا لے جائیں، رکھیں یا خود کھالیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ بلاواسطہ کھانا پہنچائیں گے اور کھلائیں گے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے، سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میری والدہ اس قدر توکل والی تھیں کہ جس روز گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو فرماتیں، نظام آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ میں تمام دن اس بات کے ذوق میں مگن رہتا ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک عزیز نے چند روز کی غذا کا غلہ بھجوا دیا چنانچہ خاصی مدت ہم اسے استعمال کرتے رہے تاہم مجھے یہ آرزو رہی کہ میری والدہ کب فرمائیں گی کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں حتی کہ ایک دن وہ غلہ ختم ہو گیا اور میری والدہ نے فرمایا، نظام آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔ یہ بات سن کر میرے باطن میں ذوق و شوق اور راحت کا احساس [۶۸] پیدا ہوا اور میں بہت خوش ہوا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے، اس زمانے میں جب سلطان المشائخ اجودھن میں اپنے پیر شیخ فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں تھے، آپ کے کپڑے صابن مہیا نہ ہونے کے سبب بہت زیادہ میلے ہو گئے تھے ایک دن سید محمد کرمانی کی اہلیہ بی بی رانی نے جو آپ کی پیر بہن تھیں آپ سے کہا کہ بابا نظام آپ کے کپڑے بہت میلے اور جگہ جگہ سے پھٹ گئے ہیں آپ کپڑے مجھے دے دیں تاکہ میں پیوند لگا کر انھیں دھو ڈالوں۔ سلطان المشائخ (احتراماً) راضی نہ ہوئے لیکن وہ اصرار کرتی رہیں اور کہا، اے بھائی جب تک میں کپڑے دھووں اور پیوند لگاؤں اس وقت تک آپ میری چادر اوڑھ لیں۔ سلطان المشائخ مجبور ہو گئے۔ آپ نے

وہ چادر باندھ لی اور کپڑے ان کو دے دیے۔ وہ کپڑے دھونے میں مصروف رہیں اس عرصے میں آپ ایک گوشے میں کتاب لے کر مطالعہ فرماتے رہے۔ الغرض جب کپڑے خشک ہو گئے تو بی بی رانی نے اپنے شوہر سے ان کا دستارچہ مانگا۔ اسے بھی دھو کر صاف کیا اور گریبان کے نزدیک جہاں سے سلطان المشائخ کا کرتہ پھٹ گیا تھا، دستارچے کا پیوند لگایا اور کپڑے سلطان المشائخ کو پیش کر دیے۔ آپ نے اس زحمت پر بے حد معذرت کی اور شکریے کے ساتھ کپڑے پہن لیے۔ سلطان المشائخ آخر عمر تک اس احسان کی رعایت سیّد محمد کرمانی اور ان کے فرزندوں سے فرماتے رہے۔

سیرالاولیا سے منقول ہے کہ ایک شخص سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور دیکھا کہ آپ کے متعلقین سخت پریشانی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ میں سونا بنانے کی ترکیب جانتا ہوں۔ اگر حکم ہو تو آپ کے خادموں سے کسی کو سکھا دوں تاکہ تنگدستی کے بار سے چھٹکارا مل جائے اور فراغت حاصل ہو۔ سلطان المشائخ مسکرائے اور فرمایا اے عزیز [۶۹] مجھے نہ مال کی خواہش ہے نہ سونے کی۔ اللہ کافی ہے اس کے سوا جو کچھ ہے ہوس ہے۔

سیرالاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ فرماتے تھے، میں جن دنوں اجودھن میں شیخ فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر تھا، ایک دانشمند جو میرا دوست اور ہم سبق تھا اجودھن آیا۔ اس نے مجھے میلے کچیلے اور پھٹے ہوئے لباس میں دیکھ کر دریافت کیا، مولانا آپ کو ایسی کون سی پریشانی پیش آئی جو آپ کا یہ حال ہے۔ اگر آپ شہر دہلی میں تعلیم دیتے تو اپنے وقت کے مجتہد ہوتے اور مال و متاع بھی کثرت سے میسر ہوتا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ معذرت کر کے رخصت ہوا۔ جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا، اے نظام! اگر تمہارے دوستوں میں سے کوئی دوست تم کو اس حال میں دیکھے اور پوچھ بیٹھے کہ تم پر ایسی کون سی افتاد پڑی ہے تو تم اس کو کیا جواب دو گے میں نے عرض کیا کہ جو مخدوم فرمائیں گے فرمایا اس سے کہنا

نہ ہمرہی تو مرا راہِ خویش گیر و برو
ترا سعادتے بادا مرا نگوں ساری

(ترجمہ) (اے مخاطب) تو میرا رفیق سفر نہیں ہے تو اپنے راستے پر چلتا رہ، تجھے نیک بختی حاصل رہے میں اپنی بدبختی پر راضی ہوں۔

پھر مجھے حکم دیا کہ طعام خانے میں جاؤ اور کہو کہ ایک خوان کھانے سے آراستہ کر کے لائیں۔ جب خدام خوان لے آئے تو فرمایا اسے اپنے سر پر رکھو اور جہاں تمھارے دوست کا قیام ہے وہاں لے جاؤ اور اسے پیش کرو۔ میں نے خوان اپنے سر پر رکھا اور اس سرائے میں جہاں میرا دوست ٹھہرا ہوا تھا، آیا۔ اس نے جو مجھے اس حالت میں دیکھا تو روتا ہوا میری طرف دوڑا، اور پوچھا یہ کیا حال ہے، مَیں نے کہا شیخ نے یہ کھانا تمھارے لیے بھیجا ہے اور جو باتیں تم نے مجھ سے کہی تھیں اُن پر نور باطن سے منکشف ہو گئیں اور ان کے جواب میں یہ شعر فرمایا ہے:

نہ ہر ہی تو مرا راہِ خویش گیرو برو
ترا سعادتے بادا، مرا نگوں ساری

وہ دوست بے حد نادم ہوا، اور کہا کہ مجھے اپنے شیخ کی خدمت میں لے چلو کہ میں حاضری کی سعادت حاصل کروں۔ میں نے کہا [۷۰] پہلے کھانا کھاؤ پھر چلیں گے۔ جب وہ کھانا کھا چکا تو اپنے خدمت گار سے کہا کہ یہ خوان اٹھاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ میں نے کہا، یہ نہیں ہو سکتا۔ جس طرح میں خوان لے کر آیا تھا اسی طرح لے کر جاؤں گا۔ بہر حال جس وقت وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اسی وقت مرید ہو گیا اور عقیدت کی پیشانی زمین پر رکھی۔

چشتیہ بہشتیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جس زمانے میں سلطان المشائخ نے غیاث پور میں سکونت اختیار فرمائی آپ کے متعلقین انتہائی فقر و فاقے میں گزران کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ چار دن گزر گئے لیکن کھانے کی کوئی چیز آپ تک نہیں پہنچی۔ آپ کے پڑوس کی ایک عورت کو اس حالت کا علم ہو گیا۔ اس نے اپنی ضرورت کے لیے تھوڑا سا سوت کاتا تھا اسے بیچ کر جو رقم ملی اس کے جو خریدے اور خود سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے خواجہ کمال الدّین یعقوب سے جو آپ کے مریدوں میں تھے، فرمایا کہ یہ جَو دیگ میں ڈال کر ابالیں۔ جب دیگ میں ابال آنے لگا تو ایک گدڑی پوش درویش آیا اور صدا لگائی بابا کھانا لاؤ۔ سلطان المشائخ نے اس درویش سے کہا آیئے تشریف رکھیے ہانڈی ابال پر ہے درویش نے کہا جس حالت میں ہے دیگ لے آؤ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ سلطان المشائخ نے ابلتی ہوئی دیگ اس کے سامنے رکھ دی۔ اس نے پہنچے تک ہاتھ دیگ میں ڈال دیا اور گرم گرم جَو کھا لیے پھر ہانڈی کو زمین پر مار کر ریزہ ریزہ کر دیا اور کہا مولانا باطنی نعمت تو آپ کے شیخ نے آپ کو عطا کر دی ہے، آج میں نے آپ کے ظاہری

فقر کو توڑ دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا اس دن سے سلطان المشائخ پر دنیاوی دولت کے دروازے کھل گئے اور کثرت سے نذرانے آنے لگے، چنانچہ آئندہ باب میں اجمالاً فتوح اور نذرانوں کا ذکر کیا جائے گا یہاں ڈھیر میں سے ایک مٹھی بطور نمونہ لی گئی ہے۔[۲]

حواشی مطلب ہشتم

۱۔ سیر الاولیا میں یہ واقعہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہ کی زبانی بیان کیا گیا ہے۔ حضرت چراغ دہلی قدس سرہ کی روایت میں مندرجہ ذیل دو جملے منقول نہیں ہیں۔

(۱) "دانستم کہ بہ شیخ رساں معانقہ نمودم

(ترجمہ) میں نے تصور کیا کہ میں شیخ رساں سے معانقہ کر رہا ہوں۔

(۲) "پنداشتم کہ محبت الٰہی و معرفت او مرا حاصل خواہد گشت کہ شیخ رساں در حق من ایں سخن بگفت

(ترجمہ) میں نے گمان کیا کہ مجھے حق تعالیٰ کی محبت اور اس کی معرفت ضرور حاصل ہو گی کیوں کہ شیخ رساں نے میرے حق میں یہ بات فرمائی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۱۵۹، اردو ترجمہ از مولانا قدوسی صص ۲۶۹۔ ۲۷۰ مطلوب الطالبین کے ان دو زائد جملوں نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہ کی روایت کو یکسر تبدیل کر دیا ہے اور قاری کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ وہ مجذوب بزرگ شیخ رساں ہی تھے جب کہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ، اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہ نے ایسی کوئی نشاندہی نہیں فرمائی۔ واللہ اعلم

۲۔ چشتیہ بہشتیہ، فردوسیہ قدسیہ بھی اس کا نام ہے، اس کے مصنف علاء الدین محمد چشتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ذکر جمیع اولیائے دہلی، مصنفہ حبیب اللہ مرتبہ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی۔ ٹونک راجستھان ۱۹۸۷ء ص "ک" چشتیہ بہشتیہ کی کثرت فتوح سے متعلق روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں سیر الاولیا میں حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کا ملفوظ گرامی موجود ہے جس میں نذرانے اور فتوح کی کثرت کا ظاہری سبب چشتیہ بہشتیہ کی روایت سے مختلف بیان کیا گیا ہے آپ نے فرمایا

"ایک دفعہ میں بدایوں سے دہلی آ رہا تھا، راستے میں ایک شخص جو سیاہ گدڑی پہنے ہوئے تھا اور میلی سی پگڑی باندھے ہوئے تھا، مستوں کی طرح آیا، اس نے مجھے سلام کیا بالکل دیکھنے میں مست معلوم ہوتا تھا وہ مجھ سے بغل گیر ہوا، اور اپنا سینہ میرے سینہ سے لگایا اور سونگھنے لگا پھر مجھ سے آنکھ ملا کر کہنے لگا کہ مجھے یہاں سے بوئے مسلمانی آتی ہے مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون شخص ہے۔"

دوسری مرتبہ میں نے اسے اس وقت دیکھا کہ جب جماعت خانے میں کندوری کا کھانا تیار تھا دستر خوان بچھا ہوا تھا، وہ آیا اور سلام کر کے دستر خوان پر بیٹھ گیا

اور چلا گیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اسے دیکھا لیکن وہ مجھے نظر نہ آیا۔ پھر میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اس درویش نے کچھ کھایا بھی یا نہیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس نے چار روٹیاں اور کچھ شوربا ایک لکڑی کے پیالے میں ڈالا اور خانقاہ کے مقابل ایک ٹیلے پر بیٹھا اور کھا کر چل دیا۔ اس وقت تنگی کی وجہ سے ہم پر تیسرا فاقہ تھا۔

تیسری مرتبہ جب کلاکھری سے بعض عقیدت مند آ رہے تھے ان میں ایک مولانا عمر بھی تھے۔ وہی درویش راستے میں انھیں ملا، اور پوچھنے لگا کہاں جا رہے ہو؟ مولانا نے جواب دیا کہ فلاں صاحب کے پاس۔ اس نے کہا کہ اس مسکین کے پاس کیا رکھا ہے۔ یہ بارہ جیتل اس کو دو۔ اس دن سے فتوح آنا شروع ہوئیں۔ اس روز پتہ چلا کہ وہ مرد تھا لیکن اس نے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا مگر تنگی کے وقت۔

ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ از مولانا قدوسی) ص ۲۲۷

مطلب نہم

سلطان المشایخ کی بارگاہ میں نذرانے اور فتوح پیش ہونے،
اور آپ کا اُن کو اللہ کے لیے خرچ کرنے، ایثار کرنے، انعام
دینے اور فقرا کو کھانا کھلانے کے بیان میں۔ [۷۱]
اسی ضمن میں شاہانِ وقت کا آپ کے در پر گدائی کی امید
میں حاضر ہونے اور آپ کے زمانے کے سات سلاطین کا ذکر
ہے جن میں سے بعض آپ کے مخالف اور بعض موافق تھے۔

امیر خسرو دہلویؒ نے دین و دنیا کے شہنشاہ (حضرت سلطان المشایخ) کی مدح میں کہا ہے

در حجرۂ فقر بادشاہے
در عالمِ دل جہاں پناہے
شاہنشہِ بے سریر و بے تاج
شاہاںش بہ خاک پائے محتاج

(ترجمہ) آپ (اپنے) حجرۂ فقر میں بادشاہ اور جہان محبت میں (اہلِ
محبت کے) سردار ہیں
اگرچہ آپ شاہان ظاہر کے مانند تاج اور تخت نہیں رکھتے اس کے باوجود شاہان وقت
آپ کی خاکِ پا کے محتاج ہیں۔
(کسی شاعر کا) ایک دوسرا شعر بھی اس حال کے عین مطابق ہے۔

شدہ پیش درگاہش اندر زمیں
مغاک از لبِ تاجدارانِ کشور

(ترجمہ) ملک کے تاجداروں کے لبوں سے (زمین بوسی کے باعث)
اس کی بارگاہ کی زمین میں گڈھا ہو گیا ہے۔
پختہ اعتقاد اور یقین رکھنے والے طالبین پر واضح ہو کہ جب سلطان المشایخ پر عالم

غیب سے فتوح اور نذرانے کے دروازے کھولے گئے تو بہ یک وقت چاروں اطراف سے دین اور دنیا والوں نے آپ کی بارگاہ کو بوسہ دیا، لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں اس طرح گرفتار کیا ہوا تھا کہ آپ کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے، جیسا کہ شیخ سعدی شیرازیؒ نے اس کیفیت کی ترجمانی کی ہے۔

چناں بروئے تو آشفتہ ام بہ بوئے تو مست

کہ نیستم خبر از ہرچہ در دو عالم ہست

(ترجمہ) (اے محبوب) میں تیرے حضور تیری (محبت کی) خوشبو میں اس قدر مست ہو گیا ہوں۔ کہ مجھے (تیری ہستی کے سوا) دونوں عالم میں جو کچھ ہے اس کا احساس تک نہیں ہے۔

سلطان المشائخ اس کثرت سے دنیاوی مال و دولت کے آنے سے ہمیشہ مغموم رہتے اور آپ کی چشم مبارک اشک بار رہتی تھیں۔ اگر کسی دن بہت زیادہ فتوح آتی تو آپ پر لرزہ طاری ہو جاتا اور فرماتے کہ اسے فوراً یہاں سے لے جاؤ اور محتاجوں کو تقسیم کر دو آپ کے خدّام حکم کی تعمیل کرتے اور تمام فتوح درویشوں میں تقسیم کر دیتے۔

خیر المجالس میں بیان کیا گیا ہے کہ سلطان المشائخ کے در دولت پر ہر روز کثرت سے نذرانے پیش کیے جاتے حتیٰ کہ بادشاہ کے نذرانے بھی ان میں شامل ہوتے۔ جو شخص کوئی چیز پیش کرتا، اس سے بہتر چیز اسے عنایت کی جاتی۔ آپ کے آستانے پر ضرورت مندوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ اگر کہیں سے نقد رقم آتی تو جب تک تقسیم نہ کر دی جاتی آپ بے چین رہتے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ ہر جمعہ کو تجرید فرماتے یعنی خانقاہ کے انبار خانوں میں جو کچھ ہوتا تقسیم کر دیا جاتا [۴۲] تمام حجرے اور انبار خانے خالی کر دیے جاتے اور ان میں جھاڑو دلوا دی جاتی تب آپ نماز جمعہ کے لیے تشریف لے جاتے۔

اگر آپ درباری امیروں کے حاضر ہونے کی خبر سنتے تو سخت بے چین ہو جاتے (اور فرماتے) افسوس یہ لوگ کس لیے آتے ہیں، شاید نہیں چاہتے کہ یہ درویش سکون کے ساتھ رہے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جس وقت شیخ فرید الدین گنج شکر نے مجھے دہلی کے لیے رخصت فرمایا تو ایک غیاثی بطور زاد راہ مرحمت فرمایا۔ جب میں رخصت ہو کر چلنے لگا تو فرمایا ایک دن اور رک جاؤ اور میرے مہمان رہو تاکہ تمہیں جی

بھر کے دیکھ سکوں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی جب افطار کا وقت قریب ہونے لگا (تو مجھے معلوم ہوا کہ) شیخ کے مطبخ میں کھانا تیار کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے میں نے عرض کیا کہ مجھے مخدوم کے صدقے سے ایک غیائی حاصل ہوا ہے اگر حکم ہو تو اس سے کھانے کی چیزیں فراہم کر لی جائیں۔ شیخ یہ عرض داشت سن کر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا، اے نظام میں نے تمھیں دنیا عنایت کی[1] (یہ فرمان سن کر) میں کانپ اُٹھا (اور دل میں سوچنے لگا) افسوس کتنے ہی بزرگ اس دنیا کی وجہ سے مصیبت میں گرفتار ہوئے، مجھ مسکین کا کیا حال ہوگا۔ فرمایا تمھیں دنیا کے سبب کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ شیخ کے یہ مبارک کلمات سن کر میں مطمئن ہو گیا۔ اسی شب[2] میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک عورت میرے مکان کے صحن میں جھاڑو دے رہی ہے میں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے، اس نے کہا میں دنیا ہوں اور آپ کے مکان کی دھول مٹی صاف کر رہی ہوں۔ میں نے اس سے کہا، اے فتنہ پرداز میرے گھر میں تیرا کیا کام یہاں سے فوراً نکل جا، وہ التجا کرنے لگی (کہ مجھے یہاں سے نہ نکالیں) میں نے اُٹھ کر اس کی گردن پکڑی اور اسے باہر نکال دیا میں نے دیکھا کہ وہ دوبارہ مکان میں آ گئی ہے اور جھاڑو دے رہی ہے[3] اس وقت میں سمجھ گیا کہ یہ شیخ کے کلماتِ مبارکہ کا اثر ہے۔

جوامع الکلم میں بیان کیا گیا ہے کہ جب خسرو خاں کا سلطان قطب الدّین خلجی سے تعلق ہوا تو اس نے ایک لاکھ سونے کے تنکے سلطان المشایخ کو نذر کیے۔ اس کے علاوہ پچاس ہزار تنکے خواجہ اقبال خادم اور پچاس ہزار آپ کے مصاحب سیّد حسین بن سیّد محمد کرمانی کے لیے [۷۳] تیس ہزار ایک خادم کے لیے بیس ہزار ایک خادم کے لیے اور دس ہزار تنکے خواجہ کے غلاموں میں سے کم ترین غلام کے لیے بھجوائے[4] اسی زمانے میں خواجہ اقبال کے گھر ایک لڑکے کی ولادت ہوئی۔ سلطان المشایخ خواجہ اقبال کے ہاں سماع کی مجلس میں تشریف لے گئے اور اپنے پاس سے پچاس ہزار تنکے صرف فرمائے۔

اگر کسی کو کچھ عطا فرمانا ہوتا تو تعین کیے بغیر خواجہ اقبال کو حکم فرماتے کہ اسے کچھ دو، وہ اپنا ہاتھ تھیلی میں ڈالتے اور جو کچھ حاجت مند کے نصیب کا ہوتا، سونے یا چاندی کے سکّے اس کو دے دیتے لیکن وہ بھی دس یا بارہ سکوں سے کم نہ ہوتے۔

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ عرس کے دنوں میں سارے شہر کو بلا امتیاز نیک و بد،

کھانا اور نقد رقم سلطان المشائخ کی سرکار سے پہنچائے جاتے۔ کسی کو ایک خوان کھانا اور ایک تنکہ اور کسی کو دو خوان کھانا اور دو تنکے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خواجہ اقبال نے اپنے ایک رشتے دار[۵] خواجہ ابو سے کہا کہ فلاں طوایف کو ایک خوان اور ایک تنکہ دے آؤ۔ غالباً اس کا وظیفہ دو خوان کھانا اور دو تنکے نقد تھے۔ جب خواجہ ابّو اس کے ہاں پہنچے تو وہ جھگڑا کرنے لگی کہ مجھے دو خوان کھانا اور دو تنکے نقد دینے کا دستور ہے تم نے یقیناً ایک حصّہ خیانت کیا ہے۔ خواجہ ابو نے ہر چند اس سے کہا کہ مجھے خواجہ اقبال نے ایک خوان اور ایک تنکہ پہنچانے کے لیے دیا تھا لیکن اس طوایف کو یقین نہیں آیا اور خواجہ ابّو کو ذلیل کرنے لگی۔ خواجہ ابو نے بہ مشکل تمام اس سے اپنی جان چھڑائی اور خواجہ اقبال کے پاس دوڑے آئے۔ خواجہ اقبال نے انھیں پریشان حالت میں دیکھا تو پوچھا کیا ماجرا ہے۔ انھوں نے خواجہ اقبال کو سارا ماجرا سنا دیا سلطان المشائخ نے جو اس وقت خانقاہ کے بالا خانے پر تشریف فرما تھے خواجہ ابو کی باتیں سنیں تو دریافت فرمایا کہ ابّو کیا کہہ رہے ہیں۔ خواجہ اقبال نے ساری سرگزشت بیان کر دی۔ سلطان المشائخ مسکرائے اور فرمایا کہ مزید ایک خوان اور ایک تنکہ اس کو دے کر آئیں کہ وہ غریب عورت ہے۔

تاریخ ہند سے منقول ہے کہ علاوہ حفاظ اور طالب علموں کے تین ہزار عالم [۴۷] دو سو قوال اور مستقل طور پر رہائش پذیر مرید اور طالبین سلطان المشائخ کی سرکار سے وظیفہ پاتے تھے۔ علاوہ ازیں ان لوگوں کا تو کوئی شمار نہیں جو اپنی حاجت برآری کے لیے ہر روز خانقاہ کے آستانے پر بصورت ہجوم آتے رہتے تھے۔

چنانچہ چشتیہ بہشتیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان قطب الدّین کی سواری سلطان المشائخ کی خانقاہ کے قریب سے گزری۔ اس نے وہاں خلقت کا ہجوم دیکھا تو دریافت کیا کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ اسے بتایا گیا کہ یہ سلطان المشائخ کی خانقاہ ہے۔ جب اس نے یہ بات سنی تو حسد (کی آگ) سے جل اٹھا اور کہنے لگا کہ ان سے کہو کہ میرے شہر سے نکل جائیں یا کوئی کرامت دکھائیں۔ یہ کہنا تھا کہ بادشاہ کے پیٹ میں شدید درد ہونے لگا۔ جلدی سے اپنے محل میں آیا اور طبیبوں کو طلب کیا۔ سارے طبیب علاج میں مصروف ہو گئے لیکن کوئی تدبیر اور دوا کارگر نہ ہوئی تب اس نے جانا کہ یہ میری گستاخی کی سزا ہے۔ اسی وقت ایک شخص کو سلطان المشائخ کی خدمت میں بھیجا، اس نے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا، بندے نظام کا حق تعالیٰ کے کاروبار میں کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ شخص واپس آ

گیا اور جو کچھ آپ نے فرمایا تھا بادشاہ سے کہہ سنایا۔ سلطان کی والدہ بے تاب ہو گئی اور خود سلطان المشایخ کی آستانے پر حاضر ہوئی اور دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا، اگر بادشاہ ایک کاغذ پر اپنی مہر خاص کے ساتھ دہلی کی حکومت اس درویش کے نام تحریر کر دیں اور ساتھ ہی اپنا قارورہ بھجوائیں تو شاید شفایاب ہو جائیں۔ سلطان کی والدہ مطلوبہ کاغذ اور قارورے کی شیشی (شاہی محل میں) لے گئی اور (دوبارہ) حاضر خدمت ہوئی۔ سلطان المشایخ نے وہ کاغذ مروڑ کر قارورے (پیشاب کی شیشی) میں ڈال دیا اور فرمایا کہ درویشوں کے نزدیک دہلی کی حکومت پیشاب کی بیماری کے برابر ہے اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی حتٰی کہ بادشاہ کو شفا حاصل ہو گئی[۶]

خیر المجالس سے منقول ہے کہ (بعض بدخواہوں نے) سلطان قطب الدین کو سلطان المشایخ سے منحرف کر دیا اس کا قصہ یہ ہے کہ (ان لوگوں نے) سلطان قطب الدین کی خدمت میں [۷۵] عرض کیا کہ سلطان المشایخ کا یہ رویّہ مناسب نہیں ہے کہ وہ بادشاہ کی بھیجی ہوئی چیز کو رد کر دیں اور اس کے امیروں کے نذرانے قبول کریں۔ آخر یہ بادشاہ ہی کے امیر ہیں اور وہاں جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ بادشاہ کے عطا کردہ مال ہی میں سے پیش کرتے ہیں۔ اس بات سے بادشاہ کا غرور حکومت عروج پر پہنچ گیا اور اس نے حکم دیا کہ آئندہ میرے لشکر کا کوئی شخص سلطان المشایخ کے ہاں نہ جائے اور کوئی چیز نذر نہ کرے۔ دیکھتا ہوں کہ وہ کندوری کا کھانا کس طرح تیار کرتے ہیں۔ سلطان المشایخ نے بادشاہ کے حکم کے بارے میں سنا تو کندوری کے کھانے میں چند کھانوں کا اضافہ کرا دیا۔ بادشاہ نے جب یہ خبر سنی تو سخت حیران ہوا۔

چشتیہ بہشتیہ کے مصنّف بیان کرتے ہیں کہ کندوری کے کھانے میں اضافے کی خبر سن کر بادشاہ کو بے حد غصّہ آیا اور اس نے شہر میں منادی کرا دی کہ کوئی دکاندار بلکہ ساگ ترکاری بیچنے والا بھی شیخ کے خادموں کے ہاتھ لین دین نہ کرے اور نہ کوئی چیز فروخت کرے۔ سلطان المشایخ نے یہ منادی سن کر فرمایا کہ لنگر خانے میں جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ شہر نظام آباد سے لائی جائیں۔ خدّام نے عرض کیا کہ ہم نے کوئی شہر یا گاؤں اس نام کا نہیں سنا آپ نے فرمایا کہ دریائے جمنا میں کچھ دور تک جائیں پھر اس کے مقابل تھوڑا سا فاصلہ طے کریں تو نظام آباد پہنچ جائیں گے۔ خدّام نے اس حکم کی تعمیل کی۔ دیکھا کہ ایک شہر ہے جس میں کثرت سے لوگ آباد ہیں اور وہاں بہت سی نادر چیزیں اور مختلف

اقسام کا غلّہ اور گھی شکر وغیرہ دستیاب ہے۔ چنانچہ خدّام نے ضرورت کا سب سامان خریدا اور جب قیمت چکانے لگے تو بازار کے دکاندار حاضر ہوئے اور قیمت لینے سے معذرت کی اور کہا کہ حق تعالیٰ نے اس شہر کو سلطان المشایخ شیخ نظام الدّین اولیا کے نام سے آباد کیا ہے اس لیے اس شہر کی ہر چیز حضرت ہی کی ملکیت ہے۔ چنانچہ ان کی سرکار میں جس چیز کی ضرورت ہے بے قیمت یہاں سے لے جائیں اور کام میں لائیں۔ مدّتوں تک حضرت کے خدّام اس آسودہ شہر سے سامان لاتے رہے اور لنگر خانہ جاری رہا۔ جب بادشاہ اس عجیب واقعے سے آگاہ ہوا تو اپنے کیے پر پشیمان ہوا۔ [۷۶]

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت غیاث پور کے قریب کنویں سے پانی بھر رہی تھی۔ سلطان المشایخ نے اسے دیکھا تو دریافت فرمایا، اے ماما تم دریا کے کنارے کنویں سے پانی کیوں کھینچ رہی ہو اس نے کہا کہ میرا شوہر بہت مفلس ہے۔ ہمارے گھر میں کچھ نہیں ہے۔ دریائے جمنا کا پانی بھوک بڑھاتا ہے اس لیے ہم کنویں کا پانی پی کر گزارہ کرتے ہیں۔ سلطان المشایخ نے جب یہ بات سنی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے پھر آپ نے خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ آئندہ سے ہر روز اس عورت کے گھر جن چیزوں کی ضرورت ہو پہنچا دیا کرو تاکہ یہ کنویں کا پانی نہ پیے۔ خواجہ اقبال نے اس دن سے اس عورت کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں غیاث پور میں آگ لگ گئی، بہت سے گھر جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئے۔ سلطان المشایخ آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے یہ منظر دیکھتے رہے۔ جب آگ بجھ گئی تو آپ نے خواجہ اقبال کو بلایا اور فرمایا کہ جتنے گھر جل گئے ہیں انھیں گن کر ہر گھر میں دو خوان کھانا، دو مٹکے پانی اور دو تنکے چاندی کے پہنچاؤ اور سب کی دلجوئی کرو۔ خواجہ اقبال نے اسی وقت حکم کی تعمیل کی اور (جن جن کے گھر جلے تھے) تسلی دی۔ اس زمانے میں چاندی کے دو تنکے ایک بڑا چھپر ڈالنے کے لیے کافی ہوتے تھے بلکہ (اتنی رقم بچ جاتی تھی کہ اس سے) دو خوان کھانا اور پانی کے دو مٹکے بھی خریدے جا سکتے تھے۔

جوامع الکلم میں ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشایخ نے دستک دے کر خواجہ اقبال کو بلایا، وہ حاضر نہ ہوئے ایک لڑکا جس کا نام خواجہ عزیز تھا دستک کی آواز سن کر حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ خواجہ اقبال کہاں ہیں۔ اس نے عرض کی کہ وہ بزازوں

کو سامان دے رہے ہیں۔ آپ فوراً اٹھ کر خواجہ اقبال کے پاس آئے اور فرمایا کہ اقبال تم نے خوب دکان لگائی ہے۔ خواجہ اقبال بہت نادم و شرمسار ہوئے۔ سلطان المشایخ نے ایک ایک حصّہ ہر بزاز کو دے کر رخصت کیا اور خانقاہ میں جو کچھ تھا اسی وقت فقرا میں تقسیم کر دیا۔ [۷۷]

خیر المجالس سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے سونے کے سو تنکے سلطان المشایخ کی خدمت میں نذر کیے آپ نے صرف ایک تنکہ قبول فرمایا باقی تنکے اس کو لوٹا دیے۔ وہ شخص واپس کردہ تنکوں کو ہاتھ میں لیے ہوئے رنجیدہ اور افسردہ بیٹھا تھا۔ سلطان المشایخ نے نور باطن سے اس شخص کی قلبی کیفیت معلوم کر لی اور فرمایا اے عزیز بہر صورت یہ مال ہے اور کسی وقت تمھارے کام آ سکتا ہے۔ جب کہ اس وقت مجھے اس کی ضرورت نہیں اس شخص کو سلطان المشایخ کی یہ بات زیادہ بُری لگی۔ سلطان المشایخ نے اس سے کہا کہ ذرا دریائے جمنا کی جانب نگاہ کریں۔ اس شخص نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو مشاہدہ کیا کہ دریائے جمنا کناروں تک سونے چاندی کے تنکوں سے بھری ہوئی بہہ رہی ہے۔ اس نے اپنا سرِ نیاز زمین پر رکھا اور آپ کے پیروں میں گر پڑا اور عرض کیا بے شک آپ کو ان تنکوں کی ضرورت نہیں ہے۔ جب اس شخص نے واپسی کی اجازت طلب کی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرنا، لیکن جب وہ جماعت خانے سے باہر آیا تو (بے اختیار) آپ کی کرامت سب پر ظاہر کر دی۔

نفحات الانس میں بیان کیا گیا ہے کہ ملتان کے ایک تاجر کو ڈاکوؤں نے دوران سفر لوٹ لیا اور اس کا تمام مال و اسباب لے کر رفوچکر ہو گئے۔ تاجر شیخ بہاء الدّین زکریا کے فرزند اور جانشین شیخ صدرالدّین کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں دہلی جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، آپ سلطان المشایخ کو ایک سفارشی خط لکھ دیں تاکہ وہ مجھ پر زیادہ التفات فرمائیں اور میرا لوٹا ہوا مال واپس مل جائے۔ شیخ صدرالدّین نے تاجر کی گزارش قبول کرتے ہوئے سلطان المشایخ کے نام رقعہ تحریر کر دیا۔ جب وہ تاجر دہلی پہنچا تو وہ رقعہ سلطان المشایخ کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان المشایخ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ کل اول صبح سے چاشت تک جس قدر فتوح آئیں سب ان کے سپرد کر دیں۔ چنانچہ خادم نے دوسرے دن صبح تاجر کو ایک جگہ بٹھا دیا اور جس قدر فتوح چاشت تک آئیں سب اس کے حوالے کر دیں۔ جب تاجر نے انھیں شمار کیا تو بارہ ہزار تنکے تھے۔ وہ لے کر چلا گیا۔ [۷۸]

نفحات الانس میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان علاء الدّین خلجی نے زر و جواہر سے بھری ہوئی ایک چادر سلطان المشایخ کی خدمت میں نذر کے طور پر بھیجی، اس وقت آپ کے پاس ایک قلندر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ الھدایا مشترک (ہدیے میں سب شریک ہوتے ہیں) شیخ نے فرمایا بلکہ تنہا خوشترک (یعنی ایک ہی کا لینا زیادہ اچھا ہے) قلندر آپ کے جملے سے مایوس ہو گیا، سلطان المشایخ نے فرمایا میں نے لفظ "تنہا" تمھارے لیے کہا تھا۔ اسے اٹھاؤ اور لے جاؤ۔ قلندر نے گٹھڑی اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس سے اٹھ نہ سکی۔ بالآخر شیخ کے خادم کی مدد سے اٹھا سکا۔

تذکرۃ الاتقیا[۸] میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز شیخ فرید الدّین گنج شکر کے گھر میں فاقہ تھا۔ انھوں نے سلطان المشایخ سے کہا کہ بابا نظام کہیں سے کھانا لے کر آؤ تاکہ کچھ کھاؤں۔ آپ اسی وقت بازار کی طرف روانہ ہوئے اپنی پگڑی ایک دکاندار کے ہاں رہن رکھی، تھوڑا سا لوبیا خریدا اور اسے ابال کر شیخ کی خدمت میں لے گئے دستر خوان بچھایا گیا، جماعت خانے کے لوگ جمع ہوئے سب نے ابلا ہوا لوبیا تناول کیا۔ جب دستر خوان بڑھایا گیا تو شیخ فرید الدّین گنج شکر نے فرمایا تم نے لوبیا بہت اچھا پکایا اور نمک بھی مناسب تھا۔ ان شاء اللہ حق تعالیٰ تمھیں اتنی کشادگی عطا فرمائیں گے کہ تمھارے مطبخ میں بہ یک وقت ستر من نمک صرف ہو گا۔ حق تعالیٰ نے شیخ کی دعا کو جو اس کی درگاہ میں مقبول تھے، قبول فرمائی۔ سلطان المشایخ پر چاروں جانب سے مال و دولت کے دروازے کھل گئے اور آپ کے لنگر خانے میں اتنی وسعت پیدا ہوئی کہ ہر روز ستر من نمک کھانوں میں صرف ہونے لگا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے لنگر خانے میں چند اونٹ نہیں بلکہ اونٹوں کی ایک قطار پیاز وغیرہ لے کر آتی تھی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو اس قدر عطا فرمایا کہ مشایخ کے گروہ میں کسی شیخ کو اس قدر نعمت و برکت حاصل نہیں ہوئی۔

تذکرۃ الاتقیا میں ہے کہ بادشاہِ وقت نے سلطان المشایخ کے دستر خوان کی وسعت پر حسد کرتے ہوئے منادی کرا دی اور کہا کہ حضرت گنج شکر کے عرس کے روز جس کی آمد قریب ہے، شہر کا کوئی دکاندار [۷۹] سلطان المشایخ کے خادموں سے لین دین نہ کرے اور نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرے۔ دیکھتا ہوں کہ عرس کے روز سلطان المشایخ کہاں سے کھانا فراہم کریں گے۔ جب عرس کا دن آیا تو سلطان المشایخ نے دوستوں کو کھانے کی دعوت دی اور مجلس سماع منعقد کرنے کا حکم دیا۔ ایک دنیا اس صورت حال سے حیران تھی

کہ مجلس میں شریک ہونے والوں کو کھانا کس طرح مہیا کیا جائے گا جب مجلس سماع اختتام کو پہنچی تو چند کشتیاں جو شیشے کی طشتریوں میں انواع واقسام کے کھانوں سے بھری ہوئی تھیں، خانقاہ کے نیچے دریائے جمنا میں خود بخود آکر رکیں۔ شیخ نے خواجہ اقبال کو حکم دیا، لالہ یہ کھانا تقسیم کرو خواجہ اقبال نے وہ کھانا اہل مجلس میں تقسیم کیا اور کچھ طشتریاں جن میں مختلف قسم کے کھانے تھے بادشاہ کو بھی بھجوائیں تاکہ وہ سلطان المشایخ کی عظمت و کرامت کو جان لے۔ بادشاہ بلوریں طشتریوں میں مختلف اقسام کے گرما گرم کھانے دیکھ کر جو اس نے تمام عمر نہ دیکھے تھے نہ چکھے تھے سخت حیران اور اپنے کیے پر پشیمان ہوا۔[۹]

اب ان سات بادشاہوں کے اجمالی حالات بیان کیے جاتے ہیں جو سلطان المشایخ کے عہد مبارکہ میں برسرِ اقتدار آئے اور جن میں سے بعض آپ کے مخلص اور بعض مخالف تھے۔

پختہ اعتقاد رکھنے والے طالبین پر واضح ہو کہ سلطان المشایخ، شیخ فرید الدّین گنج شکر سے نعمت خلافت حاصل کر کے سلطان غیاث الدّین بلبن کے عہد میں[۱۰] رونق افروز دہلی ہوئے۔ چند سال مجاہدات میں بسر کیے اور مشہور ہو گئے چونکہ سلطان غیاث الدّین بلبن کے دل میں پہلے ہی سے شیخ فرید الدّین گنج شکر کے لیے عقیدت واخلاص تھا، اسے آپ سے بھی عقیدت ہو گئی۔ بلبن نے اکیس سال تک تخت دہلی پر حکومت کی اس کا انتقال ۶۸۶ھ میں ہوا۔

اس کے انتقال کے وقت ناصر الدّین محمود لکھنوتی میں تھا، چنانچہ ارکان دولت کے صلاح و مشورے سے معز الدّین [۸۰] کیقباد بن ناصر الدّین کو جس کی عمر سترہ سال تھی دادا کے تخت پر بٹھایا گیا۔ معز الدّین کیقباد بھی سلطان المشایخ سے اخلاص رکھتا تھا۔ اس کے عہد سے تمام مخلوق سلطان المشایخ کے غلاموں کی غلامی کو سعادتِ ابدی خیال کرتی تھی۔ سلطان معز الدّین نیک صورت اور نیک سیرت نوجوان تھا۔ امیر خسرو نے قران السعدین اس کے نام سے تصنیف کی۔ (بعد میں) وہ شراب اور دائمی عیش و عشرت کا دل دادہ ہو گیا، اسی باعث اس کی سلطنت میں انتشار اور خلل واقع ہوا۔ اس نے تین سال تک حکومت کی اور ۶۸۹ھ میں جلال الدّین خلجی کی تدبیر سے اس کے ایک امیر کے ہاتھوں قتل ہوا۔

سلطان جلال الدّین کیلوکھری کے محلات میں اس کی جگہ تخت نشین ہوا، وہ عبادت گزار، فیاض اور شعر و سماع کا ذوق رکھنے والا بادشاہ تھا۔ وہ سلطان المشایخ سے کامل عقیدت رکھتا تھا اور ہمیشہ آپ کی خدمت میں کثیر مقدار میں فتوح بھجواتا رہتا تھا۔ اس نے چھ

سال تک اور ایک قول کے مطابق سات سال تک حکومت کی وہ اپنے بھتیجے اور داماد علاء الدّین کے ہاتھوں رمضان ۶۹۵ھ میں بمقام کڑہ مانک پور شہید ہوا۔

سلطان علاء الدّین اس کی جگہ بادشاہ دہلی ہوا۔ اگرچہ وہ ایک جاہل اور عامی شخص تھا لیکن اس نے اپنی عقل مندی سے سارے ہندوستان پر قبضہ کر لیا، چنانچہ ضیاء الدّین برنی نے تاریخ فیروزشاہی میں اس کے وضع کردہ قوانین تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اس کی تخت نشینی کے ابتدائی زمانے میں بعض حاسدوں نے اس کے کان بھرے کہ سلطنت کے تمام ملوک اور امرا سلطان المشایخ کے معتقد ہیں۔ [۸۱] اور بادشاہ ان کے انعامات اور دستر خوان کی وسعت سے واقف ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے دل میں سلطنت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ چونکہ علاء الدّین بہت ہی صاحبِ عقل بادشاہ تھا اس نے (کسی امیر پر اپنا ردِّ عمل) ظاہر نہ کیا البتہ خفیہ طور پر تجسس میں لگا رہا۔ بالآخر اسے یقین ہو گیا کہ نہ صرف سلطان المشایخ قطعی طور پر اس قسم کا میلان نہیں رکھتے بلکہ آپ کے غلام تک (کاروبار سلطنت سے) متنفر ہیں، تو وہ آپ کا مخلص و معتقد ہو گیا اور اپنے بیٹوں خضر خاں اور شادی خاں کے ذریعے جو سلطان المشایخ کے مرید تھے؛ دو لاکھ سونے کے تنکے بطور نذر بھجوائے نیز جس جس شعر سے سلطان المشایخ کو ذوق و شوق پیدا ہوا تھا اور آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی تھی انھیں لکھوا کر منگوایا اور آپ کی پیروی میں انھیں سنا اور راحت حاصل کی۔ علاء الدّین خلجی نے بیس سال حکومت کی اور ششم شوال ۷۱۵ھ میں وفات پائی۔

اس کے بعد اس کا بیٹا قطب الدّین تخت پر بیٹھا اور خضر خاں، شادی خاں اور شہاب کو جو اس کے بھائی تھے قتل کرا دیا۔ چونکہ خضر خاں اور شادی خاں سلطان المشایخ کے مرید تھے اس لیے قطب الدّین، ضیا الدّین رومی کا مرید ہو گیا اور سلطان المشایخ سے عناد رکھنے لگا۔ خود پر دشمنی کا دروازہ کھول دیا اور بازارِ دشمنی میں اپنے بے ثبات قدم رکھ دیے۔ پہلے چند تدبیریں جن کے بیان کرنے کی اس مختصر رسالے میں گنجائش نہیں ہے، ذہن میں سوچ لیں تاکہ سلطان المشایخ پر الزام رکھا جا سکے لیکن ان میں سے کوئی حیلہ کارگر نہ ہوا۔ اس کے بعد شہر کے علما اور اکابر کو جمع کیا اور کہا کہ آپ سب حضرات ہر نئے مہینے کی رات کو مجھے مبارکباد دینے کے لیے آئیں اور سلطان المشایخ کو بھی آگاہ کر دیں کہ وہ بھی آپ کا ساتھ دیں۔ اگر خوشی سے آ جائیں تو بہتر ہے ورنہ میں زبردستی بلواؤں گا بلکہ اس موقعے پر نامناسب باتیں زبان پر لایا، چنانچہ اس واقعے کا مفصل حال سلطان المشایخ کی ولیۂ عصر والدہ بی بی زلیخا [۸۲] کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے تاہم یہاں مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

جب ماہ شوال کی ستائیس تاریخ ہوئی تو بادشاہ نے ارادہ کر لیا کہ سلطان المشائخ کو بزور طلب کرے گا اور سختی کے ساتھ پیش آئے گا۔ (اس اثناء میں) سید قطب الدین غزنوی، شیخ عماد الدین طوسی اور مولانا برہان الدین یزدی اور دوسرے علماء سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام صورتحال سے آپ کو آگاہ کیا، نیز درخواست کی کہ بادشاہ ناعاقبت اندیش جوان ہے اور حضرت اپنے موقف پر قایم ہیں۔ ہماری عرض قبول فرمائیں اور نئے مہینے کی رات کو بادشاہ کی مجلس میں تشریف لے آئیں کیوں کہ اس معاملے میں کسی قسم کا قصور لازم نہیں آتا۔ سلطان المشائخ نے تھوڑا سا تامل کیا اور فرمایا کہ حق تعالیٰ جو چاہیں دیکھتے ہیں کہ (غیب سے) کیا ظہور میں آتا ہے۔ یہ حضرات بادشاہ کے پاس گئے اور ظاہر کیا کہ ہم نے شیخ کو راضی کر لیا ہے کہ وہ نئے مہینے کی رات کو آئیں گے۔ جب چاند کی انتیس تاریخ ہوئی تو امیر خسروؒ کے بڑے بھائی اعز الدین شاہ اور سلطان المشائخ کے مریدوں اور مخلصوں میں سے ایک صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ کل پہلی تاریخ ہے کیا آپ بادشاہ کی مجلس میں تشریف لے جائیں گے۔ فرمایا میں ہرگز نہیں جاؤں گا یہ بات سن کر دونوں افسردہ اور نڈھال ہو گئے کہ بادشاہ ظالم ہے معلوم نہیں (کل) کیا پیش آتا ہے۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ تم خاطر جمع رکھو۔ مجھے رات خواب میں دکھایا گیا ہے کہ ایک سینگوں والا بیل مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے میں نے اس کے دونوں سینگ پکڑ کر زمین پر دے مارا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بادشاہ مجھ پر حاوی نہیں ہوگا۔

انتیس تاریخ کی رات کو سلطان قطب الدین قصر ہزار ستون کے بالائی حصے میں محو خواب تھا۔ آدھی رات گزری تھی کہ خسرو خاں جو اس کا غلام تھا اور جسے اس نے رتبہ عالی پر فائز کیا تھا [۸۳] آ پہنچا اور اس کے سر کو جسم سے جدا کر دیا اور جسم کو محل سے نیچے پھینک دیا۔ ٹھیک اسی وقت سلطان المشائخ خانقاہ کے بالاخانے پر ٹہل رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔[۱۱]

اے روبہک چرا نہ نشستی بجائے خویش
با شیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خوایش

(ترجمہ) اے لومڑی بچے تو اپنی جگہ کیوں نہ بیٹھا رہا، تو نے شیر سے پنجہ آزمائی کی اور اپنی سزا دیکھ لی۔

قطب الدین مبارک خلجی کی حکومت کی مدت چار سال چار مہینے ہے ۷۲۰ھ[۱۲]

میں خسرو خاں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔
خسرو خاں نے بادشاہ کی بیوی سے نکاح کیا اور دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے خزانوں کے دروازے کھول دیے اور ان میں جو کچھ تھا درویشوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ نقد رقم بھی بھیجی۔ پانچ لاکھ تنکے[13] سلطان المشائخ کی خدمت میں ارسال کیے۔ تمام درویشوں نے نقد رقم کو اپنے پاس حفاظت سے رکھا لیکن سلطان المشائخ نے اسی وقت حاجت مندوں میں ساری رقم تقسیم کر دی۔
مذکورہ سال (یعنی ۷۲۰ھ) کے چار ماہ گزرنے کے بعد غیاث الدین تغلق نے جسے سلطان قطب الدین نے حاکم ملتان مقرر کیا تھا، خسرو خاں کافر نعمت کے خلاف فوج کشی کی اور اسے بری حالت میں قتل کر دیا۔ چونکہ خلجی خاندان میں کوئی فرد باقی نہ رہا تھا اس لیے ارکانِ حکومت کے صلاح و مشورے کے بعد وہ ۷۲۰ھ میں تختِ دہلی پر بیٹھا۔ اپنی تخت نشینی کے دوسرے روز خزانوں کو ملاحظہ کیا[14] اور خسرو خاں نے جن لوگوں کو نقد رقم دی تھی ان سے واپسی کا مطالبہ کیا۔ اسی طرح مشائخ سے رقم واپس کرنے کی درخواست کی۔ تمام درویشوں نے رقم لوٹا دی جب سلطان المشائخ سے رقم طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ رقم بیت المال کی تھی، حاجت مندوں میں تقسیم کر دی گئی۔ اس جواب نے بادشاہ کو آزردہ کر دیا اور اس نے چاہا کہ کسی حیلے سے سلطان المشائخ کو آزار پہنچائے چنانچہ شہر کے بعض علما جو سلطان المشائخ کے مخالف تھے [۸۴] انھوں نے عرض کیا کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب (فقہ) میں سماع حرام ہے اور سلطان المشائخ کو سوائے اس کے دوسرا کام نہیں ہے۔ (چنانچہ) اس مسئلے میں ایک محضر ترتیب دیا گیا اور سلطان المشائخ کو عدالت میں بلوایا[15] تمام علما موجود تھے۔ سماع کے مسئلے پر بحث ہوئی۔ سلطان المشائخ نے حدیث نبوی سے استناد کیا۔ اس پر علما نے کہا کہ آپ مجتہد نہیں ہیں جو حدیث سے استناد کر رہے ہیں آپ ابوحنیفہ کا قول بیان کریں۔ سلطان المشائخ کو (علماء کے اس رویے پر) غیرت آئی آپ کی اذن کی ہوئی (حق گو) زبان نے ایسا فیصلہ سنایا (فرمایا) سبحان اللہ میں حدیث نبوی بیان کر رہا ہوں اور آپ حنفی قول پر اصرار کر رہے ہیں۔ کس قدر تعجب کی بات ہے (یہ نہیں سوچتے کہ حدیث کے مقابلے میں) حنفی قول کی کیا حیثیت ہے اس طرح کے قاضی منصب قضا پر قائم نہیں رہیں گے۔ اس شہر پر بلا نازل ہو کر رہے گی۔ قحط پڑے گا اور شہر

اینٹوں کا کھنڈر بن جائے گا،[۱۶] چنانچہ جو کچھ آپ کی زبان مبارک پر آیا وہی ہو کر رہا۔ بہرحال سلطان المشایخ نے اپنے علمی دلائل سے بادشاہ اور علماء کو خاموش کر دیا۔ اس مسئلے پر دربار میں اچھی خاصی بحث ہوئی جس کی تفصیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ ان دنوں شیخ علم الدّین علامہ جو شیخ بہاء الدّین زکریا کے نواسے تھے ملتان سے دہلی آئے سلطان ان کے استقبال کو گیا۔ جب ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ اب آپ رخصت ہوں میں سب سے پہلے سلطان المشایخ سے ملنا چاہتا ہوں اس کے بعد شہر آؤں گا۔ بادشاہ نے کہا وہ (سلطان المشایخ) سماع سننے کے سبب عدالت میں بلائے گئے ہیں۔ شیخ علم الدّین نے کہا کہ سلطان المشایخ اس کام کے اہل ہیں۔ ان کے حضور میں اس قسم کی گستاخی مناسب نہیں سلطان شرمندہ ہو کر شہر میں آ گیا۔[۱۷] انھیں (شیخ علم الدّین کو) اعزاز کے ساتھ رخصت کیا لیکن بادشاہ کے دل میں سلطان المشایخ کے خلاف عناد باقی رہا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں لکھنوتی میں بغاوت ہو گئی اور بادشاہ کو بغاوت ختم کرنے کے لیے اُدھر متوجہ ہونا پڑا۔ [۸۵]

تاریخ نظامی[۱۸] کے مصنف کا بیان ہے کہ سلطان غیاث الدّین تغلق نے لکھنوتی سے واپس ہوتے وقت کہا تھا کہ جب میں دہلی پہنچوں گا تو سب سے پہلے سلطان المشایخ کو شہر بدر کروں گا۔ جب بادشاہ کی یہ بات سلطان المشایخ سے کہی گئی تو آپ نے فرمایا "ہنوز دہلی دور است" یعنی ابھی دہلی دور ہے۔ الغرض بادشاہ نے تغلق آباد کی اس عمارت میں جسے اس نے تعمیر کرایا تھا، قیام کیا۔ بادشاہ نے نیت کی کہ کل جب شہر جاؤں گا تو شیخ کو شہر بدر کروں گا۔ اسی ساعت آسمان سے بجلی گری اور بادشاہ ۷۲۵ھ میں مذکورہ عمارت کے نیچے اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ دب کر ہلاک ہو گیا۔ غیاث الدّین تغلق کی حکومت کا عرصہ چار سال اور چند ماہ رہا۔ امیر خسرو نے مثنوی نہ سپہر اس کے نام تحریر کی۔

اس کے بعد سلطان محمد غیاث الدّین بن تغلق[۱۹] اپنے باپ کی جگہ تخت دہلی پر بیٹھا۔ وہ سلطان المشایخ سے مخلص اور آپ کا معتقد تھا۔ اس کی تخت نشینی کی ابتدا میں اُسی سال سلطان المشایخ نے اس عالم سے انتقال فرمایا۔ بادشاہ نے آپ کی قبر مبارک پر بڑا روضہ اور بلند گنبد تعمیر کرایا، رحمتہ اللہ علیہ۔ سلطان محمد تغلق نے ستائیس سال حکومت کی اس کی وفات یکم محرم ۷۵۲ھ کو ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حواشی مطلب نہم

۱۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی، چرنجی لال ایڈیشن میں

بغایت خوش گشت و گفت، اے نظام ترا دنیا دادم (بہت خوش ہوئے اور فرمایا اے نظام میں نے تمھیں دنیا عنایت کی)

درج نہیں ہے بلکہ مندرجہ ذیل عبارت نقل کی گئی ہے۔

بغایت خوش شد و دعاہائے خیر ارزانی داشت بعدہ شیخ الشیوخ العالم فرمود کہ من برائے تو قدرے دنیا از خدا خواستہ ام (صص ۱۴۱۔ ۱۴۲)

(بابا فرید) بے حد خوش ہوئے اور میرے حق میں خیر کی دعائیں کیں۔ بعد ازاں شیخ الشیوخ العالم نے فرمایا، میں نے تمھارے لیے حق تعالیٰ سے تھوڑی سی دنیا کی درخواست کی ہے۔

اس بے جواز تحریف نے اصل واقعہ اور اس کی حقیقت کو عبدیت اور فنائیت کے ذوق سے عاری کر دیا ہے۔

۲۔ سیر الاولیا میں یہ واقعہ کسی دوسری رات کا بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۱۴۲

۳۔ سیر الاولیا کی روایت کے مطابق وہ عورت (یعنی دنیا) دوبارہ جماعت خانے میں داخل نہیں ہوئی بلکہ جب سلطان المشایخ قدس سرہ، اس کی گردن پکڑ کر دروازے سے باہر گلی میں چھوڑنے جا رہے تھے تو دنیا آپ کو بار بار اپنا چہرہ دکھاتی رہی۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۱۴۲

۴۔ جوامع الکلم میں سلطان قطب الدین خلجی کے بجائے سلطان تغلق سے خسرو خاں کے تعلق کو بیان کیا گیا ہے (ملاحظہ فرمائیں جوامع الکلم اردو ترجمہ ص ۲۲۴) علاوہ ازیں جوامع الکلم میں خسرو خاں کے نذرانے کی جو فہرست دی گئی ہے وہ مطلوب الطالبین کی فہرست سے مختلف بھی ہے اور مختصر بھی۔ تفصیل یہ ہے (ص ۲۲۴)

(۱) حضرت سلطان المشایخ	ایک لاکھ تنکے	(یہاں سونے یا چاندی کے تنکوں کی صراحت نہیں ہے
(۲) سید حسین	پچاس ہزار تنکے	(ایضاً)
(۳) دوسرے خدام	تیس ہزار تنکے	(ایضاً)
(۴) شیخ زادہ کے ملازمین	بیس ہزار تنکے	(ایضاً)

اس تفصیل میں خواجہ اقبال، ایک خادم، دوسرے خادم اور خواجہ کے غلاموں میں سے کم ترین غلام کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ڈاکٹر خلیق احمد نظامی نے تحریر کیا ہے کہ جب خسرو خاں، سلطان قطب الدین خلجی کو قتل کرنے کے بعد تخت نشین ہوا تو اس نے مشایخ اور علما میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے داد دہش کا طریقہ اختیار کیا۔ اسی ضمن میں خسرو خاں نے پچاس ہزار تنکے (سونے یا چاندی کی صراحت نہیں کی گئی) سلطان المشایخ کی خدمت میں ارسال کیے۔ آپ نے انھیں قبول فرما کر فقرا اور مساکین میں

تقسیم کر دیے۔ The life and times of Shaikh Nizamuddin Auliya ص ۱۱۹

۵۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں سہو کتابت کے باعث "پیش کار" نقل ہوا ہے۔ یہاں "رشتے دار" ہونا چاہیے۔

۶۔ یہ واقعہ فواید الفواد، خیر المجالس اور سیر الاولیا میں منقول نہیں ہے غیر مستند روایات سے ماخوذ ہے۔

۷۔ یہ واقعہ بھی ابتدائی ماخذ میں درج نہیں ہے

۸۔ تذکرۃ الاتقیا کے مصنف ملا طغری مشہدی ہیں (فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ گنج بخش جلد سوم ص ۱۲۵۹ مرتبہ احمد منزوی)

۹۔ جن ارادت مندوں اور عقیدت مندوں کے درمیان حضرت سلطان المشایخ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہ نے اپنی حیات مبارکہ گزاری ان میں سے بعض نے آپ کے سوانح اور ملفوظات بیان کیے یا مرتب کیے ہیں وہ حضرات یہ ہیں۔

(۱) حسن علا سجزی	ملفوظات محبوب الٰہی قدس سرہ	(فواید الفواد)
(۲) حمید قلندر شاعر	ملفوظات حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہ	(خیر المجالس)
(۳) خواجہ حماد کاشانی	ملفوظات حضرت برہان الدین غریب قدس سرہ	(احسن الاقوال)
(۴) امیر خورد کرمانی	تذکرہ بزرگان چشت	(سیر الاولیا) یہ تصنیف حضرت سلطان المشایخ کے سوانحی حالات کا جامع اور مستند مرقع ہے۔
(۵) مولانا علی بن محمود جاندار	ملفوظات حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ	(درر نظامی)

معلوم نہیں کہ مطلوب الطالبین کے مصنف نے مستند روایات نقل کرنے کا اصول کس لیے پیش نظر نہیں رکھا بلکہ ان کی بے احتیاطی یا خوش اعتقادی کا یہ عالم ہے کہ ایک ہی نوعیت کے واقعے کی دو متضاد روایتوں کی نہ تطبیق کر سکے اور نہ تجزیہ کر سکے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں چشتیہ بہشتیہ اور تذکرۃ الاتقیا کی روایتیں (مطلوب الطالبین صص ۷۶، ۷۹ اور ۸۰)

اوپر جن تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے ان میں حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ اپنے تمام اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کے ساتھ ہمارے درمیان ایک زندہ روحانی پیکر کے مانند چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، دل نوازی اور دل جوئی کرتے سراپا قلب بنے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن یہاں ثانوی درجے کی غیر مستند تصانیف کے بیانات نقل کر کے حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ کی پر کشش ہستی کے پہلوؤں کو خرق عادت واقعات کے پردے میں چھپا دیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اولیائے الٰہی سے کرامت کا ظہور

ناگزیر ہے لیکن بارگاہِ الٰہی سے انھیں یہ مراتب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع کی بدولت ودیعت ہوتے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اولیائے الٰہی کے اعمال صالحہ جوان کی مقبولیت کا باعث ہیں ان ہی کو اجاگر کیا جائے۔ ان کے تذکروں کو مجموعہ کرامات بنانے سے وہ فواید حاصل نہیں ہو سکتے جس قدر ان کے اعمال صالحہ کے ابلاغ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

۱۰۔ غیاث الدّین بلبن ۶۶۴ھ میں تخت نشین ہوا اور ۶۸۶ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں سیر العارفین (اردو ترجمہ) ص ۲۷۳

۱۱۔ ملاحظہ فرمائیں مطلب اوّل کا حاشیہ ۱۵

۱۲۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں عربی میں سالِ وفات "سنہ عشرین سبعمانہ" صحیح نقل ہوا ہے لیکن فارسی میں "در سال ہفت صد وہشت" سہو کتابت کے باعث غلط تحریر ہوا ہے (ص ۸۴)

۱۳۔ خسرو خاں نے اپنی تخت نشینی کے بعد رقم سلطان المشایخ قدس سرہ کی خدمت میں ارسال کی اس کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ڈاکٹر خلیق احمد نظامی نے ۵۰۰۰۰ تنکے (ہندسوں میں) تحریر کیے ہیں ملاحظہ فرمائیں The life and times of Shaikh Nizam uddin Auliya ص ۱۱۹ پروفیسر محمد حبیب مرحوم نے پانچ لاکھ تنکے (لفظوں میں) تحریر کیے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں حضرت نظام الدّین اولیا حیات اور تعلیمات، دہلی ۱۹۷۲ء اشاعتِ اوّل ص ۱۲۸ ڈاکٹر خلیق احمد نظامی اور پروفیسر محمد حبیب مرحوم نے اپنے ماخذ کی نشاندہی نہیں کی ہے۔

۱۴۔ یہاں خطی نسخے کی عبارت میں ابہام ہے۔ شاید مطلب یہی ہو جو احقر مترجم نے بطور قیاس اخذ کیا ہے۔ واللہ اعلم

۱۵۔ امیر خورد کرمانی نے سیر الاولیا میں محضر سماع کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فارسی متن از صفحہ ۵۳۵ تا صفحہ ۵۴۲ نیز اردو ترجمہ (قدوسی) از صفحہ ۸۰۰ تا ۸۰۵ دور حاضر کے مصنفین و محققین نے امیر خورد کرمانی کی روایت ہی کو اپنی تحقیقات کا ماخذ بنایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، حضرت نظام الدّین اولیاؒ مصنفہ پروفیسر محمد حبیب مرحوم صص ۱۲۹ تا ۱۳۲۔ حضرت محبوب الٰہیؒ مصنفہ علامہ اخلاق حسین دہلوی صص ۱۱۴ تا ۱۱۶۔ The life and times of Shaikh Nizam Uddin Auliya ص ۱۲۰۔ یہاں محمد بلاق مرحوم نے محضر سماع کی روداد خلط ملط کر دی ہے جس کی شاندہی اور وضاحت ذیل میں حاشیہ ۱۶ اور ۱۷ میں کی جا رہی ہے۔

۱۶۔ حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ نے دہلی کی تباہی اور بربادی سے متعلق پیشن گوئی محضر سماع میں نہیں کی بلکہ جب آپ محضر سے واپس پر خانقاہ شریف میں تشریف لائے تو آپ نے (بروایت ضیاء الدّین برنی) مولانا محی الدّین کاشانی اور امیر خسرو کو طلب فرمایا اور محضر کی روداد سناتے ہوئے فرمایا کہ

> "ایک عجیب بات جو آج مشاہدے میں آئی وہ یہ کہ معرض حجت میں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیح کو بھی نہیں سنتے اور یہ ہی کہے جاتے ہیں کہ ہمارے شہر میں حدیث سے روایت فقہ پر عمل مقدم ہے۔ یہ باتیں

وہی لوگ کرتے ہیں جن کا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث پر اعتقاد نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جس شہر میں اس قسم کے مکابرے کیے جاتے ہوں وہ کیسے آباد رہ سکتا ہے عجب نہیں کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس جرم کی سزا میں جو بداعتقادی اس شہر کے علماء میں مشاہدہ کی گئی ہے آسمان سے بلا، جلاوطنی، قحط اور وبا جیسی مصیبتیں اس شہر پر نازل ہوں گی۔

اس واقعے کے چار سال گزرے تھے، وہ تمام علماء جو مخالفین کی طرف سے اس مجلس میں حاضر تھے، دیوگیر جلاوطن کیے گئے ان علماء میں بیشتر نے دیوگیر ہی میں وفات پائی اس کے علاوہ شہر میں مہلک قحط اور سخت وبا پھیلی۔"

(سیر الاولیا اردو ترجمہ از مولانا قدوسی صص ۸۰۵-۸۰۶)

۱۷۔ مطلوب الطالبین کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ علم الدین علامہ رحمتہ اللہ علیہ، محضر سماع کے بعد دہلی تشریف لائے بادشاہ ان کے استقبال کے لیے گیا اور جائے استقبال پر بادشاہ نے حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کے بارے میں گفتگو کی۔ مطلوب الطالبین کا یہ بیان درست نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ شیخ علم الدین رحمتہ اللہ علیہ عین اس وقت جب محضر جاری تھا دربار میں تشریف لائے بادشاہ نے مسئلہ زیر بحث ان کے سامنے رکھا تو انھوں نے فرمایا

"میں نے اس بارے میں رسالہ "مقصدہ" لکھا ہے جو لوگ سماع دل سے سنتے ہیں ان کے لیے مباح ہے اور جو حظِ نفس کے لیے ان کے لیے حرام ہے

بادشاہ کے سوال پر شیخ علم الدین رحمتہ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی

بغداد، شام اور روم میں آج بھی مشائخ سماع سنتے ہیں اور سماع شیخ جنید اور شبلی کے وقت سے وراثتاً چلا آ رہا ہے"

(سیر الاولیا صص ۸۰۳-۸۰۴)

۱۸۔ تاریخ نظامی کے بارے میں کوشش کے باوجود معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کن صاحب کی تصنیف ہے اور ان کا زمانۂ حیات کیا تھا۔

۱۹۔ محمد غیاث الدین بن تغلق سہو کتابت ہے اس کا نام محمد بن تغلق تھا۔

مطلب دہم

سلطان المشایخ کے عام و خاص لوگوں سے تحمل، خیر خواہی، بردباری اور دل نوازی کا برتاؤ کرنے اور بعض ملاقاتوں کے ذکر میں جو آپ کے اور شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتح کے درمیان ہوئیں اور جن میں دونوں بزرگ ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آئے

پختہ اعتقاد اور یقین رکھنے والے طالبین پر واضح ہو کہ اس مختصر رسالے میں سلطان المشایخ کے حلم [۸۶] اور تحمل کے واقعات، تفصیل سے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ چند واقعات مختصراً بطور تبرک یہاں تحریر کیے جاتے ہیں۔ جن کتابوں سے یہ واقعات نقل کیے گئے ہیں ان کی نشاندہی کی جائے گی۔

فواید الفواد سے منقول ہے کہ ایک روز سلطان المشایخ مجلس میں تشریف فرما تھے، اس دوران ایک گدڑی پوش آیا۔ اس نے آپ کو سخت وسست کہنا شروع کر دیا۔ آپ (اس کی بے ہودہ باتوں پر) خاموش رہے اور وہ جو چاہتا تھا عطا فرمایا۔ بعد ازاں آپ حاضرین مجلس کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ میرے پاس بہت سے لوگ آتے ہیں اپنا سر قدموں پر رکھتے ہیں اور بہت سی چیزیں لاتے ہیں چنانچہ ایسا بھی کوئی ہونا چاہیے جو برا بھلا کہے تاکہ ان تمام باتوں کا کفارہ ہو جائے۔ اسی سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ اسی قسم کی بے تکی باتیں کرنے والا ایک شخص میرے پاس آیا، اس نے بہت سی نامناسب باتیں مجھے کہیں۔ میں نے تحمل سے کام لیا (جب واپس ہوا تو) اس نے کہا، جب تک دنیا باقی ہے ہمارا جرم اور آپ کا تحمل باقی رہے گا۔

فواید الفواد میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ بعض لوگ علانیہ طور پر یا دوسری جگہ آپ کی برائی کرتے ہیں اور آپ کی شان میں نازیبا باتیں زبان پر لاتے ہیں۔ مجھے ان کی باتیں برداشت نہیں ہوتیں اور بری لگتی ہیں۔ خواجہ نے فرمایا کہ جو لوگ مجھے برا کہتے ہیں، میں انھیں معاف

کرتا ہوں۔ کیا یہ مناسب بات ہے کہ ایک شخص کسی کو بُرا کہے اور وہ اس سے جھگڑا کرے۔
اسی سلسلے میں فرمایا کہ ایک شخص اندرپت کا رہنے والا جس کا نام چھجو تھا میری بدگوئی کرتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو میں تیسرے دن اس کی قبر پر گیا اور میں نے دعا کی، یاالٰہی اس نے میرے لیے جو باتیں کہیں اور میرا بُرا چاہا میں انھیں معاف کرتا ہوں آپ بھی اسے معاف فرمادیں اور عذاب نہ دیں کہ آخر بندہ تو آپ ہی کا ہے۔ جب سلطان المشایخ نے یہ حکایت ختم کی تو ایک دوسرا فایدہ بھی بیان فرمایا کہ اگر دو آدمیوں میں کوئی نزاع پیدا ہو جائے تو چاہیے کہ ایک شخص اپنے دل کو [۸۷] کدورت سے صاف کر لے تاکہ حریف کی جانب سے آزار پہنچانے میں کمی ہو جائے۔ درویش کے لیے لازم ہے کہ کسی سے آزردہ خاطر نہ ہو کہ صوفی کا مال وقف اور اس کا خون مباح ہے۔
فوایدالفواد سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ (کسی بدخواہ نے) سلطان المشایخ پر جادو کر دیا جس کے سبب دو ماہ تکلیف میں گزارے۔ آپ کے مریدین کسی شخص کو لائے جو جادو کی چیزوں کو معلوم کرنے کا ماہر تھا۔ اس نے خانقاہ کے چاروں طرف چکر لگائے اور جگہ جگہ مٹی اٹھا کر سونگھنے لگا، حتی کہ وہ ایک جگہ ٹھہر گیا اور وہاں کی مٹی اٹھا کر سونگھی۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ اس جگہ کھدائی کریں۔ جب وہ جگہ کھودی گئی تو اس میں سے جادو کی علامات نکل آئیں جنھیں اس نے توڑ دیا۔ علامات کے ٹوٹتے ہی سلطان المشایخ کو فرحت محسوس ہوئی اور صحت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ آپ نے آرام فرمایا اس شخص نے عرض کیا مجھے اس کام میں اس قدر مہارت حاصل ہے کہ اگر حکم فرمائیں تو میں جادو کرنے والے کا نام پتہ تک بتا سکتا ہوں۔ مریدین نے بھی معروضہ پیش کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو منع کر دیں کہ کسی کو رسوا نہ کرے۔ اس نے (بدخواہ نے) میرے حق میں جو کچھ کیا میں نے معاف کر دیا بعد ازاں فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے شیخ فریدالدین گنج شکر پر بھی جادو کیا تھا اور وہ ظاہر ہو گیا۔ دوستوں نے چاہا کہ جادو کرنے والے پر سختی کی جائے۔ شیخ نے فرمایا میں نے اسے معاف کر دیا اور اس کے جرم کو بخش دیا۔ اسی طرح ایک عورت نے رسول علیہ السلام پر سحر کیا تھا جس کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زحمت ہوئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چاہا کہ اس عورت کو قتل کر دیں، لیکن رسول علیہ السلام نے منع کر دیا اور فرمایا، اے علی حق سبحانہ تعالیٰ نے مجھے صحت و کرامت عطا فرمائی میں اسے کیوں قتل کروں۔ میں نے اس کا گناہ بخش دیا۔

راحت المحبین[1] میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز ساٹھ جوالقی (قلندر) سلطان المشایخ کی خانقاہ میں آئے [۸۸] وہ نہ آداب بجالائے نہ انھوں نے سلام کیا بلکہ خانقاہ شریف کے صحن میں سماع شروع کر دیا اور رقص کرنے لگے نیز خواجہ کی شان میں نازیبا الفاظ زبان پر لائے۔ آپ نے اس اخلاق کے ساتھ جو آپ کو ودیعت کیا گیا تھا، ان کی دشنام طرازی کو برداشت کیا اور معذرت کی۔ جب خاصا وقت گزر گیا اور ان کی دشنام طرازی اسی طرح جاری رہی تو آپ نے حکم دیا کہ کھانے کے ساٹھ خوان لائیں اور ان قلندروں کو دیں شاید یہ بھوکے ہیں۔ (حسب الحکم) درویشوں کے سامنے کھانا رکھا گیا لیکن انھوں نے نہیں کھایا بلکہ ناروا باتیں کہنے لگے۔ سلطان المشایخ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا، "اے عزیزو! یہ کھانا اس چیز سے جو تم نے قرن کے علاقے میں کھائی ہے بُرا نہیں ہے۔ یہ بات سنتے ہی وہ درویش اپنی جگہ سے اُٹھے اور اپنے سر زمین پر رکھ دیے اور ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ ہم اپنے کیے پر نادم ہیں اور معافی کے امیدوار ہیں۔ ہم جو کرامت دیکھنا چاہتے تھے وہ ہم نے دیکھ لی۔ سلطان المشایخ نے درویشوں کو تسلی دی اور ان کی دل داری کی۔ بعد ازاں خانقاہ کے بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ درویش کھانے کی طرف بڑھے اور خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔

مولانا فخر الدین زرادی اور امیر خسرو نے درویشوں سے دریافت کیا کہ سلطان المشایخ نے جو بات فرمائی تھی اس کے بارے میں بتائیں کہ آپ لوگوں نے قرن میں کیا چیز کھائی تھی۔ انھوں نے کہا کہ ایک مرتبہ ہم لوگ قرن کی طرف جا رہے تھے۔ ہم ایسی جگہ پہنچے جو بالکل ویران تھی۔ تین دن تک ہم نے کھانے کی بو تک نہ سونگھی۔ چوتھے دن بھوک سے بے تاب ہو کر ہم نے صحرا کا گشت لگانا شروع کر دیا کہ شاید کھانے کے لیے کچھ مل جائے۔ اتفاقاً ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں خواجہ اویس قرنی کے بتیس دانت دفن تھے۔ ہم نے اس مقام کی زیارت کی اور آگے بڑھے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک مردہ اونٹ کی لاش پڑی ہے اور اس کے گوشت پوست میں بدبو پیدا ہو گئی ہے۔ [۸۹] ہم نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ ہم تین دن کے بھوکے ہیں اور اس ویرانے میں اس مردار گوشت کے علاوہ کچھ دستیاب نہیں ہے اگر ہم نہ کھائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس میں سے ہم نے تھوڑا سا گوشت لیا اور بھون کر کھایا۔ آج شیخ نے اپنی کرامت سے ہمیں وہ دن یاد دلایا۔ ہم شرمسار ہوئے اور خواجہ کے حلم و اخلاق کے معتقد ہو گئے۔

جوامع الکلم میں خواجہ اقبال کے حالات میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ اقبال نے ایک خراسانی کو جس پر سلطان المشائخ کی خانقاہ کے اخراجات میں سے سات سو تنکے باقی تھے زنجیروں سے باندھ کر ایک گوشے میں ڈال دیا خواجہ اقبال کے خوف سے کسی نے سلطان المشائخ کو خراسانی کے حال سے آگاہ نہ کیا۔ ایک روز وہ بے چارہ خود خانقاہ کے دروازے تک پہنچا اور اندر جانا چاہا لیکن دربان نے اسے داخل ہونے سے روک دیا، تاہم اس کی زنجیروں کی آواز سلطان المشائخ نے سنی تو فرمایا کہ جو شخص دروازے پر ہے اسے اندر لایا جائے۔ خراسانی اندر آیا اور شیخ کے قدموں میں گر پڑا اور اپنی حالت عرض کی۔ سلطان المشائخ نے خواجہ اقبال سے فرمایا لالہ یہ کام جو تم کرتے ہو انتہائی نامناسب ہیں۔ مال خدا کا ہے، ملکیت خدا کی ہے اور بندے بھی خدا ہی کے ہیں۔ کچھ چیز تم نے کھائی کچھ اس بے چارے نے لے لی۔ تمھیں کیا حق تھا کہ تم نے اس بے چارے کو پابہ زنجیر کر دیا۔ جاؤ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرنا الغرض سلطان المشائخ نے اسی وقت لوہار کو طلب کیا جس نے اس خراسانی کی زنجیر کاٹی اور اسے رہائی حاصل ہوئی۔

جوامع الکلم میں ہے کہ ایک شخص سلطان المشائخ کی خدمت میں سو تنکے نذر کے لیے لایا۔ جب سامنے رکھے گئے تو آپ نے فرمایا، لالہ انھیں سنبھال کر رکھ لو۔ کل تقسیم کریں گے۔ چونکہ آخر عمر میں سلطان المشائخ پر نسیان کا غلبہ ہونے لگا تھا آپ گزشتہ کل کے آئے ہوئے تنکے بھول گئے۔ خواجہ اقبال سمجھے [۹۰] کہ شاید سلطان المشائخ نذرانے کے تنکے بالکل بھول گئے ہیں وہ انھیں (اپنے گھر) لے گئے۔ ایک روز حضرت کو (وہ نذرانہ) یاد آ گیا۔ آپ نے خواجہ اقبال سے فرمایا، لالہ وہ سو تنکے لے آؤ تاکہ انھیں تقسیم کر دیں۔ خواجہ اقبال نے اِدھر اُدھر دوڑنا اور طاقوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ شیخ نے معلوم کر لیا کہ خواجہ اقبال خود ہی لے گئے ہیں، کسی دوسرے شخص کی یہاں آمد و رفت نہیں ہے۔ فرمایا، لالہ یہاں آؤ، اِدھر اُدھر کس لیے دوڑ رہے ہو اور کیا کہہ رہے ہو۔ میں چاہتا تھا کہ (وہ سو تنکے) چند لوگوں میں تقسیم کر دوں لیکن حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ہی شخص کو نصیب فرما دیے۔

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ مولانا شمس الدین یحییٰ جو سلطان المشائخ کے خلیفۂ خاص تھے، اودھ سے خواجہ کی ملاقات کے لیے آئے۔ وہ شیخ ظہیر الدین بھکری کے شاگردوں میں سے تھے، انھیں مولانا کی یہ بات بہت بری لگی کہ وہ پہلے مجھ سے ملنے کیوں نہ آئے۔ تین دن گزرنے کے بعد مولانا اور دوسرے اساتذہ اور دوستوں نے سلطان المشائخ

سے شیخ الاسلام خواجہ قطب الدّین کے مزار کی زیارت کے لیے اجازت چاہی۔ سلطان المشایخ نے اجازت عطا فرما دی۔ مولانا زیارت سے قبل شیخ ظہیر الدّین سے ملاقات کرنے گئے۔ شیخ ظہیر الدّین نے مولانا کی جانب کوئی توجہ نہ دی اور دوسرے کام میں مشغول ہو گئے۔ مولانا بیٹھ گئے۔ شیخ ظہیر الدّین نے دیر کے بعد آنے والوں کی طرف رخ کیا اور کہا کہ میں لوگوں کو جہالت کے گرداب سے نکالتا ہوں، ان کی تربیت کرتا ہوں، وہ میرے پاس سے آراستہ ہو کر چلے جاتے ہیں اور دوسروں کے بندے اور مرید ہو جاتے ہیں۔ جب اپنے وطن سے دہلی آتے ہیں تو پہلے میرے پاس نہیں آتے اور استادی کے حق کو پامال کرتے ہیں۔[۲] شیخ نے اسی طرح کے اور نامناسب کلمات بھی کہے۔ مولانا خاموش رہے۔ ایک گھڑی بعد مولانا نے عرض کیا کہ اگر آپ ایک مرتبہ سلطان المشایخ سے ملاقات فرما لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس قدر عظیم ہستی ہیں۔ بہر حال مولانا شیخ ظہیر الدّین کو سلطان المشایخ کی خدمت میں لے آئے۔ سلطان المشایخ نے ان کی بے حد تعظیم کی۔ جب وہ [91] بیٹھ گئے تو ایک حدیث شریف پر بات چل نکلی اور دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ اس دوران میں جو کچھ نقد اور جنس نذرانے کے طور پر آئی اسے جمع کیا گیا۔ خواجہ اقبال نے چاہا کہ وہ نذرانے لے جائیں لیکن سلطان المشایخ نے فرمایا، لالہ ٹھہرو ان میں چار سو تنکے مزید شامل کرو اور شیخ کی مہمانی کرو۔[۳] شیخ ظہیر الدّین نے جب (آپ کے اخلاق کریمانہ کی) یہ کیفیت دیکھی تو سلطان المشایخ کی تعریف کی اور کہا سبحان اللہ اس دنیا میں ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں کہ فنائیت کے سبب ان کا جسم روح بن کر تحمل و مروّت کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اس دن سے شیخ کے دل میں سلطان المشایخ سے مضبوط تعلق اور اعتقاد پیدا ہوا اور وہ سلطان المشایخ کے خاص محرم اور مخلص ہو گئے۔

اب سلطان المشایخ اور شیخ رکن الدّین فرزند رشید شیخ صدر الدّین بن شیخ بہاء الدّین زکریا کے درمیان بعض ملاقاتوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور ان دونوں بزرگوں کی ملاقاتوں میں جو باریک اور لطیف نکتے معرض گفتگو میں آئے، بیان کیے جاتے ہیں۔

ان اوراق کا راقم محمد بلاق عرض کرتا ہے کہ شیخ رکن الدّین کو سلطان المشایخ سے اس درجے انس اور اخلاص تھا کہ اسے مفصل بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے، البتہ اس کا مختصر حال سماع اور سلطان المشایخ کی وفات نیز دیگر ابواب میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں بھی ان ملاقاتوں اور صحبتوں کا کسی قدر حال بیان کیا جاتا ہے تاکہ بوقت ضرورت طالبین

کے کام آئے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ شیخ رکن الدّین سلطان قطب الدّین کے عہدِ حکومت میں دہلی آئے جب شہر کے نزدیک پہنچے تو سلطان المشایخ نے ان کا استقبال کیا۔ دونوں کی ملاقات حوضِ خاص کی سرائے میں ہوئی۔ سلطان المشایخ نے شیخ رکن الدّین کی بے حد تعظیم و تکریم کی اور ادباً جلد ہی واپس آگئے یہ ملاقات بہت مختصر رہی [۹۲] جب شیخ رکن الدّین سلطان قطب الدّین سے ملے تو اس نے دریافت کیا کہ شہر کے بزرگوں میں سے کس بزرگ نے سب سے پہلے آپ سے ملاقات کی۔ انھوں نے فرمایا جو اس شہر کے بزرگوں میں سب سے بہتر ہیں یعنی سلطان المشایخ قدس اللہ سرّہٗ العزیز۔

دوسرے دن جمعہ تھا۔ شیخ رکن الدّین سلطان المشایخ سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے۔ انھیں بتایا گیا کہ سلطان المشایخ اپنے مقررہ طریقے کے مطابق کیلوکھڑی کی مسجد میں نمازِ جمعہ کے لیے تشریف لے جا چکے ہیں تو شیخ بھی وہیں تشریف لے گئے۔ مسجد کے شمالی دروازے کے قریب ایک جگہ پسند کی اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ دوسری جانب سلطان المشایخ اپنی قدیم جگہ پر جو مسجد کے جنوبی دروازے کے قریب تھی مصروف نماز تھے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو مریدین نے اطلاع دی کہ شیخ رکن الدّین بھی آپ سے ملاقات کی غرض سے مسجد آئے ہوئے ہیں۔ یہ اطلاع پا کر سلطان المشایخ اپنی جگہ سے اُٹھے اور مسجد کے صحن کا طویل فاصلہ طے کر کے شیخ رکن الدّین کی جگہ تشریف لائے۔ شیخ نماز میں مصروف تھے اس لیے آپ اپنے فطری انکسار کی بناء پر شیخ کے پیچھے بیٹھ گئے۔ جب شیخ نے نماز ادا کر لی تو مصلے سے اٹھے اور سلطان المشایخ سے مصافحہ کیا اور وہیں سلطان المشایخ کے برابر بیٹھ گئے۔ دیر تک صحبت رہی۔ اس کے بعد جب اٹھے تو شیخ رکن الدّین نے خاطر داری کرتے ہوئے اپنا ہاتھ سلطان المشایخ کے ہاتھ میں ڈالا اور باتیں کرتے ہوئے مسجد کے جنوبی دروازے تک، جس طرف سلطان المشایخ کی پالکی تھی، آئے شیخ کی پالکی بھی یہیں لائی گئی۔ جب دونوں بزرگ قریب پہنچے تو شیخ رکن الدّین نے ازراہِ تعظیم سلطان المشایخ سے کہا کہ پہلے آپ پالکی میں سوار ہوں۔ سلطان المشایخ نے اصرار کیا کہ پہلے آپ سوار ہوں۔ آخر طے پایا کہ پہلے شیخ رکن الدّین پالکی میں بیٹھیں چنانچہ وہ پالکی میں بیٹھ کر اپنے مقام کی طرف روانہ ہوئے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ اس جگہ جہاں سلطان المشایخ کا روضہ ہے [۹۳] پہلے ایک

صاف شفاف حوض تھا، اس کے چاروں طرف خواجہ جہاں ایاز نے جو آپ کے مریدوں میں تھے بلند عمارتیں تعمیر کرائی تھیں سلطان المشائخ کے بعض اصحاب جن کا آپ کی حیات مبارک میں وصال ہوا، آپ کے حکم سے یہاں دفن کیے گئے۔ سلطان المشائخ نے چند بلند چبوترے بہت ہی پاکیزہ دوستوں کے مقبروں کے لیے ترتیب دیے اور اس جگہ کا نام حظیرہ رکھا۔ اکثر اوقات آپ حظیرے میں دوستوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے اور حوض کی سیر کرنے تشریف لاتے تھے اور افطار کا کھانا بھی یہیں کھاتے نیز خواجہ جہاں ایاز کی عمارت کے بالاخانے پر استراحت فرماتے تھے۔

ایک روز سلطان المشائخ مذکورہ عمارت کے بالاخانے پر تھے کہ شیخ رکن الدّین ابوالفتح آپ سے ملاقات کرنے تشریف لائے جب نزدیک پہنچے تو سلطان المشائخ بالاخانے سے اتر کر نیچے آئے اور وسطی دروازے کے گنبد میں جو دوستوں کی قبروں کے چبوترے کے نزدیک ہے شیخ رکن الدّین سے ملاقات کی۔ ان دنوں شیخ رکن الدّین کے پاؤں میں تکلیف تھی۔ انھوں نے پالکی سے اترنا چاہا لیکن سلطان المشائخ نے تواضع اور اخلاق کے باعث انھیں اترنے نہ دیا اور ان کی تکلیف کے خیال سے خود گنبد کے دروازے کے ساتھ بیٹھ گئے۔ شیخ رکن الدّین پالکی ہی میں بیٹھے رہے۔ سلطان المشائخ نے ان سے بیمار پرسی کی اور دلداری کی باتیں کرتے رہے۔ مزاج پرسی کے بعد (سلوک و معرفت سے متعلق) عجیب اور نادر باتیں شروع ہو گئیں۔ اس دوران میں مولانا عماد الدّین اسماعیل نے جو شیخ رکن الدّین کے برادر خورد تھے خواہش ظاہر کی کہ آج یہ مجلس آپ دونوں بزرگوں کے وجود سے کہ یکتائے روزگار ہیں آراستہ ہے۔ مجھے ایک مشکل درپیش ہے اگر اجازت ہو تو عرض کروں تاکہ آپ حضرات کے مبارک کلمات کی برکت سے آسان ہو جائے [۹۴] دونوں بزرگوں نے فرمایا، کہیے وہ کیا بات ہے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت رسول علیہ السلام کی مکّے سے مدینہ ہجرت کرنے میں کیا حکمت تھی؟ دونوں بزرگوں نے تواضع اختیار کرتے ہوئے ایک دوسرے سے پہلے جواب دینے پر اصرار کیا آخر طے ہوا کہ پہلے شیخ رکن الدّین جواب دیں۔ انھوں نے سلطان المشائخ کی خدمت میں خود حاضر ہونے کا کنایہ کرتے ہوئے[۴] کہا کہ بعض واردات الٰہی اس امر پر منحصر تھیں کہ جب رسول علیہ السلام مدینہ تشریف لائیں تو آپ کی ذاتِ گرامی کو ان کا فیض حاصل ہو۔ سلطان المشائخ نے اس رمز کو پا کر تبسم فرمایا اور شیخ رکن الدّین کے تشریف لانے کی نسبت کو اپنی جانب خیال کیا[۵] اور فرمایا کہ دوسری حکمت جو اس بندے

کے دل میں ڈالی گئی ہے یہ ہے کہ رسول علیہ السلام نے اپنی ہدایت سے اکثر اہلِ مکّہ کو بہرہ مند فرمایا لیکن اہل مدینہ میں سے بعض آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے وہ (فیض الٰہی سے) محروم رہ جاتے چنانچہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) تقدیر الٰہی کے بموجب مدینہ تشریف لائے تاکہ محروموں کو درجۂ کمال تک پہنچائیں اور انھیں محرومی سے رہائی دلا کر شرفِ اسلام سے مشرف فرمائیں۔ شیخ رکن الدّین نے اس مسرّت انگیز اور انکسار آمیز جواب پر تحسین کا اظہار کیا اور سوال کرنے والے بھی مطمئن ہو گئے۔

مجلس کے دوران سلطان المشایخ نے سیّد مبارک ملتانی[6] بن سیّد محمد کرمانی سے جو شیخ رکن الدّین کے ہم شہر اور مزاج شناس تھے فرمایا کہ شیخ کے لیے کھانا لائیں اور کھلائیں۔ جب وہ دسترخوان لائے تو دیکھا کہ شیخ کی پالکی میں کاغذ اور عرضیاں پڑی ہوئی ہیں اور دسترخوان بچھانے کی جگہ نہیں ہے۔ شیخ رکن الدّین نے کاغذ ایک طرف کر دیے اور سلطان المشایخ سے مخاطب ہو کر کہا، مولانا یہ غریبوں کی عرضیاں ہیں۔ میں جب بادشاہ کے ہاں جاتا ہوں تو ضرورت مند اپنی عرضیاں میری پالکی میں ڈال دیتے ہیں [۹۵] تاکہ میں ان کے مطالبات آسانی سے (بادشاہ تک) پہنچا دوں۔ انھیں معلوم نہیں تھا کہ آج میں شہنشاہِ دین کے پاس جا رہا ہوں۔ سلطان المشایخ نے بھی مناسب الفاظ میں انکسار کا اظہار کیا۔ الغرض جب کھانا ترتیب دے دیا گیا تو سیّد مبارک نے سرکے کا پیالہ شیخ سے دور رکھ دیا۔ شیخ نے فرمایا کہ پیالا نزدیک لاؤ۔ غالباً سرکہ بھی ملتان کا تھا۔ اس پر سلطان المشایخ مسکرائے اور سیّد مبارک ملتانی اور سرکے کے بارے میں کنایتاً فرمایا کہ ہم شہر ہے۔ شیخ رکن الدّین اشارے کو سمجھ گئے اور کہا جی ہاں اسی باعث ترش ہے۔ سلطان المشایخ نے فرمایا اسی باعث عزیز ہے۔ جب دسترخوان بڑھایا گیا تو سلطان المشایخ نے اقبال سے فرمایا کہ جھرتلی اور شانہ باف کے کچھ کپڑے اور سونے کے سوتنکے شیخ کی خدمت میں پیش کرو۔ وہ حسب الحکم کپڑے اور نقدی لے کر حاضر ہوئے اور شیخ کی خدمت میں پیش کیے۔ انھوں نے قبول کرنے سے عذر کیا سلطان المشایخ نے ان چیزوں کو شیخ رکن الدّین کے برادر خورد کے سپرد کیا، انھوں نے بڑے بھائی کے حکم سے لے لیے اور اس عنایت پر تسلیمات بجا لائے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشایخ ماہِ ذالحجہ کے پہلے عشرے میں بیمار تھے۔ شیخ رکن الدّین آپ کی مزاج پرسی کے لیے آپ کی خانقاہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ہر شخص اس مہینے میں دولتِ حج پانے کی کوشش کرتا ہے۔ میں نے سعی کی کہ آپ

کی زیارت کی سعادت پاؤں اور حج کا ثواب حاصل کروں۔ اس بات سے سلطان المشایخ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور شیخ رکن الدّین کی کرم فرمائی پر مشکور ہوئے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ جب سلطان المشایخ سخت بیمار ہوئے اور بیماری نے آپ کے جسم مبارک کو بہت کمزور کر دیا تو شیخ رکن الدّین آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت سلطان المشایخ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور چارپائی سے اترنے کی آپ میں بالکل طاقت نہ تھی [۹۶] آپ نے شیخ رکن الدّین سے کہا، آپ یہاں چارپائی پر تشریف رکھیں لیکن وہ ازراہِ ادب چارپائی پر نہیں بیٹھے۔ سلطان المشایخ نے ان کے لیے کرسی طلب کی۔ شیخ رکن الدّین کرسی پر بیٹھ گئے۔ تمام اصحاب حیران تھے کہ سلطان المشایخ تحیّر کے عالم میں ہیں آپ شیخ رکن الدّین سے کیا گفتگو فرمائیں گے لیکن آپ کمال قوت کے ساتھ ہوش میں آ گئے اور دل کو کشادہ کرنے والی باتوں اور جان کو فرحت پہنچانے والی حکایتوں میں مشغول ہو گئے۔ دورانِ گفتگو شیخ رکن الدّین نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہیں تو دنیا میں رہیں چاہیں تو سفرِ آخرت اختیار کریں۔ اولیا ان کے متبع ہوتے ہیں اُس اعتبار سے وہ بھی اختیار رکھتے ہیں، چنانچہ آپ پر لازم ہے کہ (حق تعالیٰ سے) مہلت طلب کریں تاکہ آپ کے فیض سے ناقصوں کی تکمیل ہو جائے۔ اس بات سے سلطان المشایخ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا، میں ہر شب رسول علیہ السلام کو خواب میں دیکھتا ہوں، مجھ سے فرماتے ہیں اے نظام مجھے تم سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ ان کلمات سے شیخ رکن الدّین اور حاضرینِ مجلس پر گریہ طاری ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد شیخ رکن الدّین رخصت ہوئے اور سلطان المشایخ اسی بیماری میں رحمت حق سے جا ملے۔ رحمتہ اللہ علیہما۔

حواشی مطلب دہم

۱۔ راحت المحبین۔ حضرت سلطان المشایخ شیخ نظام الدّین محبوب الٰہی قدس سرّہ، کے ملفوظات کا مجموعہ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان ملفوظات کو حضرت امیر خسروؒ نے مرتب کیا تھا، لیکن پروفیسر محمد حبیب اور ڈاکٹر خلیق احمد نظامی کی تحقیق کے مطابق ملفوظات کا یہ مجموعہ جعلی اور وضع کردہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں حضرت نظام الدّین اولیا صص ۱۷۔۱۸، نیز The life and times of Shaikh Nizam uddin Auliya صص ۱۹۴۔۱۹۵

۲۔ جوامع الکلم میں مولانا ظہیر الدّین بھکری کا مولانا شمس الدّین یحیٰی سے آزردہ ہونے کا واقعہ صحیح معلوم

نہیں ہوتا غالباً بعد کے نسخوں میں نقل کرتے وقت عبارتوں میں کچھ ردّوبدل ہوا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا شمس الدّین یحیٰی کے مرید ہونے سے قبل مولانا ظہیر الدّین بھکری، شمس الدّین یحیٰی اور صدرالدّین نافلی سے بزدوی کے ایک مشکل مقام کی توضیح و تشریح کا حال سن کر، سلطان المشایخ قدس سرّہ سے ملاقات کرنے گئے تھے اور حضرت قدس سرّہ، کے پاکیزہ اخلاق سے متاثر ہو کر واپس ہوئے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ) صص ۳۷۰-۳۷۱۔ اس صورتحال کے پیشِ نظر مولانا ظہیر الدّین بھکری کا مولانا شمس الدّین یحیٰی سے آزردہ ہونے کا، جیساکہ جوامع الکلم میں بیان کیا گیا ہے کوئی امکان اور قرینہ نہیں ہے کیوں کہ مولانا ظہیر الدّین بھکری تو خود سلطان المشایخ کے مداحوں میں سے تھے۔ واللہ اعلم

۳۔ جوامع الکلم میں کسی حدیث شریف پر طویل گفتگو اور مولانا ظہیر الدّین کی مہمانی کا کوئی ذکر نہیں ہے البتہ ملاقات کی دوران جو فتوح اور نذرانے آئے تھے وہ مولانا ظہیر الدّین کو پیش کر دیے گئے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں جوامع الکلم (اردو ترجمہ) صص ۱۳۴-۱۳۵۔ سیر الاولیا میں مولانا ظہیر الدّین بھکری اور سلطان المشایخ کی ملاقات کے بعد مولانا کو نقد یا جنس پیش کرنے کا بھی ذکر نہیں ہے۔

۴۔ شیخ رکن الدّین رحمتہ اللہ علیہ کے سیدھے سادے جواب کو کنایہ خیال کرنے کا قیاس خود محمد بلاق مرحوم نے قائم کیا ہے۔ یہ عبارت سیر الاولیا میں درج نہیں ہے، ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۱۴۸ نیز اردو ترجمہ از مولانا قدوسی ص ۲۵۵

۵۔ شیخ رکن الدّین رحمتہ اللہ علیہ کے جواب کے بعد مندرجہ ذیل عبارت سیر الاولیا کے مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں ہے۔

> "سلطان المشایخ ایں رمزرا دریافتہ تبسّم نمود و نسبتِ تشریف آوردنِ شیخ رکن الدّین بہ سوئے خود ارادہ کرد۔"
>
> (ترجمہ) "سلطان المشایخ نے اس رمز کو پاکر تبسّم فرمایا اور شیخ رکن الدّین کے تشریف لانے کی نسبت کو اپنی جانب خیال کیا۔"

ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۱۴۸ نیز اردو ترجمہ از مولانا قدّوسی ص ۲۵۵

۶۔ سیّد مبارک، سیّد محمد کرمانی کے فرزند اور امیر خورد کرمانی مصنّف سیر الاولیا کے والد تھے، وہ ملتانی اور شیخ رکن الدّین رحمتہ اللہ علیہ کے ہم شہر کیسے ہوگئے۔ سیّد مبارک کرمانی نے دہلی میں حضرت سلطان المشایخ قدس سرّہ کے زیرسایہ پرورش پائی۔ صاحبِ اہل و عیال ہوئے اور دہلی ہی میں سلطان المشایخ کے روضۂ مبارک میں مدفون ہوئے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ) صص ۳۵۳-۳۵۴ اور ۳۵۷

مطلب یازدہم

سلطان المشایخ کے تصرفات و کرامات، سلوک کے مراتب، ولایت کی اقسام اور محبوبیت کے مرتبے کی تفصیل کے بیان میں۔ اسی ضمن میں امت کے ان حضرات کی جو افراد، اقطاب ابدال، نقبا اور نجبا وغیرہ کہلاتے ہیں اور جو عالم علوی اور عالم سفلی کے حاکم ہیں، تفصیل دی گئی ہے

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ چند اصحاب سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے ایک ساتھ روانہ ہوئے۔ ان میں ایک صاحب عالم تھے۔ ہر شخص نے مختلف قسم کا کوئی تحفہ یا شیرینی (نذر کرنے کے لیے) خریدی۔ [۹۷] مولوی صاحب نے سوچا کہ یہ مختلف قسم کے ہدیے سلطان المشایخؒ کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے اس کے بعد خادم اٹھا کر لے جائیں گے (کسے معلوم ہوگا کہ کون شخص کیا ہدیہ لایا ہے) چنانچہ انھوں نے راستے سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر کاغذ میں لپیٹ لی۔ جب سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہر شخص نے اپنا ہدیہ آپ کے سامنے رکھا۔ مولوی صاحب نے بھی اپنی پڑیا ان میں شامل کر دی۔ خادم نے ان نذرانوں کو اُٹھانا شروع کیا تو اس پُڑیا کو بھی اُٹھایا، سلطان المشایخ نے فرمایا، اس پُڑیا کو رہنے دو، یہ خاص ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ مولوی صاحب اس کرامت پر بے حد نادم ہوئے اور توبہ کی۔ سلطان المشایخ نے مولوی صاحب کو خلعت خاص سے نوازا، اور ان کے لیے کچھ یومیہ بھی مقرر کر دیا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ مولانا وجیہہ الدّین پایلی نے جو سلطان المشایخ کے مریدوں میں تھے بیان کیا کہ میں ایک زمانے میں تپِ دق میں مبتلا تھا۔ طبیبوں نے مشورہ دیا کہ آپ کسی باغ میں یا دریا کے کنارے قیام کریں، تاکہ وہاں آپ کو راحت ملے اور شفا حاصل ہو۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ کسی باغ میں رہائش اختیار کرنا تو میرے لیے دشوار ہے البتّہ سلطان المشایخ کی خانقاہ چونکہ دریا کنارے واقع ہے وہاں چلا جاتا ہوں۔ چنانچہ میں نے طبیب کی تجویز کردہ دوائیں ساتھ لیں اور خانقاہ شریف میں آگیا۔ دیکھا کہ آپ

روزہ افطار فرما رہے ہیں۔ سردیوں کے دن تھے (اس لیے) کوئی شخص میتھی دانے[1] کی ترکاری نذر کر گیا تھا، آپ وہی تناول فرما رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ نے فرمایا بسم اللہ کھانے میں شریک ہو جاؤ۔ اگرچہ میں یہ جانتا تھا کہ تپِ دق کے مرض میں میتھی کی ترکاری گرم اور مضر ہوتی ہے لیکن حضرت کے حکم کی تعمیل میں شریکِ طعام ہو گیا۔ جب کھانے سے فارغ ہو کر اُٹھا تو میں نے خود کو بھلا چنگا محسوس کیا اس کے بعد علاج کی ضرورت نہیں رہی۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ مولانا بدرالدّین فوق[2] جو سلطان المشائخ کے قدیم مریدوں میں تھے بیان کرتے تھے کہ میں ایک رات سلطان المشائخ کی خانقاہ کی دہلیز میں [۹۸] بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک اونٹ عالمِ غیب سے ظاہر ہوا، اور خانقاہ کی کھڑکی کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ آپ کھڑکی کی راہ سے اس اونٹ پر سوار ہو گئے پھر وہ ہوا میں اڑنے لگا۔ میں (یہ منظر دیکھ کر) بے ہوش ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد ہوش میں آیا۔ میری نیند اڑ چکی تھی اور میں آخرِ شب تک جاگتا رہا۔ میں نے جاگتے میں دیکھا کہ وہ اونٹ واپس آیا اور اسی طرح کھڑکی کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ سلطان المشائخ کھڑکی کی راہ سے اندر چلے گئے اور اونٹ نگاہوں سے غائب ہو گیا۔

سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے کہ شیخ نجم الدّین اصفہانی نے ساٹھ سال تک خانہ کعبہ کی مجاوری کی ان کا رہائشی مکان بھی وہیں تھا، جہاں سے وہ مسلسل خانہ کعبہ کو دیکھتے رہتے تھے۔ وہ کامل الحال بزرگ تھے مکے کے دوسرے مجاوروں نے ان سے دریافت کیا کہ اس زمانے میں سلطان المشائخ مقتدائے زمانہ ہیں اور اپنی ہدایت سے اہلِ عالم کو مراد تک پہنچاتے ہیں، کیا وجہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے نہیں آتے اور دولتِ حج حاصل نہیں کرتے شیخ نجم الدین اصفہانی نے کہا کہ وہ اکثر نمازِ فجر خانہ کعبہ میں ادا کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ جماعت میں ہوتے ہیں اس سے قیاس پیدا ہوتا ہے کہ شاید وہ اونٹ فرشتہ ہو گا جو غیب سے ظاہر ہوتا اور آپ کو مکے پہنچاتا تھا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک عزیز نے بیان کیا، ایک مرتبہ میں اپنے وطن سے سلطان المشائخ کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ (دورانِ سفر) میں قصبہ بوندی سے گزر رہا تھا تو میرے دل میں آیا کہ شیخ موہن[3] درویش یہاں رہتے ہیں، ان سے ملاقات کرتا چلوں۔ جب میں ان سے ملا تو انھوں نے دریافت کیا کہ تم کہاں جا رہے ہو۔

میں نے کہا کہ میں سلطان المشائخ کی خدمت میں جارہا ہوں۔ انھوں نے فرمایا، ان سے میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ یہ وہی موہن درویش ہے جو ہر شبِ جمعہ کعبے شریف میں آپ سے ملاقات کرتا ہے جب [۹۹] میں سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ قصبہ بونڈی میں ایک درویش ہیں جن کا نام موہن ہے، انھوں نے سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ میں وہی موہن ہوں جو ہر شبِ جمعہ خانہ کعبہ میں ملاقات کرتا ہوں۔ خواجہ یہ بات سن کر مکدر ہوئے اور فرمایا کہ وہ بڑے بزرگ ہیں لیکن زبان قابو میں نہیں رکھتے۔ اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان المشائخ اور شیخ موہن ہر شبِ جمعہ کو کعبے شریف میں حاضر ہوتے تھے۔ سبحان اللہ! مردانِ خدا کی کیا ہمت اور قوت ہوتی ہے۔

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ ایک دفعہ سلطان المشائخ کی خانقاہ کے نیچے کنواں کھودا گیا اس کا پانی کھاری نکلا۔ خواجہ اقبال نے جو اس کام کے نگراں تھے آپ کو مطلع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات سماع کے وقت یاد دلانا۔ ایک دن سلطان المشائخ سماع سن رہے تھے۔ وقت اچھا تھا، خواجہ اقبال نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ نیچے والے کنویں کا پانی کھاری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دوات، قلم اور کاغذ لاؤ۔ انھوں نے عین حالتِ وجد میں وہ چیزیں شیخ کے دست مبارک میں دیں۔ آپ نے کاغذ پر کچھ تحریر فرمایا اور خواجہ اقبال کو واپس دیا اور فرمایا جاؤ اسے کنویں میں ڈال دو۔ جیسے ہی خواجہ اقبال نے کاغذ پانی میں ڈالا وہ میٹھا ہو گیا۔

خیر المجالس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک تاجر جس کا نام خواجگی تھا، اودھ سے بغرض تجارت دہلی آیا۔ اس نے تمام سامان فروخت کر دیا اور نقدی ایک حجرے میں رکھ کر خود کسی کام سے باہر چلا گیا۔ اس کا ایک غلام تھا وہ حجرے پر چڑھا اور چھت میں شگاف ڈال کر ساری نقدی لے گیا۔ جب خواجگی واپس ہوا اور اس نے یہ حال دیکھا تو غم زدہ حالت میں روتا ہوا سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کیا آپ تھوڑی دیر مراقبے میں گئے پھر فرمایا، اے خواجہ جب تم اودھ کے لیے روانہ ہونے لگو [۱۰۰] تو میرے پاس آنا۔ چنانچہ وہ روانگی کے وقت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا جاؤ تمھارا غلام اودھ میں تمھیں مل جائے گا۔ خواجگی اودھ چلا آیا دوسرے دن بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک شخص نے اسے آواز دے کر بلایا اور پوچھا کہ تم خواجگی ہو۔ اس نے جواب دیا ہاں میں خواجگی ہوں۔ اس شخص نے کہا جاؤ اپنا غلام لے آؤ۔ خواجگی نے دریافت کیا کہ غلام کہاں ہے؟ اس شخص نے کہا کہ شہر کڑہ کے کوتوال کے پاس ہے۔ اس نے غلام کو شراب

خانے سے گرفتار کر کے حوالات میں ڈال دیا ہے۔ غلام نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ میں خواجگی کا غلام ہوں۔ میرا آقا اودھ سے مال تجارت لے کر دہلی گیا ہے اور ابھی تک واپس نہیں لوٹا ہے۔ خواجگی اس شخص کے ساتھ کوتوال کے پاس گیا اور غلام کو سامان کے ساتھ حوالات سے لے آیا۔

خیر المجالس سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے مجلسِ سماع منعقد کی۔ چونکہ سلطان المشائخ کو اس شخص سے تعلقِ خاطر تھا اس لیے آپ بھی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ خاص و عام مخلوق آپ کے دیدار کے لیے امنڈ آئی۔ جب مجلس ختم ہوئی تو صاحبِ خانہ سخت پریشان ہوا کہ کھانا پچاس ساٹھ آدمیوں کی خوراک سے زیادہ نہیں ہے اور یہاں بے شمار خلقت موجود ہے کیسے کام چلے گا۔ آخر سوائے اس کے کوئی تدبیر نہ سوجھی کہ بن بلائے لوگوں کو باہر نکال دیا جائے۔ چنانچہ صاحبِ خانہ نے مجلس میں آکر بن بلائے لوگوں کو باہر نکالنا شروع کر دیا۔ سلطان المشائخ نے جب یہ حالت دیکھی تو صاحبِ خانہ سے دریافت کیا کہ تم کیا کر رہے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ کھانا کم ہے (اور آدمی زیادہ ہیں) اس لیے بے دعوت لوگوں کو باہر نکال رہا ہوں۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ یہ مناسب بات نہیں ہے، جو لوگ سماع میں شریک تھے انھیں کھانے میں بھی شریک رہنا چاہیے اور اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم جانو، میں بھی کھانا نہیں کھاؤں گا۔ اس کے بعد آپ نے دریافت کیا کہ تمھارے پاس کیا کھانا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ نان گوشت ہے۔ سلطان المشائخ نے اپنے خادم مبشر سے کہا جاؤ لوگوں کو کھانا کھلاؤ۔ خادم نے آپ کے تصرف باطنی کی بدولت تمام حاضرین کو اسی کھانے سے سیر کر دیا۔

خیر المجالس سے منقول ہے کہ [۱۰۱] سرساوے میں ایک شخص کا (سرکار کی طرف سے) وظیفہ مقرر تھا، اس کے گھر میں آگ لگ گئی اور اس کے وظیفے کا حکم نامہ بھی جل گیا۔ وہ شخص نئے حکم نامے کے لیے دوبارہ دہلی آیا اور کچھ رقم خرچ کر کے نیا فرمان حاصل کر لیا۔ اس نے فرمان کو پگڑی میں لپیٹ کر آستین میں رکھ لیا۔ جب جائے قیام پر آیا تو دیکھا کہ فرمان آستین میں نہیں ہے۔ اس نے خیال کیا کہ شاید فرمان راستے میں کہیں گر گیا ہے چنانچہ وہ جس راستے سے قیام گاہ آیا تھا اسی راستے سے واپس ہوا، لیکن وہ حکم نامہ اسے نہیں ملا۔ لاچار ہو کر غم زدہ حالت میں روتا ہوا سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ ایک بار میں نے اپنے لیے بطور بھیک سرکاری وظیفہ مقرر کرنے کا فرمان حاصل

کر لیا تھا (بد قسمتی سے) گھر میں آگ لگ گئی۔ گھر کے ساتھ وہ حکم نامہ بھی جل گیا۔ میں نے دوبارہ بطور بھیک حکم نامے کی تجدید کرائی (حفاظت سے) آستین میں رکھ لیا شاید راستے میں کہیں گر گیا۔ بہت تلاش کیا لیکن نہیں ملا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا مولانا اگر تم تھوڑی سی شیرینی شیخ فرید الدین گنج شکر کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے نذر کرو تو تمھیں وظیفے کا فرمان مل جائے گا اس شخص نے آپ کی بات مان لی اس دوران میں کچھ مسافر آ گئے شیخ ان سے باتیں کرنے لگے اور وہ شخص اسی طرح شکستہ اور مغموم دل کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھا رہا۔ جب آپ نے اس کو اس حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے خواجہ اگر شیرینی لے آؤ تو گم شدہ حکم نامہ مل جائے گا۔ وہ عالم اپنی جگہ سے اٹھے۔ ان کے پاس صرف ایک ششکانی سکّہ تھا۔ اسے حلوائی کو دیا کہ اس کا حلوہ دے دو۔ سلطان المشائخ کی حیات میں یہ طریقہ تھا کہ مٹھائی بیچنے والے کاک والے (نانبائی) اور پھول والے خانقاہ کے دروازے پر صف بہ صف بیٹھتے تھے اور اپنی دکان لگاتے تھے الغرض حلوائی نے حلوہ تول کر (گڈی میں سے) ایک کاغذ کھینچا تاکہ اسے پھاڑ کر اس میں حلوہ لپیٹ کر خریدار کو دے وہ کاغذ وظیفہ کا حکم نامہ تھا۔ مولوی صاحب اس کاغذ کو پہچان کر چیخے، اس کے ٹکڑے نہ کرو [۱۰۲] مجھے یہ کاغذ درکار ہے۔ حلوائی نے وہ کاغذ مولوی صاحب کے حوالے کر دیا۔ مولوی صاحب حلوہ اور کاغذ لے کر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر خوش و خرم اپنے وطن چلے گئے۔

نفحات الانس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے خاصی بڑی رقم کی دستاویز گم کر دی۔ وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور دستاویز گم ہو جانے کا ماجرا بیان کیا اور اپنی پریشانی اور بے چینی ظاہر کی۔ آپ نے اسے ایک درم عطا کیا اور فرمایا اس کا حلوہ خرید کر درویشوں میں تقسیم کر دو۔ وہ شخص درم لے کر حلوائی کی دکان پر آیا حلوائی نے ایک کاغذ میں حلوہ لپیٹ کر اسے دیا وہ کاغذ اس شخص کی گمشدہ دستاویز تھی۔ اپنی دستاویز پا کر وہ بے حد خوش ہوا۔

نفحات الانس سے منقول ہے کہ ایک شخص کے کسی شخص پر سو دینار واجب تھے۔ اس سلسلے میں اس نے مقروض سے ایک دستاویز بطور ثبوت لکھوائی تھی۔ جب ادائیگی کا وقت آیا تو دستاویز کہیں گم ہو گئی۔ وہ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے میٹھا بہت پسند ہے۔ جا کر میرے لیے ایک رطل حلوہ

لاؤ میں کھا کر دعا کروں گا۔ اس نے حلوہ خریدا اور کاغذ میں لپٹے ہوئے حلوے کو آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ وہی کاغذ اس کا گمشدہ معاہدہ تھا۔ آپ نے وہ کاغذ اس شخص کے حوالے کیا اور فرمایا کہ حلوہ بھی تم لے جاؤ خود کھاؤ اور اپنے بچوں کو بھی کھلاؤ۔ اس نے کاغذ لیا اور چلا گیا۔

نفحات الانس سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشایخ وضو کر کے ڈاڑھی میں کنگھا کرنا چاہتے تھے کنگھا طاق میں تھا اور اس وقت کوئی خادم بھی نہ تھا جو کنگھا لا کر آپ کو دیتا۔ کنگھے نے خود اپنی جگہ سے حرکت کی اور آپ کے ہاتھ میں آگیا۔

سیر الاولیا میں ہے کہ قاضی محی الدّین کاشانی فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں گھر سے وضو کر کے سلطان المشایخ کی خدمت میں پہنچا۔ میرے دل میں شک پیدا ہوا کہ [۱۰۳] میں نے تازہ وضو کیا ہے یا نہیں۔ آپ نے میری تشویش کو اپنے نورِ باطن سے معلوم کر لیا اور فرمایا کہ ایک روز سیّد اجل کا بیٹا میرے پاس آیا میں نے اس سے جو بات کی اسے حاضر نہ پایا۔ میں نے اس سے کہا، سیّد کیا حال ہے جو تم ٹھیک سے باتیں نہیں کر رہے ہو۔ اس نے کہا، مخدوم میں گھر سے وضو کر کے چلا تھا۔ اب دل میں بار بار یہ خیال آرہا ہے کہ میں نے تازہ وضو کیا ہے یا نہیں۔ میں نے کہا سیّد جاؤ وضو کرو اور اطمینان سے بیٹھو۔ جب سلطان المشایخ نے یہ حکایت ختم کی تو میں اُٹھا اور عرض کیا کہ اے مخدوم اس وقت میرا معاملہ بھی اسی قسم کا ہے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا جاؤ وضو کرو اور اطمینان کے ساتھ آؤ۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ دو مرید سلطان المشایخ کی خدمت میں ایک ساتھ حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نے توجہ اور احتیاط سے وضو نہیں کیا تھا۔ آپ نے فرمایا، وضو ہمیشہ احتیاط سے کرنا چاہیے کہ الوضو سرّ من اسرار اللہ یعنی وضو اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص سلطان المشایخ کے لیے کھانا لایا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ اگر شیخ اپنے مبارک ہاتھ سے میرے منہ میں نوالہ دیں تو بڑی کامرانی کی بات ہوگی۔ جب حاضری کی سعادت سے مشرف ہوا تو دسترخوان بڑھایا جا چکا تھا اور آپ پان کھا رہے تھے۔ آپ نے اپنے منہ کا پان اس کے منہ میں رکھ دیا اور فرمایا، یہ اس سے بہتر ہے۔

سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے کہ خواجہ ابوبکر جو سلطان المشایخ کی مصلّے برداری کے

مرتبے سے مشرف تھے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آپ نے مجھ کو اپنا جبّہ خاص عطا فرمایا۔ میں شکرانے کا انتظام کرنے لگا۔ میرے ایک دوست نے کہا، شکرانہ پیش نہ کرو وہ اس جبّے کی قیمت سے زیادہ بیٹھے گا۔ میں اس دوست کی بات سے مکدّر ہو گیا۔ جب میں نے شیخ کی خدمت میں شکرانہ پیش کیا تو آپ نے خادم سے فرمایا کہ ان سے ایک سیر گھی لے لو۔ میں نے درخواست کی حضرت یہ سب قبول فرمالیں۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ یہ جبّہ اس شکرانے میں تمھیں مہنگا پڑے گا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ [۱۰۴] سلطان المشایخ کے مریدوں میں سے ایک مرید کے دل میں خیال گزرا کہ اگر شیخ مجھے اپنے افطار کا بچا ہوا پانی عطا فرمائیں تو یہ آپ کی کرامت ہوگی۔ اسی لمحے شیخ نے بچا ہوا پانی اس مرید کو عطا کیا، وہ آپ کا (زیادہ) معتقد ہو گیا۔

چشتیہ بہشتیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مولانا وجیہ الدّین پایلی سلطان المشایخ کی زیارت کے لیے جا رہے تھے۔ انھیں راستے میں ایک زاہد صورت بوڑھا شخص ملا۔ اس نے ہر علم کے چند مسئلے علمی انداز میں مولانا سے دریافت کیے۔ مولانا نے اپنے کمالِ علم کی بنا پر ہر سوال کا شافی جواب دیا۔ اس کے بعد اس بوڑھے شخص نے کہا، میں نے کئی مرتبہ سلطان المشایخ کو دیکھا ہے، وہ کچھ زیادہ علم نہیں رکھتے۔ آپ اس قدر فضیلت رکھنے کے باوجود ان کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ مولانا نے جواب دیا، آپ کو معلوم نہیں ہے کہ وہ علم لدنّی[۴] رکھتے ہیں۔ اس بوڑھے نے کہا، شیخ جاہل ہیں، تب مولانا سمجھ گئے کہ یہ ابلیس ہے، انھوں نے فوراً ہی کلمہ لاحول پڑھا۔ شیطان غایب ہو گیا۔ جب مولانا سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا، مولانا تم نے اس بوڑھے کو خوب پہچانا ورنہ وہ تمھیں راستے سے بھٹکا دیتا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ مولانا بہرام جو شیخ نجیب الدّین متوکل کے نواسے تھے فرماتے تھے کہ میں نے سلطان المشایخ کو خواجہ قطب الدّین اوشی کے مزار پر انتہائی مشغولی میں دیکھا۔ جب دن نکلا تو میں نے دیکھا کہ آپ بہت خوش ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اس قدر خوشی کا سبب کیا ہے؟ فرمایا کہ (حق تعالیٰ نے) رات کو مجھے دکھایا کہ جس نے مجھے ایک بار بھی دیکھا ہے اس کی بخشش فرمادیں گے۔

سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک بزرگ نے سلطان المشایخ کو خواب میں دیکھا

کہ آپ ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا (حق تعالیٰ) دنیا میں مجھ سے خلقت کو وظیفے دلواتا ہے پھر قبول فرما کر اس کے عوض ہزار دوزخی روزانہ بخش دیتا ہے [۱۰۵] اور جنت میں داخل کر دیتا ہے۔

امیر خسروؒ سلطان المشایخ کے خاص مریدوں میں تھے۔ انھوں نے اپنی تصنیف افضل الفواید کے دیباچے میں، جو سلطان المشایخ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، تحریر کیا ہے کہ میں نے جس روز سلطان المشایخ سے بیعت کی اس روز اپنے دل میں سوچ لیا کہ میں جب خواجۂ راستیں کے آستانے پر جاؤں گا تو باہر دروازے پر بیٹھا رہوں گا۔ اگر خواجہ خود یاد فرمائیں گے اور اندر بلائیں گے تو شرفِ بیعت سے مشرف ہوں گا۔ الغرض جب میں بندہ نواز کے آستانے پر پہنچا تو باہر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ خواجہ کے خادم مبشر باہر آئے اور پکارے کہ ایک عزیز خسرو نام کے آئے ہیں ان کے لیے فرمان ہے کہ اندر آجائیں میں اُٹھا اور مبشر کے ساتھ اندر گیا اور اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ فرمایا سر اُٹھاؤ۔ میں نے اپنا سر اُٹھایا خواجہ نے مہربانی فرمائی اور فرمایا، خوب آئے، آؤ بیٹھو جب میں نے یہ کرامت دیکھی تو اسی وقت بیعت کی سعادت سے مشرف ہوا اور اپنے آپ کو خواجہ کے پلّے میں ڈال دیا۔ خواجہ نے مجھے اپنی خاص بارانی عطا فرمائی اور کلاہِ چہار ترکی میرے سر پر رکھی۔ بندے پر بے حد عنایت اور شفقت فرمائی۔

امیر حسنؒ اپنی تصنیف فواید الفواد میں بیان کرتے ہیں کہ ایک روز بندے کے دل میں اس خیال سے پریشانی تھی کہ ایک شخص نے حضرت سلطان المشایخ کی خدمت میں میرے لیے نازیبا بات کہی تھی۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ پر ازراہِ کشف میرے دل کی حالت معلوم ہو گئی۔ آپ نے سب سے پہلی بات یہ فرمائی کہ اگر کوئی شخص دوسرے شخص سے کسی کی برائی کرتا ہے تو سننے والے کو اتنا ضرور غور کرنا چاہیے کہ کہنے والے نے سچ کہا ہے یا جھوٹ یا اس بدگوئی میں اس کی کوئی غرض تو شامل نہیں ہے۔ جب بندے نے خواجہ کے یہ کلمات سنے تو عرض کیا کہ ہم غلاموں کا آپ پر بھروسہ ہے۔ میں اپنا حال کیا بیان کروں، مخدوم کا باطن اس سے خوب آگاہ ہے۔ [۱۰۶]

افضل الفواید سے منقول ہے کہ ایک روز سلطان المشایخ خانقاہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے کہ ملک محمد غیاث پوری تین دوسرے دوستوں کے ساتھ حاضر ہوا اور اپنا سر زمین پر رکھا۔ آپ نے فرمایا، بیٹھو، وہ آداب و تسلیمات بجالا کر بیٹھ گیا آپ نے خواجہ

اقبال کو حکم دیا کہ وہ حریرہ جو تمھارے پاس رکھا ہوا ہے لاؤ اور ملک محمد کے سامنے رکھو، خواجہ اقبال نے حکم کی تعمیل کی اس کے بعد آپ نے فرمایا وہ مصری اور کھجور جو موجود ہیں ان تینوں دوستوں کو دو۔ خواجہ نے اس حکم کی بجاآوری کی۔ چاروں دوست اٹھے اور اپنے سر زمین پر رکھ دیے اور عرض کیا کہ جو کچھ ہمارے دل میں تھا ہمیں مل گیا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ رکن الدّین فردوسی[۵] نے اپنے تین مریدوں کو سلطان المشائخ کی خدمت میں (اس درخواست کے ساتھ) بھیجا کہ میں نے شیخ الشیوخ شیخ فرید الدّین گنج شکر کی روح کو ایصال ثواب کے لیے کھانا پکوایا ہے، ازراہِ عنایت تشریف لائیں۔ ان تینوں میں سے ایک نے کہا کہ اگر سلطان المشائخ صاحبِ کرامات ہیں تو مجھے کھانے کی کوئی چیز اور چاندی عنایت فرمائیں گے۔ دوسرے نے کہا مجھے کپڑا دیں گے تیسرے نے کہا میں بزرگوں کی کرامت کا امتحان پسند نہیں کرتا۔ جب تینوں سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے شیخ رکن الدّین کا پیغام آپ کی خدمت میں عرض کیا، آپ نے فرمایا ہم نے خود شیخ الشیوخ العالم کی روح کو ایصال ثواب کے لیے کھانا پکوایا ہے (اس لیے) حاضر نہ ہو سکیں گے تاہم ہمارا دل آپ کی طرف لگا رہے گا۔ اس اثنا میں ایک شخص دہی کی ایک ہانڈی اور چاندی کے چار تنکے نذر کے لیے لایا۔ آپ نے خادم کو حکم دیا کہ یہ سب اس شخص کو دو۔ یہ وہی شخص تھا جس نے کھانے کی کوئی چیز اور چاندی عنایت کرنے کے لیے کہا تھا۔ (اس کے بعد) حکم دیا کہ اندر سے کپڑا لاکر دوسرے شخص کو دو۔ یہ وہی تھا جس نے کپڑا عطا کرنے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ تیسرے مرید سے آپ نے فرمایا کہ فقرا کی خدمت میں اسی طرح آنا چاہیے جس طرح تم آئے ہو پھر اسے سونے کے دو تنکے عطا فرمائے۔

سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے کہ شیخ رکن الدّین فردوسی [۱۰۷] سلطان المشائخ سے چنداں اخلاص نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے شہر میں سکونت ترک کر کے دریائے جمنا کے کنارے، سلطان المشائخ کی خانقاہ کے قریب اپنا تکیہ تعمیر کر لیا تھا اور وہاں اپنی مشیخت کی بنیاد ڈال لی تھی۔ ان کے فرزندوں اور ملازموں کو سلطان المشائخ سے سخت عداوت تھی، چنانچہ ان کے جوان بیٹے اکثر اوقات کشتی میں سوار ہو کر ناچتے گاتے اور صوفیوں کی نقل اتارتے ہوئے، خانقاہ کے نیچے سے گزرتے تھے۔ ایک روز سلطان المشائخ خانقاہ کے بالاخانے پر ذکر و شغل میں مشغول تھے کہ آپ کے کانوں میں سماع کے شور و غل کی آواز پڑی آپ

نے آنکھ کھول کر دیکھا کہ شیخ رکن الدین کے بیٹے اہل سماع کی نقل کر رہے ہیں۔ آپ نے تیز نگاہوں سے کشتی کی طرف دیکھا اور فرمایا! سبحان اللہ! ایک شخص ہے جس نے اس راہ میں خون دل کھایا ہے اور دوسرے ہیں کہ اس کی نقل اتارتے ہیں۔ پھر آپ نے دستِ غضب آستین سے نکالا اور کشتی کے ڈوبنے کا اشارہ کیا۔ فی الفور کشتی پانی میں غرق ہو گئی۔[٦]

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک عالم سلطان المشائخ سے بیعت کرنے کے ارادے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اپنے نورِ باطن سے معلوم کر لیا کہ اس کی نیت درست نہیں ہے آپ نے اس سے کہا، سچ سچ بتاؤ تم کس نیّت سے میرے پاس آئے ہو پہلے تو وہ خاموش رہا پھر خود ہی کہہ دیا کہ ناگور میں میرے پاس ایک قطعہ زمین ہے وہاں کا حاکم مجھے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ سلطان المشائخ مسکرائے اور فرمایا اگر میں تمھیں ایک سفارشی خط لکھ کر دوں تو تم بیعت کے ارادے سے باز رہو گے۔ اس نے اقرار کیا آپ نے اسی وقت رقعہ لکھ کر اس کے حوالے کیا اور اس کا مقصد پورا ہو گیا۔

سیر الاولیا میں ہے کہ ایک رات سلطان المشائخ اسرارِ الٰہیہ سے متعلق ایک کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے اور اس کے بعض مطالب اپنے قلم سے لکھتے بھی جاتے تھے۔ یکایک قلم آپ کے ہاتھ سے نکل پڑا اور اپنے نوکِ سر کو زمین پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے جانا کہ آج کی شب، شبِ قدر ہے، چنانچہ اس شب کی سعادت [۱۰۸] آپ کو حاصل ہوئی۔ شعر

امشب شبِ قدر تست بشتات[٧]

قدرِ شبِ قدرِ خویش دریاب

(ترجمہ) آج کی شب تیری شبِ قدر ہے (لہٰذا) جلدی کر (اور) اپنی عزت والی رات کا انعام حاصل کر لے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک رات سلطان المشائخ کے دل پر یہ شعر القا کیا گیا۔

در نمانیم عذرِ ما بپذیر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ[٨]

(ترجمہ) اگر ہم زندہ نہ رہے تو ہمارا عذر قبول فرما، افسوس بہت سی آرزوئیں تھیں کہ مٹی میں مل گئیں۔

آپ بار بار اس شعر کو پڑھتے رہے کہ اچانک ایک عورت آپ کے سامنے نمودار ہوئی۔ اس نے بہت عاجزی کی اور گڑگڑائی اور عرض کیا، آپ کو یہ شعر نہیں پڑھنا چاہیے (اس عورت کے رویے سے) سلطان المشایخ نے جان لیا کہ یہ دنیا ہے اور یہ نہیں چاہتی کہ مجھ سے جدا ہو آپ نے اس سے اپنا منہ پھیر لیا۔

سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے کہ خواجہ مبارک گوپاموی جو سلطان المشایخ کے قدیم مخلصوں میں تھے بیان کرتے تھے کہ میں جب بھی گوپامو سے سلطان علاء الدین کے پاس آتا تھا وہ مجھے بیش قیمت لباس عطا کرتا تھا ایک مرتبہ میں اس کے پاس گیا تو اس نے مجھے دو سفید کپڑے دیے میں بہت بددل ہوا۔ جب سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے میری طرف رخ کر کے فرمایا

تحفۂ شاہ بس عزیز بود
گرچہ دینار یا پشیز بود

(ترجمہ) بادشا کا عطا کردہ تحفہ گراں قدر ہوتا ہے، خواہ وہ اشرفی یا سب سے چھوٹا سکّہ ہو۔

یہ شعر سن کر میرے دل کو اطمینانِ کلّی حاصل ہو گیا۔

فواید الفواد سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ امیر حسن (حسن علا سجزیؒ جامع فواید الفواد) اپنی تنخواہ رک جانے کے سبب پریشان تھے۔ جب وہ سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اپنے نور باطن سے ان کی پریشان حالی کو معلوم کر لیا اور ان کی قلبی کیفیت کے مناسب یہ حکایت بیان فرمائی۔

"کسی شہر میں ایک برہمن تھا جس کے پاس بے اندازہ مال و دولت تھی۔ اس شہر کے حاکم نے اسے کسی الزام میں گرفتار کیا اور اس کی تمام دولت و ملکیت ضبط کر لی۔ (بعد میں) اسے رہا کر دیا۔ ایک دن وہ برہمن ایک راستے سے گزر رہا تھا کہ ایک دوست سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ دوست نے اس سے خیریت دریافت کی برہمن نے کہا، خوش و خرّم ہوں۔ دوست نے کہا تمام مال واسباب [۱۰۹] تم سے چھین لیا گیا ہے اور تم کہتے ہو کہ خوش و خرّم ہوں۔ برہمن نے جواب دیا، لیکن میرا زنّار (دین دھرم) تو میرے پاس ہے۔ اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد سلطان المشایخ امیر حسن سے مخاطب ہوئے اور فرمایا، اس حکایت کو بیان کرنے کی وجہ تمھیں معلوم ہو گئی۔ انھوں نے عرض کیا، جی ہاں اس حکایت کو سننے سے

باطن کو یہ مدد ملی کہ اگر تمام دنیا ہاتھ سے چلی جائے تو جائے لیکن باری تعالیٰ کی محبت ہر حال میں قائم رہنی چاہیے۔

سیرالاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشایخ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے ارادہ کیا تھا اور پکی نیت کی تھی کہ آئندہ نہ میں کسی سے کوئی کتاب نقل کراؤں گا اور نہ قیمتاً خریدوں گا۔ اسی زمانے میں ایک شخص میرے پاس امام محمد غزالی کی تصنیف اربعین قیمتاً خریدنے کے لیے لایا۔ مجھے وہ کتاب پسند آئی اور میں نے اسے خریدنا چاہا کہ معاً مجھے اپنا ارادہ اور نیت یاد آ گئے چنانچہ میں نے کتاب اس شخص کو واپس کر دی لیکن میں نے محسوس کیا کہ میرا دل کتاب کی طرف مائل ہے۔ ابھی چند دن ہی گزرے ہوں گے کہ ایک شخص نے وہی کتاب مجھے ہدیتاً پیش کی میں نے اسے عطیہ الٰہی جان کر قبول کر لیا۔

سیرالاولیا سے منقول ہے کہ خواجہ منہاج جو سلطان المشایخ کے خاص مرید تھے، بیان کرتے تھے کہ ایک رات میں سلطان المشایخ کی خانقاہ کی دہلیز میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کی چارپائی مقررہ دستور کے مطابق خانقاہ کے بالاخانے کے صحن میں بچھا دی گئی تھی اور نمگیرا اس پر تان دیا گیا تھا۔ خواجہ چارپائی پر محو خواب تھے۔ جب رات کا بیشتر حصہ گزر چکا تو میں نے دیکھا کہ خواجہ کی چارپائی کے اوپر سے ایک شعلۂ نور برآمد ہوا اور آسمان تک سیدھا چلا گیا اور اس کی روشنی سے خانقاہ کے صحن سے جمنا کنارے تک سارا علاقہ روشن ہو گیا۔ اس منظر سے مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی میں ایک کونے میں دبک گیا اور جھوٹ موٹ کا سویا ہوا آدمی بن گیا۔

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) مولانا بدرالدین زنجانی جو سلطان المشایخ کے مریدوں میں تھے، بہتے دریا کے کنارے کنارے چل رہے تھے۔ ان کی وہ کلاہ جو سلطان المشایخ نے انھیں عطا فرمائی تھی دریا میں ڈوب گئی وہ اسی جگہ کنارے پر اس عزم کے ساتھ بیٹھ گئے [۱۱۰] کہ اس غم میں اپنی جان سے گزر جائیں گے اور خود کو اس کلاہ پر قربان کر دیں گے۔ انھیں تھوڑی دیر کے لیے اونگھ آ گئی انھوں نے دیکھا کہ حضرت شیخ اس مقام پر تشریف لائے ہوئے ہیں اور آپ کے ہاتھ میں وہی کلاہ ہے۔ آپ نے شفقت فرماتے ہوئے وہ کلاہ انھیں عطا فرمائی۔ جب وہ خواب سے جاگے تو دیکھا کہ وہی غرق شدہ ٹوپی ان کے ہاتھ میں تھی۔

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ جس زمانے میں سلطان علاء الدین مغلوں کے حملوں

سے تشویش میں مبتلا تھا اور خود مغلوں سے مقابلہ کرنے کے لیے لشکر لے کر نکلا تھا تو عماد الملک کے وکیل خواجہ ضیاء الدین جو سلطان المشایخ کے مرید تھے، لشکر سے یہ عرضداشت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ مسلمانوں پر شدید مصیبت آن پڑی ہے اگر حضرت توجہ فرمائیں تو انھیں فتح نصیب ہوگی۔ سلطان المشایخ نے اپنے بعض مریدوں کو ہدایت کی کہ وہ مسلمانوں کی فتح کے لیے (دعا میں) مشغول ہوں۔ ان مریدوں میں سے ایک مرید اسی دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیان کیا کہ مجھے (مراقبے میں) دکھایا گیا کہ مسلمانوں کے لشکر میں ایک نوجوان گھوڑے پر سوار کھڑا ہوا ہے اور (ایک غیبی آواز) ہم سے کہہ رہی ہے کہ ہم نے یہ لشکر اس نوجوان کی پناہ میں دے دیا ہے۔ آپ نے اس مرید سے دریافت کیا کہ جس جوان کو تم نے دیکھا ہے اسے پہچانتے ہو۔ اس نے عرض کیا جی ہاں پہچانتا ہوں۔ اسی اثناء میں خواجہ ضیاء الدین گھوڑا دوڑاتے ہوئے مسلمانوں کی فتح کی خبر لے کر پہنچے۔ سلطان المشایخ نے اس مرید سے پوچھا کیا یہی وہ جوان ہے۔ اس نے زمیں بوس ہو کر عرض کیا جی ہاں یہی ہیں۔ یہ خواجہ ضیاء الدین منشی تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی راہ منشی کے لیے بند نہیں ہے۔ ہاتھ[۹] کام میں مصروف رہیں اور دل محبوب کی یاد میں مشغول رہے۔ (واضح ہو کہ) غیاث پور میں دریائے جمنا کے کنارے سلطان المشایخ کی خانقاہ ان ہی خواجہ ضیاء الدین نے تعمیر کرائی تھی۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ ایک ترک کو گھوڑا راس نہیں آتا تھا۔ وہ جب کبھی گھوڑا خریدتا[۱۰] [۱۱۱] وہ مر جاتا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک گھوڑا فروخت کیا اور رقم لے کر سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا، یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے چند بار گھوڑے خریدے اور بیچے لیکن یہ کاروبار مجھے راس نہیں آیا اس مرتبہ میں نے ایک گھوڑا فروخت کیا اس کی رقم لے کر خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ اسے قبول فرما لیں۔ سلطان المشایخ نے فرمایا کہ مجھ کو اس رقم کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا یہ عمل مجھے پسند نہیں آیا۔ پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ ذرا جمنا کی طرف نگاہ کرو اس نے جمنا کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ دریائے جمنا سونے چاندی کے تنکے بہائے ہوئے جا رہی ہے۔ ترک نے اپنا سر زمین پر رکھا اور واپس چلا گیا۔

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک جوان سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رونے لگا۔ آپ نے دریافت فرمایا کیوں روتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ میرے

والد بہت بدکار شخص تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا ہے، معلوم نہیں ان پر کیا گزر رہی ہوگی۔ آپ نے فرمایا تمھارے والد کبھی میرے پاس آئے تھے یا انھوں نے کبھی مجھے راستے میں دیکھا ہے؟ اس جوان نے کہا نہیں ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا وہ کبھی غیاث پور سے گزرے ہیں۔ اس نے عرض کیا جی ہاں! ایک مرتبہ کسی کاروبار کی غرض سے غیاث پور آئے تھے۔ آپ نے فرمایا، ان کی نجات کے لیے اسی قدر کافی ہے۔ سبحان اللہ! حق تعالیٰ نے سلطان المشائخ کو کس قدر کرامت اور بزرگی سے نوازا ہے کہ جو کوئی غیاث پور سے کہ آپ کا مسکن تھا گزر جائے اسے عذابِ دوزخ سے رہائی حاصل ہو جائے۔ (اس پر قیاس کریں کہ) جو شخص آپ کا مرید ہو کر آپ کے سلسلے میں داخل ہوا ہوگا اسے کیا کیا درجات و مراتب عطا ہوئے ہوں گے۔

چشتیہ بہشتیہ سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ کے مریدوں میں ایک تاجر تھا۔ اس کا کوئی وارث نہ تھا۔ ایک روز اس نے حضرت سے فرزند پیدا ہونے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ سماع کے وقت حاضر ہونا۔ ایک مرتبہ خواجہ حالتِ سماع میں تھے اور وجد کی کیفیت طاری تھی [۱۱۲] کہ وہ تاجر حاضر ہوا۔ خواجہ نے اپنی پشت اس کی پشت سے رگڑ دی۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اسے فرزند عطا فرمایا۔ جب نومولود کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اسے اپنی گود میں لیا۔ جب تک وہ بچہ آپ کی گود میں رہا، اس وقت تک اس کی نگاہ آپ کے چہرے پر جمی رہی حاضرینِ مجلس یہ منظر دیکھ کر سخت حیران ہوئے خواجہ نے بچے پر شفقت اور مہربانی فرمائی اور اپنے لباس میں سے ٹکڑا علیحٰدہ کر کے بچے کے لیے عنایت کیا اور شیخ نصیر الدّین محمود سے فرمایا کہ تم اس بچے کو اپنا خلیفہ اعظم بناؤ گے کہ یہ میرا فرزند حقیقی ہے"۔ شیخ نصیر الدّین محمود نے اس بچّے کی تربیت کی اور پیران چشت کی خلافت سے مشرف فرمایا اور مقصودِ اصلی تک پہنچایا۔ یہ بچّے شیخ صدر الدّین حکیم تھے جو مشاہیر بزرگوں میں سے تھے۔ خواجگانِ چشت کے سلسلے کو ان سے ترقی ملی۔ شیخ صدر الدّین کو "طبیبِ دل" بھی کہتے ہیں۔ ان کا مزار مبارک شیخ نصیر الدّین محمود چراغ کے روضے کے قریب جوان کے شیخ تھے، مخلوق خدا کی زیارت گاہ ہے۔ ان اوراق کا لکھنے والا محمد بلاق چند مرتبہ ان کے مزار مبارک پر مراقب ہوا ہے اور فیض حاصل کیا ہے اور مقصود اصلی تک پہنچا ہے۔ یہ جگہ فیض سے معمور ہے۔ طالبین کو چاہیے کہ وہاں حاضر ہو کر مشاہدہ کریں۔ بے شک وشبہ وہ قبر میں بیٹھے ہوئے دردمندوں کے دل کا علاج کرتے ہیں اور قیامت تک

کرتے رہیں گے۔ شعر

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد

اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

(ترجمہ) کون سا عاشق ایسا ہے جس کے حال پر محبوب نے نگاہِ کرم نہیں کی۔ اے خواجہ (کسی کے دل میں) درد ہی نہیں ہے ورنہ علاج کرنے والا تو ہے۔

مراتب سلوک کا بیان

امیر خسرو نے اپنی تصنیف، راحت المحبین میں تحریر کیا ہے کہ ایک روز سلطان المشایخ کی مجلس میں ذکر ہوا کہ سلوک کے کتنے درجے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بعض مشایخ نے [۱۱۳] سلوک کے سو درجے مقرر کیے ہیں، ان میں سترھواں درجہ کشف و کرامات کا ہے۔ چنانچہ جس سالک نے سترھویں درجے میں کرامت ظاہر کی وہ بقیہ تراسی درجوں کی سعادت کس طرح حاصل کر سکے گا۔ لہٰذا اسے تحمل کرنا چاہیے کہ وہ اس درجے میں (سترھویں درجے میں) ضبط سے کام لے تاکہ اوپر کے درجوں میں ترقی کر سکے۔ جب (سالک) سویں درجے تک پہنچ جاتا ہے تو اظہارِ کرامت اس کی عادت بن جاتی ہے۔ خواجہ بایزید بسطامی اور شاہ شجاع کرمانی نے سلوک کے پچاس درجے مقرر کیے ہیں، ان میں دسواں درجہ کشف و کرامت کا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک جو سالک دسویں درجے تک پہنچ جائے اس کے لیے روا ہے کہ اپنا کشف ظاہر کرے لیکن ہمارے مشایخ (خواجگانِ چشت) کے نزدیک سلوک کے کل مراتب پندرہ ہیں، ان میں پانچواں درجہ کشف و کرامت کا ہے پس جو سالک پانچویں درجے میں اٹکا رہے وہ بقیہ دس درجوں تک کس طرح ترقی کر سکے گا چنانچہ سالک کو چاہیے کہ وہ تحمل سے کام لے تاکہ پندرہ درجوں تک رسائی حاصل کر سکے۔ جب وہ پندرہویں درجے میں قدم جما لے گا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کشف و کرامت اس کی عادت بن جائے گی۔ جان لیں (کہ بغیر توفیق الٰہی) کوئی شخص کرامت پر قادر نہیں ہے۔

جان لینا چاہیے کہ اولیا اللہ صاحبِ کرامت بھی ہوتے ہیں اور صاحبِ تصرف بھی۔ کرامت یہ ہے کہ مخفی باتوں کا علم ہو جائے اور تصرف یہ ہے کہ واقعات تبدیل کرنے پر قدرت ہو یعنی مردے کو زندہ اور زندے کو مردہ کر دے۔ سونے کو پتھر اور پتھر کو سونا بنا دے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بھی اس مقام کا ذکر ہوا ہے کہ جب کوئی ولی غوثیت،

قطبیت اور فردیت کے مراتب طے کر کے محبوبیت کے مرتبے میں پہنچتا ہے اس کی ذات پاک مظہرِ الٰہی بن جاتی ہے۔ اس کا ارادہ حق سبحانہ کا ارادہ ہو جاتا ہے پس ہر قول اور ہر فعل جو اس سے وقوع میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا مقدور ہوتا ہے، چنانچہ اس کی وضاحت غوث، قطب، افراد اور محبوبیت کے مراتب میں پیش کی جائے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ [۱۱۴]

ابدال، اوتاد، قطب، غوث اور افراد وغیرہ قدس اللہ اسرارہم کے احوال کا مختصر بیان

محمد جعفر مکّی خلیفۂ خاص شیخ نصیر الدّین محمود نے اپنی تصنیف بحر المعانی میں تحریر کیا ہے بلکہ اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کیا ہے کہ ہر زمانے اور عصر میں "قطبِ عالم" ایک ہی ہوتا ہے۔ جملہ موجودات کا وجود، خواہ ان کا تعلق اہلِ دنیا سے ہو یا اہلِ آخرت یعنی عالم علوی و سفلی کے لوگوں سے ہو، اسی کے وجود سے قائم رہتا ہے اور قطبِ عالم اپنا وجود حق تعالیٰ کے فیض سے قائم رکھتا ہے۔ قطبِ عالم کو "قطبِ مدار" اور "قطب ارشاد" بھی کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں عالم کا مدار اور رہنمائی قطبِ عالم پر منحصر ہے۔ آسمان اور زمین میں اس کا نام "عبداللہ" ہوتا ہے۔ خواہ ظاہر میں اس کا نام کچھ اور ہو۔ اس قطبِ مدار کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ ایک دائیں ہاتھ کی جانب اور دوسرا بائیں ہاتھ کی جانب۔ دائیں ہاتھ کی جانب وزیر کا نام "عبدالملک" اور بائیں ہاتھ کی جانب وزیر کا نام "عبدالرب" ہوتا ہے عبدالملک قطبِ مدار کی روح سے فیض حاصل کرتا ہے اور اس کا افادہ عالمِ علوی کو پہنچاتا ہے اور عبدالرب قطبِ مدار کے دل سے فواید حاصل کرتا ہے اور اس کا افادہ عالم سفلی کو پہنچاتا ہے۔ جب قطبِ مدار دنیا سے رحلت کرتا ہے تو دائیں ہاتھ کی جانب کا وزیر عبدالملک اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے اور بائیں طرف کا وزیر عبدالرب ترقی کر کے عبدالملک کا قائم مقام ہو جاتا ہے اور ابدالوں میں ایک ابدال جو اسرافیل کے مشرب پر ہوتا ہے، عبدالرب کا قائم مقام ہوتا ہے۔ ابدالوں سے متعلق تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔ بہر حال (قطبِ مدار کی رحلت اور اس کی قائم مقامی کا) یہ سلسلہ قیامت کے دن تک باقی رہے گا۔

جان لیں کہ تمام عالم میں کل بارہ اقطاب ہیں۔ سات قطب کرّہ زمین کے سات حصوں (ہفت اقلیم) میں ہوتے ہیں یعنی ہر حصے (اقلیم) کا ایک قطب ہوتا ہے۔ دوسرے پانچ قطب بھی روایت میں آئے ہیں۔ ان کو "قطبِ ولایت" کہتے ہیں۔ قطبِ اقلیم کو

"قطبِ اقلیم" کہا جاتا ہے۔

قطبِ مدار کا فیض اقطاب اقالیم پر، اقطابِ اقالیم کا فیض [۱۱۵] اقطاب ولایت پر اور اقطابِ ولایت کا فیض اولیا پر صادر ہوتا ہے اور یہ تاقیام قیامت اسی طور پر ایک دوسرے سے فیض حاصل کرتے ہیں۔

جب ولی ترقی کرتا ہے تو قطبِ ولایت کے مرتبے پر فائز ہوتا ہے۔ قطبِ ولایت ترقی کرتا ہے تو قطبِ اقلیم کا مرتبہ حاصل کرتا ہے اور قطبِ اقلیم وہ ابدال ہو جاتا ہے جو اسرافیل کے مشرب پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد (یہ ابدال) تین بار قطبِ مدار یعنی قطبِ عالم بنتا ہے۔

جب قطبِ مدار ترقی کرتا ہے تو "فردانیت" کے مقام پر پہنچ جاتا ہے یعنی "افراد" ہو جاتا ہے اور افراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشرب پر ہوتا ہے اور علیؓ حضرت رسول علیہ السلام کے مشرب پر ہیں۔

افراد کے گروہ کی تعداد معیّن نہیں ہے۔ یہ کبھی کم ہوتے ہیں کبھی زیادہ ہوتے ہیں لیکن مخلوق کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ قطبِ مدار اور بعض اقطاب انھیں جانتے ہیں۔ جب افراد ترقی کرتا ہے تو "قطبؒ حقیقی" کے مقام پر پہنچتا ہے۔ قطبِ حقیقی کا مقام معرفت کا مقام ہے۔

اس مقام میں تمام اولیائے الٰہی میں سے دو شخص معشوقی یعنی محبوبی کے مرتبے پر فائز ہیں۔ ایک شیخ المسلمین شیخ محی الدّین عبدالقادر جیلانی اور دوسرے سلطان المشایخ شیخ نظام الدّین محمد بدایونی قدس اللہ اسرارہما ان دونوں بزرگوں کو راہِ سلوک میں بہت جلد ترقی حاصل ہوئی۔ سیّد محمد جعفر مکی بھی اپنی تصنیف بحرالمعانی میں بیان کرتے ہیں کہ ایک روز یہ فقیر دریائے نیل میں کشتی پر خضر علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ حق تعالیٰ کے محبوبوں کے بارے میں بات نکلی انھوں نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر گیلانی اور شیخ نظام الدّین بدایونی قدس سرہما، معشوقی کے مقام میں تھے اور یہ بھی فرمایا کہ واللہ نظام الدّین بدایونی اور عبدالقادر گیلانی کی مثل اس نیلے آسمان کے نیچے نہ کوئی پیدا ہوا، اور نہ ہوگا۔ مقام معشوقی (مقامِ) غیرت ہے۔ اس مختصر رسالے میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔ و فہم من فہم یعنی جس نے سمجھ لیا اس نے سمجھ لیا۔

بارہ اقطاب جن کا ذکر اوپر آچکا ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔ [۱۱۶]

(۱) قطب اوّل نوح علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور سورہ یٰسین اس کا وِرد ہے۔

(۲) قطبِ دوم ابراہیم علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور سورۂ اخلاص اس کا ورد ہے۔
(۳) قطبِ سوم موسیٰ علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور سورۂ نصر اس کا ورد ہے۔
(۴) قطبِ چہارم عیسیٰ علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور اس کا ورد سورۂ فتح ہے۔[۱۲]
(۵) قطبِ پنجم داؤد علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور سورۂ اذازلزلہ اس کا ورد ہے۔
(۶) قطبِ ششم سلیمان علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور سورۂ واقعہ اس کا ورد ہے۔
(۷) قطبِ ہفتم ایوب علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور سورۂ بقر اس کا ورد ہے۔
(۸) قطبِ ہشتم الیاس علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور سورۂ کہف اس کا ورد ہے۔
(۹) قطبِ نہم لوط علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور سورۂ نمل اس کا ورد ہے۔
(۱۰) قطبِ دہم ہود علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور سورۂ انعام اس کا ورد ہے۔
(۱۱) قطبِ یازدہم صالح علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور سورۂ طٰہٰ اس کا ورد ہے۔
(۱۲) قطبِ دوازدہم شیث علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور سورۂ ملک اس کا ورد ہے۔

قطب کا وہ مرتبہ ہے کہ ولی کو ولایت سے تبدیل کر سکتا ہے۔ (اسی طرح) قطبِ مدار کا رتبہ یہ ہے کہ وہ قطب کو مقامِ قطبیت سے تبدیل کر سکتا ہے۔ لوحِ محفوظ کے احکام و ارکان اور ان میں تبدیلی کا اختیار اسے حاصل ہوتا ہے۔ جب قطبِ مدار ترقی کرتا ہے تو مقامِ فردانیت میں پہنچتا ہے۔ یہ راحت اور سپردگی کا مقام ہے۔ اسی باعث اس کی ہر مراد پوری ہوتی ہے (کیوں کہ) اس کی مراد حضرت عزت کی مراد ہو جاتی ہے۔ بعض اولیاء کو ان کی استعداد دیکھ کر، مقامِ قطبیت میں پہنچائے بغیر راست مقام فردانیت میں پہنچا دیا جاتا ہے لیکن ایسے مشائخ بہت کم ہوتے ہیں ورنہ قاعدہ کلیہ یہی ہے کہ ولایت سے قطبیت اور قطبیت سے فردانیت میں ترقی ہوتی ہے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا "بدلائی امتی"[۱۳] یعنی میری امت کے ابدال سات ہیں۔ یہ سات ابدال سات اقلیم [۱۱۷] میں ہوتے ہیں۔ ہر اقلیم کا ابدال اس اقلیم کے لوگوں کی مدد اور اعانت پر مامور ہوتا ہے اور ان کی حفاظت و نگرانی کرتا ہے جب کوئی ابدال اس دنیا سے گزر جاتا ہے تو کسی صوفی کو منتخب کرتے ہیں اور اسے رحلت کرنے والے کا جانشین مقرر کرتے ہیں۔

یہ سات ابدال سات نبیوں کے مشرب پر ہوتے ہیں اور ان کا ایک معین نام ہوتا ہے۔

(۱) ابدالِ اوّل جو پہلی اقلیم میں ہے وہ ابراہیم علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور اس کا نام "عبدالحیٰ" ہے۔
(۲) ابدالِ دوم جو دوسری اقلیم میں ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور اس کا نام "عبدالعلیم" ہے۔
(۳) ابدالِ سوم جو تیسری اقلیم میں ہے وہ ہارون علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور اس کا نام "عبدالمجید" ہے۔
(۴) ابدالِ چہارم جو چوتھی اقلیم میں ہے وہ ادریس علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور اس کا نام "عبدالقادر" ہے۔
(۵) ابدالِ پنجم جو پانچویں اقلیم میں ہے وہ یوسف علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور اس کا نام "عبدالقاہر" ہے۔
(۶) ابدالِ ششم جو چھٹی اقلیم میں ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور اس کا نام "عبدالسمیع" ہے۔
(۷) ابدالِ ہفتم جو ساتویں اقلیم میں ہے وہ آدم علیہ السلام کے مشرب پر ہے وہ ابدالوں میں "عبدالبصیر" کہا جاتا ہے۔

ابدال ہفتم خضر علیہ السلام ہیں۔ ساتوں ابدالوں میں ہر ابدال عارف و کامل ہوتا ہے اور ایک لمحے میں دنیا کے چاروں اطراف طے کر سکتا ہے اور پرواز بھی کر سکتا ہے۔ حق تعالیٰ نے ساتوں ستاروں کے مبارک اور نامبارک اسرار ان کی ذات میں رکھ دیے ہیں یعنی دنیا میں آبادی اور بربادی ان کے مبارک وجود پر منحصر ہے۔ مثلاً چاہیں تو کسی ملک میں قہر نازل ہو جائے۔ ابدالوں میں دو ابدال ایک عبدالقادر اور دوسرے عبدالقاہر زحل اور مریخ کی تاثیر رکھتے ہیں۔ گمان کیا جاتا ہے کہ کسی ملک کی بربادی ان کے واسطے سے ظہور میں آتی ہے اور دنیا کی آبادی دوسرے پانچ ابدالوں کے واسطے سے ہوتی ہے۔

جان لیں کہ ان سات ابدالوں کے علاوہ جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے چھ سو ستاون ابدال اور بھی ہوتے ہیں [۱۱۸] لیکن یہ پہاڑی علاقوں میں رہتے ہیں اور ان کی خوراک کا ذریعہ درخت اور ٹڈیاں ہیں۔ کمالِ معرفت کے باوجود انھیں پابند کر دیا گیا ہے (مثلاً) نہ طیِ زمین کی قدرت رکھتے ہیں نہ اڑنے کی سکت رکھتے ہیں۔

ان ابدالوں میں سے چھ سو ابدال آدم علیہ السلام کے مشرب پر ہیں اور ان کا نام

"صفی" ہے۔ چالیس ابدال موسیٰ علیہ السلام کے مشرب پر ہیں، انھیں "موسیٰ" کہا جاتا ہے۔ سات ابدال ابراہیم علیہ السلام کے مشرب پر ہیں ان کا نام "ابراہیم" ہے۔ پانچ جبرئیل علیہ السلام کے مشرب پر ہیں انھیں "جمال الدین" کہا جاتا ہے۔ چار ابدال میکائیل علیہ السلام کے مشرب پر ہوتے ہیں اور ان کا نام "محمد" ہے اور ایک ابدال اسرافیل علیہ السلام کے مشرب پر ہے اور ابدالوں میں "احمد" نام سے مشہور ہے۔ جب یہ ابدال قطبِ مدار کی وزیری کے رتبے پر پہنچتا ہے تو اس کا نام "عبدالوہاب" ہوتا ہے، آخر تک۔

ان مذکورہ (چھ سو ستاون) ابدالوں کے علاوہ چالیس ابدال اور ہیں۔ رسول علیہ السلام کے ارشاد سے یہی چالیس ابدال مراد ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا، بدلای امتی اربعون یعنی میری امت کے چالیس ابدال ہیں۔ ان میں سے بارہ اشخاص ملکِ شام اور اٹھائیس[۱۴] عراق میں رہتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کا نام "احمد" ہے (علی ہجویری) صاحب کشف المحجوب اور بعض دوسرے مشائخ ان چالیس ابدالوں کو چالیس ابرار کہتے ہیں۔ بہرحال دونوں قول قابلِ قبول ہیں۔

جان لیں کہ چار اوتاد ہیں جو دنیا کے چار اطراف میں مقیم ہیں۔ ایک مغرب میں جس کا نام "عبدالودود" ہے دوسرا مشرق کی جانب، اس کا نام "عبدالرحمن" ہے، تیسرا جنوب کی سمت جس کا نام "عبدالرحیم" ہے اور چوتھا شمال کی طرف اس کا نام "عبدالقدوس" ہے۔ دنیا کا قیام ان (اوتاد) کے وجود مبارک پر منحصر ہے۔ جب ان چاروں میں کوئی دنیا سے [۱۱۹] رحلت کرتا ہے تو کسی صوفی کو لے جاتے ہیں اور اس کا قائم مقام بنا دیتے ہیں۔

ان کے علاوہ تین سو ستر نجبا، سات اخیار اور چار عمدا دنیا کا نظام چلانے میں لگے ہوئے ہیں، جن کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

سارے عالم میں ایک غوث ہوتا ہے۔ جس کا نام "عبداللہ" ہوتا ہے۔ اس کی مستقل سکونت مکہ مکرمہ میں ہے لیکن ایک لمحے میں تمام عالم کا سفر کر سکتا ہے اور ہر جگہ موجود ہو سکتا ہے۔ جب غوث اس دنیا سے گزر جاتا ہے تو عمدا میں سے ایک کو اس کا جانشین مقرر کر دیا جاتا ہے۔ عمدا کی جگہ اخیار میں سے کسی ایک کو، اس کی جگہ نجبا میں سے کسی ایک کو، اس کی جگہ نقبا میں سے کسی ایک کو اور اس کی جگہ صلحا میں سے کسی ایک کو مقرر کر دیا جاتا ہے۔

نقبا کا مسکن مغرب ہے اور نجبا کی جائے قیام مصر ہے۔ اخیار کسی ایک جگہ مقیم نہیں ہوتے ہمیشہ سیر و سفر میں رہتے ہیں۔ عمدا زمینی ملکوں میں اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ بارہ اقطاب اپنی اپنی اقلیم میں رہتے ہیں اور قطبِ مدار شہر اعظم میں رہتا ہے۔ قطبِ مدار تمام اقالیم اور اقطاب پر قابض ہے۔ جب اس رتبے سے ترقی کرتا ہے تو اسے مقام فردانیت حاصل ہو جاتا ہے (اس وقت) صرف ایک جگہ جمے رہنے کا قاعدہ اس سے ساقط کر دیا جاتا ہے۔

صاحبِ کشف المحجوب نے تحریر کیا ہے کہ چار سو اشخاص اور ہیں جو نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ یہ ہمیشہ پوشیدہ حالت میں مصروفِ سفر رہتے ہیں رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

سیر الاولیا کے مصنف بھی کہتے ہیں کہ جب ولی کامل، قطبیت اور فردانیت کے مراتب طے کر لیتا ہے اور محبوبیت یعنی معشوقی کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کی ذاتِ پاک اسرارِ الٰہی کا مظہر ہو جاتی ہے اس کا ارادہ حق سبحانہ کا ارادہ ہو جاتا ہے اور سر سے پیر تک اس کا مبارک جسم خوشبوؤں سے معطر ہو جاتا ہے اور جو کوئی اس کے پاس آتا ہے وہ خوشبو اثر کرتی ہے [۱۲۰] اور اسے بھی معطر کر دیتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی قیام گاہ سے خوشبو کی لپٹیں آتی ہیں جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر معطر ہو جاتی ہے چنانچہ مرتبۂ محبوبی کی یہ علامت آج بھی سلطان المشایخ کے مزار پاک سے نمایاں ہے۔ طالب کو چاہیے کہ اس کا مشاہدہ کرے۔

سیر الاولیا کے مصنف نے بہت سی حکایتیں، بے شمار نقلیں سلطان المشایخ کے مقام محبوبی کے اسرار سے متعلق بیان کی ہیں۔ چوں کہ اس مختصر رسالے میں گنجائش نہیں ہے اس لیے صرف دو واقعات مشتے از نمونہ خروارے کے طور پر یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ مولانا ظہیر الدین کوتوالِ دہلی، سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے محسوس کیا کہ عود کی خوشبو آ رہی ہے۔ سوچا کہ شاید حجرے میں عود جلایا گیا ہے۔ خادم نے حجرے کا دروازہ کھولا تو سخت حیران ہوئے۔ سلطان المشایخ نے ان کی جانب دیکھا اور فرمایا، مولانا یہ عود کی خوشبو نہیں ہے یہ دوسری چیز ہے۔ شعر

عطار گو بہ بند دکاں را کہ من ز دوست

بوئے کشیدہ ام کہ بمشک و عبیر نیست

(ترجمہ) اے عطار دکان بند کرنے کے لیے کہہ کہ میں نے دوست
سے ایسی خوشبو جذب کی ہے جو مشک و عبیر میں نہیں ہوتی۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشایخ نے ایک کملی جو آپ کے قدم مبارک سے مس ہوئی تھی قاضی محی الدین کاشانی رحمتہ اللہ علیہ کو مرحمت فرمائی۔ اس کملی سے خوشبو آ رہی تھی۔ قاضی صاحب نے اس کملی کو سر اور آنکھوں پر رکھا اور گھر لے آئے اور اس کی جان کی طرح نگہداشت کرتے اور اس کی خوشبو سے مشام جان کو معطر کرتے رہے (پہلے) قاضی صاحب کا گمان تھا کہ یہ خوشبو عارضی ہے لیکن جب کافی عرصہ گزر گیا اور کملی کی خوشبو میں کسی طرح کی کمی واقع نہ ہوئی تو ایک دن بطور امتحان اور تجربہ اسے دھو ڈالا لیکن اس کی خوشبو جوں کی توں برقرار رہی۔ حیران ہو کر سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت عرض کی۔ سلطان المشایخ پر گریہ طاری ہو گیا فرمایا قاضی صاحب یہ باری تعالیٰ کی محبت کی خوشبو ہے جو اس نے [۱۲۱] خالصتاً اپنے محبوں کی ذات میں رکھ دی ہے شعر

ایں بوئے نہ بوئے بوستانست
ایں بو ز کوئے دوستانست

(ترجمہ) یہ خوشبو باغ کی خوشبو نہیں ہے (بلکہ) یہ خوشبو دوستوں
کے کوچے سے آ رہی ہے۔

الغرض سلطان المشایخ ان بزرگوں میں سے ہیں جو گوشے میں بیٹھے ہوئے (عالم پر) تصرف کرتے ہیں اور دونوں جہانوں کا نظم و نسق ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے چنانچہ آج بھی آپ کا روضۂ منورہ مخلوق خدا کا حاجت روا ہے۔ طالب کو چاہیے کہ وہاں سے فیض حاصل کرے، رحمتہ اللہ علیہ

حواشی مطلب یازدہم

۱۔ سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے:

"ایام زمستان بود کسے مندیہا آوردہ بود سلطان المشائخ تناول می کرد" (ص ۱۵۲)

(ترجمہ) "سردیوں کے دن تھے کوئی شخص منڈیاں لایا تھا سلطان المشائخ انھیں تناول فرمار ہے تھے۔"

صرف منڈیاں درج کرنے سے پوری بات واضح نہیں ہوتی کیوں کہ منڈی کسی ترکاری کا نام نہیں ہے۔ اس کی وضاحت مطلوب الطالبین میں ملتی ہے۔ مطلوب الطالبین میں صرف "مندیہا" منقول نہیں ہوا ہے بلکہ "مندیہا شملیت" تحریر کیا گیا ہے جس کا رواں ترجمہ "میتھی دانے" ہوتا ہے اور اس کی خاصیت بھی گرم ہوتی ہے۔ غالباً سیر الاولیا میں سہواً "شملیت" تحریر نہیں ہو سکا۔

۲۔ مولانا بدرالدین تولہ، انھیں فوق بھی کہتے تھے، سلطان المشائخ قدس سرہٗ کے ان اصحاب میں تھے جن کا ذکر "نوزدہ یار" کے عنوان سے امیر خورد نے کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) بابِ پنجم نکتہ بستم ص ۳۲۷

۳۔ مطلوب الطالبین کے علاوہ سیر الاولیا کے مطبوعہ فارسی نسخے میں بھی ان بزرگ کا نام موہن نقل ہوا ہے۔ (ص ۱۵۶) مولانا اعجاز الحق قدوسی نے سیر الاولیا کے اردو ترجمے میں مومن تحریر کیا ہے (ص ۳۶۵) قوام العقائد کے مصنف محمد جمال قوام نے انھیں شیخ ماہن تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں قوام العقائد مترجمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی دہلی ۱۹۹۴ء ص ۵۷۔

۴۔ علم لدنی کا سادہ مفہوم وہ علم ہے جو کسی استاذ سے حاصل نہ کیا گیا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہو۔ ادب صوفیہ میں "علم لدنی" کے استعمال سے مراد اسرار کونیہ کا علم ہے جو حق تعالیٰ اپنے کسی مقبول بندے کو عطا فرماتے ہیں اس مفہوم کا حوالہ سورہ کہف کی آیت ۶۵ ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے ایک بندے کی ملاقات کا ذکر ہے۔ ترجمہ یہ ہے "پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں کا جس کو دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے ایک علم۔

۵۔ سیر الاولیا کے مطبوعہ فارسی نسخے میں شیخ نورالدین فردوسی منقول ہے (ص ۱۵۶) علاوہ ازیں مطلوب الطالبین ہی میں اس کرامت کے بعد جس کرامت کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں سیر الاولیا کے حوالے سے واضح طور پر تحریر کیا گیا ہے کہ شیخ رکن الدین فردوسی کو سلطان المشائخ سے چنداں اخلاص نہ تھا (سیر الاولیا ص ۱۵۷) لہٰذا شیخ رکن الدین فردوسی کا سلطان المشائخ کے مدعو کرنے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ غالباً سہو کتابت کے باعث "شیخ رکن الدین فردوسی" تحریر ہوا ہے۔

۶۔ اس کرامت کے راوی خود امیر خورد کرمانی کے حقیقی چچا سیّد حسین کرمانی ہیں۔

"بندہ این حکایت از خدمتِ سید السادات سید حسین عم خود سماع دارد خدمت ایشاں نیز روایت ہم از والد کاتب حروف می کردند۔"

(ترجمہ) "بندے نے یہ واقعہ اپنے چچا جناب سیّد السادات سیّد حسین سے سنا ہے

وہ بھی اس واقعے کو کاتب حروف کے والد سے روایت کرتے تھے۔

اس روایت میں کہیں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ حضرت سلطان المشائخ قدس سرّہ نے تیز نگاہوں سے شیخ رکن الدّین فردوسی کے فرزندوں کو دیکھا۔ نہ آپ نے اپنے دست مبارک سے کشتی کے ڈوب جانے کا اشارہ کیا اور نہ کشتی آپ کے اشارے کے ساتھ دریائے جمنا میں ڈوبی بلکہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو ہاتھ سے اشارے سے کہا کہ اب چلے جاؤ۔ ان لوگوں نے وہاں سے اپنی کشتی چلا دی اور خانقاہ شریف کے نیچے کشتی ٹھہرا دی۔ اس کے بعد کشتی سے اتر کر غسل کرنے کے ارادے سے دریا میں اترے اور ڈوب گئے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) صص ۱۵۷-۱۵۸ مطلوب الطالبین میں سیر الاولیا کا حوالہ دینے کے باوجود واقعے کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا گیا اور بے جا تصرف و تحریف سے صحیح روایت کو غلط کر دیا ہے۔

۷۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں یہ شعر اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

امشب شبِ قدر است دریاب

قدرِ شبِ قدرِ خویش دریاب

احقر مترجم نے ترجمے میں یہ شعر سیر الاولیا کے مطبوعہ نسخے کے مطابق نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۱۳۷

۸۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں یہی ایک شعر نقل کیا گیا ہے لیکن سیر الاولیا کے مطبوعہ فارسی نسخے میں منقول ہے کہ سلطان المشائخ نے فرمایا، چناں کہ امشب در دلِ من ایں بیت فرود خوانند (آج رات میرے دل پر یہ شعر القا ہوئے)

ور نمانیم عذرِ ما بپذیر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ است

گر بمانیم زندہ، بر دوزیم

دامنے کز فراق چاک شدہ است

ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۱۳۷۔ احقر نے مطلوب الطالبین کی عبارت کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

۹۔ جوامع الکلم میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز قدس سرّہ، کا ایک ملفوظ ہے کہ اہلِ فقہ کے نزدیک منشی اور محاسب کا پیشہ معیوب ہے۔ یہاں یہ جملہ کہ راہِ خدا منشی کے لیے بند نہیں ہے اسی سیاق و سباق میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں جوامع الکلم (اردو ترجمہ) ص ۲۸۴

۱۰۔ اس جملے کے بعد دو جملے سہوِ کتابت کے باعث مبہم ہو گئے ہیں جوامع الکلم کے اردو ترجمے سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہ واقعہ اخبار الاخیار میں نقل کیا ہے لیکن اس میں یہ عبارت کہ "تم اس بچے کو اپنا خلیفۂ اعظم بناؤ گے کہ یہ میرا فرزند حقیقی ہے" درج نہیں ہے بلکہ صرف اس قدر ہے کہ سلطان المشایخ قدس سرہ نے بچے کو "شیخ نصیر الدین دہلوی کے سپرد کر دیا اور آئندہ چل کر ان کے عظیم المرتبت اور رفیع الدرجت بزرگ ہونے کی پیش گوئی بھی کر دی۔" ملاحظہ فرمائیں اخبار الاخیار (اردو ترجمہ) ص ۳۱۶

۱۲۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں سہواً قطب چہارم اور اس کے مراتب نقل ہونے سے رہ گئے ہیں یہ کمی بحر المعانی کے ایک قلمی نسخے (مکتوبہ ۱۲۹۷ھ) کی عکسی نقل سے پوری کی گئی ہے، جو استاذی ڈاکٹر اسلم فرخی نے اپنے کتب خانے کے لیے فراہم کی ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ احقر کو اس نسخے سے استفادے کا موقع عطا فرمایا۔

۱۳۔ زیر ترجمہ خطی نسخے میں حدیث شریف کی عربی عبارت نامکمل ہے البتہ اس کا فارسی ترجمہ مکمل نقل کیا گیا ہے۔

۱۴۔ خطی نسخے میں سہوِ کتابت کے باعث یہ عبارت درج ہوئی ہے۔

"بدلای امتی اربعون یعنی ابدالان امت من چہل اند۔ دوازدہ کس ازاں در ملک شام مسکن دارند و بیست وہفت درعراق ساکن اند

یعنی میری امت کے چالیس ابدال ہیں۔ ان میں سے بارہ ملک شام میں اور ستائیس عراق میں مقیم ہیں۔ عراق میں رہنے والے ابدالوں کی تعداد اٹھائیس (بیست وہشت) ہونی چاہیے تاکہ چالیس کی میزان پوری ہو جائے۔ احقر مترجم نے اپنے ترجمے میں اس سہو کو درست کر دیا ہے۔

مطلبِ دوازدہم

سلطان المشایخ کے سماع سننے اور اس کے بعض فوائد اور آداب کے بیان میں

پختہ اعتقاد اور یقین رکھنے والے طالبین پر واضح ہو کہ سلطان المشایخ کے شوقِ سماع اور اس کے آداب کی تفصیل اتنی (محدود) نہیں ہے کہ اس مختصر اور مجمل رسالے میں بیان کر دی جائے لیکن موضوع کی ضرورت کا اندازہ کرتے ہوئے، مختلف تصانیف سے جن کے نام کی نشاندہی کر دی گئی ہے، بعض اہم واقعات مختصر طور پر بیان کیے جاتے ہیں تاکہ طالبین کو ان کا نفع حاصل ہو۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ امیر خسروؒ نے سلطان المشایخ کی خانقاہ میں مجلسِ سماع منعقد کرائی۔ جملہ مرید اور درویش حاضر تھے۔ اس وقت سلطان المشایخ کی طبیعت ناساز تھی اس لیے چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ حسن بھیدی قوال نے دل کشا لحن اور جاں فزا آواز میں یہ شعر گایا:

سعدی تو کیستی کہ در آئی دریں کمند
چنداں فتادہ اند کہ ما صیدِ لاغریم

(ترجمہ) اے سعدی تو کون ہے جو (عشق کی) کمند میں خود کو پھنسا رہا ہے (اس کمند میں تو پہلے ہی) اس قدر زیادہ (اہلِ عشق) گرفتار ہیں جن کے سامنے ہم ایک ناتواں شکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس شعر نے سلطان المشایخ پر بے حد اثر کیا اور آپ پر ذوق و شوق کے آثار نمایاں ہوئے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ خواجہ اقبال اس حال میں آپ کی چارپائی کے سرہانے کھڑے ہوئے تھے اور باریک کپڑے کے دستارچوں سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پھاڑ کر سلطان المشایخ کے ہاتھ پر رکھ دیتے اور آپ ان سے آنسو پوچھ کر حسن بھیدی کی طرف پھینک دیتے۔ شیخ سعدی کہتے ہیں [۱۱۲]

ناودانِ چشمِ رنجورانِ عشق
گر فرو ریزند بخوں آید بجوے[۱]

(ترجمہ) مریضانِ عشق کی آنکھ کا پرنالہ اگر بہنے دیں تو خون کا دریا بہہ جائے۔

اگرچہ سماع کی مجلس ختم ہو چکی تھی لیکن سلطان المشایخ کے مصفا سینے میں ابھی تک عشق کی آگ مثل تنور بھڑک رہی تھی۔ امیر خسرو کے فرزند امیر حاجی نے جب آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو ایک غزل پڑھنی شروع کی۔ سلطان المشایخ پر ذوق کی وہی کیفیت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اسی حال میں آپ نے چند دستار چے امیر حاجی کو عطا فرمائے۔ ہر دستارچہ آپ کے آنسوؤں سے تر تھا۔ حسن بھیدی قوال نے محسوس کیا کہ اس وقت حضرت شیخ شوقِ سماع کی حالت میں ہیں تو اس نے اسی شعر کی تکرار شروع کر دی۔ سلطان المشایخ کو شعر کی تکرار سے نیا ذوق حاصل ہوا، آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور دل سے آہیں نکلنے لگیں۔ الغرض تمام دن اسی کیفیت میں گزرا۔ رحمتہ اللہ علیہ

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشایخ نے اپنی دستار مبارک قوال کو عطا فرمائی۔ جب مجلس ختم ہوئی تو قاضی محی الدین کاشانی نے عرض کی کہ حضرت کی دستار مبارک بے حد عظمت و کرامت کی حامل ہے اسے قوال کو عنایت نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات سن کر سلطان المشایخ پر گریہ طاری ہو گیا، فرمایا قاضی صاحب میں تو چاہتا تھا کہ اپنی جان قوال پر نثار کر دوں جب ہاتھ سر پر لے گیا تو دستار ہاتھوں میں آگئی، مجبوراً اس سہل چیز پر اکتفا کر کے شرمندہ ہوں۔

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشایخ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک کنوئیں کے پاس سے گزرے۔ ایک شخص کنوئیں سے پانی کھینچ رہا تھا۔ اس کے مویشی اِدھر اُدھر ہونے لگے تو اس نے آواز لگائی

باہُرے بھیّا باہُرے

یعنی واپس آجاؤ واپس آجاؤ۔ اُس شخص کی (مترنم) صدا نے سلطان المشایخ کو اپنی گرفت میں لے لیا اور آپ پر گریہ طاری ہو گیا خواجہ اقبال اور خواجہ مبشر خادم کہ لحنِ داؤدی [۱۲۳] رکھتے تھے تمام راستے اس جملے کو خانقاہ شریف پہنچنے تک گاتے رہے اس ہندی بول کے سبب سلطان المشایخ پر تمام دن ذوق و شوق کا غلبہ رہا اور آہ و گریہ سے ایک پل آرام نہ ملا۔

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ سلطان المشایخ نے مرض الموت کی حالت میں شیخ

شہاب الدین امام کو، جو آپ کے خلیفۂ خاص تھے، وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازے پر تین دن سماع کیا جائے چوتھے دن (میری میّت) قبر میں رکھی جاوے چنانچہ شیخ شہاب الدین امام سلطان المشائخ کی وصیّت کی تعمیل میں قوّالوں کو لے کر آئے تاکہ سماع شروع کیا جائے لیکن شیخ رکن الدین ابوالفتح جو سلطان المشائخ کے ہم راز تھے وہاں موجود تھے۔ انھوں نے سماع کے لیے منع کر دیا، اس باعث (وصیت کی) تعمیل نہ ہو سکی۔

سنابل[۲] (کے مصنّف) بیان کرتے ہیں کہ جب سلطان المشائخ کے جنازے کو اٹھا کر قبرستان کے احاطے کی طرف روانہ ہوئے تو قوّال جمع ہو گئے اور انھوں نے سعدیؒ کی یہ غزل شروع کر دی

سرو سیمینا! بہ صحرا می روی
نیک بدعہدی کہ بے ما می روی

کس بدیں شوخی و رعنائی نہ رفت
خود چنینی یا بہ عمدا می روی

(ترجمہ) (۱) اے سیمیں سرو تو صحرا کی طرف جا رہا ہے، تو بھی کیا خوب بدعہد ہے کہ ہم کو ساتھ لیے بغیر جاتا ہے۔
(۲) اس شوخی اور رعنائی کے ساتھ کوئی (محبوب) نہیں جاتا، یا تو ہی ایسا (صاحبِ ناز و ادا) ہے یا قصداً (اس طرح) جا رہا ہے۔
جب (قوّال) اس شعر پر پہنچے

اے تماشاگاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہرِ تماشا می روی

(ترجمہ) (۳) (اے محبوب) تیرا چہرہ تو خود عالم کی تماشاگاہ ہے
(حیرت ہے کہ) تو کہاں تماشا دیکھنے کے لیے جا رہا ہے

تو سلطان المشائخ پر شوقِ سماع نے غلبہ کیا اور آپ نے اپنا ہاتھ کفن سے باہر نکالا۔ چاہتے تھے کہ حرکت میں آئیں کہ شیخ رکن الدین نے قوّالوں کو گانے سے منع کر دیا اور سلطان المشائخ کا ہاتھ جو بلند ہو گیا تھا اسے نیچے کر دیا[۳] اس غزل کے باقی اشعار یہ ہیں۔

می نوازی بندہ را یا می کشی
می نشینی یک نفس یا می روی

ما بہ دشنام از تو راضی بودہ ایم
وز دعائے ما بہ سودا می روی [۱۲۴]

ملکِ شیرازت مسخر شد بہ حسن
شہر بگرفتی بہ صحرا می روی

دیدۂ سعدی و دل ہمراہِ تست
تا نہ پنداری کہ تنہا می روی

(ترجمہ) (۴) اب تو (اس) غلام کو نوازتا ہے یا مار دیتا ہے (یہ تیری مرضی ہے) چاہے تو کچھ دیر اسے اپنی ہم نشینی سے مشرف کرے یا ٹھکرا کر چلا جائے۔
(۵) ہم دشنام دینے کے باوجود تجھ سے خوش ہیں (کہ) تو ہماری دعا کے ساتھ سودا کرنے جارہا ہے۔
(۶) تیرے حسن سے (تمام) ملک شیراز مسخر ہوگیا۔ شہر تسخیر کرنے کے بعد اب تو صحرا (فتح کرنے) جارہا ہے۔
(۷) (اے محبوب) سعدی کی آنکھیں اور دل تیرے ہمراہ ہیں۔ یہ گمان نہ کرنا تو تنہا ہی (سفر کو) جارہا ہے۔

خیر المجالس سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ فریدالدّین گنج شکر اپنے حجرے میں مشغول بہ حق تھے۔ ان پر ایک خاص حالت طاری ہوئی۔ سر برہنہ کر کے رقص کرنے لگے۔ چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اور بلند آواز سے یہ اشعار پڑھنے لگے۔

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم
خاکے شوم و بزیرِ پائے تو زیم

مقصودِ من خستہ زکونین توئی

ہم بہرِ تو میرم از برائے تو زیم

(ترجمہ) میں چاہتا ہوں کہ ساری زندگی تیری دوستی میں گزار دوں۔
پھر مٹی ہو کر تیرے پیروں میں پڑا رہوں۔ (اے محبوب) دونوں
جہان میں میرا مقصود تیری ہی ذات ہے۔ میں تیرے لیے ہی مروں
اور تیرے لیے ہی جیوں۔

ہر مرتبہ یہ اشعار پڑھ کر سجدے میں گر جاتے۔ سلطان المشائخ نے جب شیخ کی یہ کیفیت دیکھی تو حیرت میں آ گئے اور بے اختیار حجرے میں داخل ہو کر اپنا سر شیخ کے قدموں میں رکھ دیا۔ چونکہ وقت اچھا تھا شیخ نے فرمایا، نظام کیا چاہتے ہو آپ نے جو چاہا مل گیا لیکن بعد میں ساری زندگی پشیمانی کا اظہار فرماتے رہے کہ میں نے اُس وقت سماع کی حالت میں موت کیوں طلب نہ کی۔

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ پر سماع کا شوق غالب ہوا۔ اسی حالتِ ذوق میں فرمایا، ہم ایمان لائے اور ہم نے تصدیق کی کہ قیامت کے دن بہشت کے باغوں سے ایسی خوشبو پھیلے گی کہ جو اسے سونگھے گا اس پر زندگی آسان ہو جائے گی۔ اسی دوران شدّتِ شوق میں فرمایا، خرقۂ فقر کی قسم وہ خوشبو اس مجلس میں پھیلی ہوئی ہے اس وقت یہ شعر اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا۔

بادے کہ سحرگہ ز سرِ کوئے تو آید

جانہاش فدا باد کزو بوئے تو آید

(ترجمہ) صبح کے وقت جو ہوا تیرے کوچے سے آتی ہے (عاشقوں کی)
جانیں اس پر نثار ہوں اس سے تیرے وجود کی خوشبو آتی ہے۔

[۲الف چونکہ ذوق و شوق کا وقت تھا، آپ نے دونوں ہاتھ بلند کر دیے [۱۲۵] اور چاروں طرف پھرنا شروع کر دیا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے آپ نے اشارے سے دوات و قلم طلب کی۔ خواجہ اقبال خادم جو آپ کے احوالِ شریفہ سے واقف تھے دوات، قلم اور کاغذ لے کر حاضر ہوئے اور آپ کو پیش کیے۔ اس حالت شوق میں آپ نے کاغذ پر کچھ تحریر فرمایا اور خواجہ اقبال کے سپرد کر دیا۔ مریدوں نے دیکھنا چاہا۔ خواجہ اقبال نے عقل مندی سے کام لیا

اور کاغذ کو منہ میں رکھ کر نگل گئے۔ ایک مرتبہ ایک عزیز نے سلطان المشائخ سے معلوم کرنا چاہا کہ آپ نے کاغذ پر کیا تحریر فرمایا تھا، تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا

نامہ نوشتن چہ سود چوں نہ رود سوئے دوست

(ترجمہ) خط لکھنے کا کیا فائدہ جب دوست تک نہ پہنچ سکے]

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ خانقاہ کی دہلیز میں تشریف فرما تھے۔ صامت قوال حاضرِ خدمت ہوا، اس نے (اشعار) گانے شروع کیے۔ اس وقت مریدوں میں سے کوئی شخص موجود نہ تھا کہ رقص میں آئے۔ خود سلطان المشائخ رقص میں پہل نہیں کرتے تھے، البتہ پیروی کرتے تھے اس دوران میں کوئی شخص باہر سے آیا۔ اس نے پہلے قدم بوسی کی پھر رقص کرنا شروع کر دیا۔ سلطان المشائخ اپنی جگہ سے اُٹھے اور اس کا ساتھ دیا۔ جب سماع ختم ہوا تو وہ نووارد باہر چلا گیا اور نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ بعد ازاں سلطان المشائخ نے فرمایا کہ یہ شخص مردانِ غیب میں سے تھا، جسے باری تعالیٰ نے میری موافقت کے لیے متعین کیا تھا۔ سبحان اللہ! اگر باری تعالیٰ کا کوئی محب یا عاشق جو اس کی محبت میں ڈوبا ہوا ہو، چاہے کہ اس کی یاد میں ہاتھ پاؤں مارے اور راحت حاصل کرے تو حق تعالیٰ مردانِ غیب میں سے کسی کو اس کی موافقت کرنے کے لیے مقرر کر دیتا ہے تاکہ عاشق کا دل خوش ہو جائے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے، سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ کافور نام کا ایک خواجہ سرا تھا۔ وہ اس زمانے میں جب مجھ پر انتہائی تنگی کے دن گزر رہے تھے، ایک جمعہ کو میرے پاس آیا اور دو تنکے مجھے ہدیہ کیے میں نے قبول کر لیے۔ اس نے بتایا کہ مجھے بادشاہ نے حکم دیا ہے [۱۲۶] کہ سلطان غیاث الدین بلبن کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے میں ہر جمعہ کو درویشوں کو کچھ تقسیم کیا کروں۔ اگر حکم فرمائیں تو میں دو تنکے ہر جمعہ کو آپ کی خدمت میں پہنچا دیا کروں۔ میں نے منظور کر لیا۔ ایک روز مجلسِ سماع منعقد تھی۔ قوالوں نے ایک شعر ایسی صوت میں گایا، جس کا مجھ پر بے حد اثر ہوا، اور میں رقص میں آ گیا۔ جوں ہی میں نے ہاتھ بلند کیے، اُن دو تنکوں کے خیال نے میرے دل کو اپنی طرف کھینچا۔ ساری بے اختیاری جاتی رہی اور میں اپنے آپ میں آ گیا۔ میں نے توبہ کی کہ اب کے بعد کسی قسم کا معین نذرانہ قبول نہیں کروں گا۔ اس کے بعد میں سماع میں مشغول ہو گیا اور مجھے پورا ذوق و شوق حاصل ہوا۔ شعر

رقص وقتے ز تو خوش است اے جاں
کاستیں از دو عالمے افشاں[۴]

(ترجمہ) اے پیارے رقص کرنا اسی وقت اچھا ہے جب تو دونوں جہانوں سے کامل طور پر بے نیاز ہو جائے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ ابوبکر طوسی کی خانقاہ میں، جن کا مزار اندپت کے جوار میں ہے، دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ بہت سے بزرگ اس مجلس میں موجود تھے۔ ہر چند سماع میں جی لگایا لیکن وجد و شوق کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ سلطان المشایخ نے سماع بند کرا دیا اور بزرگانِ سلف کے احوال بیان فرمانے لگے۔ اس دوران مجلس میں کسی قدر ذوق و شوق پیدا ہوا۔ اس وقت شیخ علی زنبیلی، شیخ نظام الدین پانی پتی سے جو ظاہری حسن و جمال کے ساتھ بے مثل آواز کے مالک بھی تھے، مخاطب ہوئے اور کہا کہ ہم آپ سے کچھ سننا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر قوالوں کی جگہ بیٹھ گئے۔ چاہتے تھے کہ گانا شروع کریں لیکن چونکہ تنہا تھے، سلطان المشایخ نے خواجہ محمد بن شیخ فرید الدین گنج شکر[۵] کو جو آپ کے خاص مرید تھے حکم دیا کہ تم ان کا ساتھ دو۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر شیخ نظام الدین پانی پتی کے برابر آ کر بیٹھ گئے۔ دونوں بزرگوں نے ایک غزل گانا شروع کی جب اس شعر پر پہنچے، شعر [۱۲۷]

ہر بے خردی کہ بینی امشب
از من، ہمہ در گزار تا روز

(ترجمہ) آج کی شب میری تمام بے عقلی کی باتوں کو جو تیری نظر میں آئیں صبح تک نظر انداز کر دے۔

سلطان المشایخ پر اس شعر کا بے حد اثر ہوا، اور تمام مجلس میں ذوق و شوق کے آثار اس حد تک ظاہر ہوئے کہ ہر شخص کو انبساط و سرور حاصل ہوا۔

اہلِ دل حضرات پر واضح ہو، چونکہ سلطان المشایخ کو سماع کا بے حد شوق تھا، اس لیے آپ کے تمام اصحاب، مریدین اور طالبین جن میں بعض شیخ فرید الدین گنج شکر کے پوتے اور نواسے جو آپ کے ارادت مند تھے اور جنھوں نے آپ کی تربیت میں پرورش پائی تھی انھوں نے آپ کی خوش دلی کی خاطر علم موسیقی کو اس کمال کے ساتھ حاصل کیا تھا کہ

پرندوں کو پرواز کرنے اور چرندوں کو چلنے پھرنے سے معذور کر سکتے تھے۔ دو سو خوش آواز اور بے مثال قوال آپ کی سرکار کے ملازم اور وظیفہ خوار تھے[۶] جیساکہ آئندہ صفحات میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

سیر الاولیا میں منقول ہے کہ جب سلطان المشائخ سماع سننا چاہتے تو سب سے پہلے امیر خسرو آکر سامنے بیٹھتے۔ اس کے بعد امیر حسن اور خواجہ مبشر دائیں اور بائیں آکر بیٹھ جاتے۔ یہ تینوں عزیز گانے کے فن میں بے مثال اور بے نظیر تھے نیز خوش آوازی میں لحنِ داؤدی کی ہمسری کرتے تھے چنانچہ امیر خسرو کوئی غزل پڑھنی شروع کر دیتے۔ جس شعر میں سلطان المشائخ سر ہلاتے تو یہ تینوں عزیز اس وقت اپنی قوت اور حوصلے کے مطابق اس شعر کو زیور نقش سے آراستہ کرتے اور دل کش آہنگ میں گاتے۔ اس کے بعد میاں صامت، حسن بھیدی، خواجہ موسیٰ جو شیخ فرید الدین گنج شکر کے نواسے تھے شریک ہو جاتے۔[۷]

تذکرۃ الاتقیا اور چشتیہ بہشتیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ سلطان المشائخ کو "پردہ پوربی" بے حد پسند تھا۔ [۱۲۸] جب آپ سے پسندیدگی کا سبب معلوم کیا تو فرمایا کہ میں نے روز میثاق اَلَستُ بِرَبِّکُم[۸] اسی "پردہ پوربی" میں سنا تھا، ابھی تک وہ زمزمہ میرے دل اور کانوں میں محفوظ ہے۔ اکثر فرماتے تھے کہ میں بوڑھا ہو گیا لیکن پوربی (راگ) بوڑھا نہیں ہوا۔

تذکرۃ الاتقیا سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ فرید الدین گنج شکر نے اپنے سر مبارک سے صافہ اُتار کے چُنا اور اپنے ہاتھ سے سلطان المشائخ کے سر مبارک پر باندھا۔ چونکہ وہ عمامہ سات پیچ کا تھا اس لیے اسے باندھتے وقت شیخ فرید الدین گنج شکر نے فرمایا، اے نظام! آج سے میں نے سات ولایتوں کا انتظام تمھاری ان سات پیچوں کی دستار کے ساتھ باندھ دیا ہے، اور اُن (ملکوں) کا بندوبست اس دستار پر منحصر کر دیا ہے (چنانچہ) بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ سماع میں تھے کہ دستار کا ایک پیچ کھل گیا۔ آپ فوراً اپنے آپ میں آگئے اور اس پیچ کو مضبوطی سے باندھ لیا۔ جب مجلس ختم ہوئی تو ایک عزیز نے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، مدتوں سے باری تعالیٰ نے سات ولایتوں کا انتظام میری دستار کے سات پیچوں سے متعلق کیا ہوا ہے، چنانچہ میں اس خیال سے ڈرتا رہتا ہوں کہ خدا نہ کرے کبھی کوئی پیچ کھل جائے اور کوئی ملک درہم برہم ہو جائے[۹]

بحر المعانی سے منقول ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کو سلطان المشائخ سے سماع کے باعث دشمنی پیدا ہوگئی۔ اس نے چاہا کہ کسی بہانے سے آپ کے خادموں کو تکلیف پہنچائے۔ ایک سیاح شخص نے اس واقعے کو شہر ملتان میں شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتح کی خدمت میں بیان کیا چونکہ ان کو سلطان المشائخ سے بے حد انس و اخلاص تھا اس لیے برداشت نہ کر سکے اور دہلی روانہ ہوگئے تاکہ سلطان المشائخ کو اس کام سے باز رکھیں جو آپ کی ذات کے لیے آزار کا سبب بن سکتا تھا۔ جب شیخ سفر کی منزلیں طے کر کے [۱۲۹] شہر دہلی پہنچے تو اسی وقت سلطان المشائخ کی ملاقات کے فیض سے مشرف ہوئے اور تمام حالات معلوم کیے۔ اس اثنا میں صامت قوال آگیا اور کوئی غزل گانی شروع کی۔ سلطان المشائخ پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ سماع کے لیے اپنی جگہ سے اُٹھے لیکن شیخ رکن الدین نے آپ کی آستین پکڑ کر بٹھا دیا۔ آپ دوسری بار اُٹھے تو آپ کا دامن پکڑ کر بٹھا دیا۔ پھر تیسری بار اُٹھے تو رقص فرمانے لگے۔ (اس وقت) شیخ رکن الدین نے نماز شروع کر دی اور نوافل ادا کرنے میں مشغول ہوگئے۔ جب یہ صورت حال ختم ہوئی تو خواجہ محمد (امام) نے شیخ رکن الدین سے دریافت کیا کہ آستین اور دامن پکڑنے نیز نماز ادا کرنے میں کیا راز تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ برادرم مولانا نظام الدین جب پہلی بار وجد میں اُٹھے تو اُن کا قدم ساتویں آسمان پر تھا، میں نے ان کی آستین پکڑ کر بٹھا دیا۔ دوسری بار اُٹھے تو ان کا قدم عرش کی چھت پر تھا، میرا ہاتھ ان کی آستین تک نہ پہنچ سکا تو دامن پکڑ کر انھیں بٹھا دیا۔ تیسری بار اٹھے تو نظر ہی نہیں آئے کہ کہاں پہنچے۔ مجبوراً میں عالم ناسوت میں نماز میں مشغول ہوگیا۔[۱۰]

چشتیہ بہشتیہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ کی خانقاہ میں خیمے نصب کر کے مجلسِ سماع منعقد کی گئی۔ شیخ ضیاء الدین سنامی جو دہلی کے محتسب تھے اپنے دونوں فرزندوں کے ساتھ آ پہنچے اور بطور احتساب خیموں کی طنابیں کاٹنی شروع کر دیں لیکن اُن پر (تلواروں کا) کچھ اثر نہ ہوا۔ مولانا ضیاء الدین سنامی بہت متعجب ہوئے اور سلطان المشائخ سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ مجھے کرامات دکھا رہے ہیں۔ سلطان المشائخ ان سے خوش دلی اور خُلق سے پیش آئے اور تواضع اختیار کی۔ جب مولانا ضیاء الدین اپنے گھر واپس آئے، ان کے دونوں بیٹے جو بے ادب تھے مہلک بیماری میں مبتلا ہوگئے اور اسی بیماری میں فوت ہوئے۔ اس کے بعد لگ بھگ اسی زمانے [۱۳۰] میں ضیاء الدین سنامی مرض الموت میں

مبتلا ہوئے۔ سلطان المشایخ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ مولانا نے اپنا عمامہ آپ کے آگے بچھوا دیا (تاکہ سلطان المشایخ اس پر چل کر آئیں) سلطان المشایخ نے عمامہ اُٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگایا۔ مولانا ضیاء الدّین شرمندگی کے سبب آپ سے آنکھیں نہ ملا سکے۔ صرف اس قدر دریافت کیا کہ آپ نے اس بُرے عمل سے (سماع سننے سے) توبہ کر لی۔ سلطان المشایخ نے جواب میں فرمایا کہ میری نیّت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ کوئی ناشائستہ کام میری ذات سے سرزد نہ ہو۔ آپ دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ مجھے بُرے اعمال سے محفوظ رکھے۔ الغرض جب سلطان المشایخ وہاں سے اُٹھ آئے تو مولانا ضیاء الدّین سنامی نے بھی وفات پائی۔ جب سلطان المشایخ کو ان کی وفات کی خبر ملی تو بے حد افسوس کیا اور فرمایا "ایک ذات عزیز حامیٔ شریعت تھی افسوس وہ بھی نہ رہی۔"[11]

سلطان المشایخ کے زمانے میں ضیاء الدّین نام کے تین شخص تھے۔ ایک برنی، دوسرے نخشبی اور تیسرے سنامی برنی آپ کے مرید تھے نخشبی نہ معتقد نہ منکر اور سنامی آپ کا انکار کرتے تھے[12] چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے

برنی و نخشبی سنامی نام
ایں ہمہ ہر سہ تن ضیا بودہ
اولیں معتقد، پسیں منکر
ثانی از ہر دو بے نوا بودہ

(ترجمہ) برنی، نخشبی اور سنامی نام کے کل تین ضیا تھے (جن میں) پہلے عقیدت مند اور آخری منکر تھے اور ثانی الذکر نہ معتقد نہ منکر تھے۔

فردوسیہ قدسیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص سماع سننے کے باعث سلطان المشایخ کا سخت مخالف تھا۔ اسے خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تمنّا تھی (چنانچہ) اس نے کسی بزرگ سے ان کا پتہ معلوم کیا۔ انھوں نے کہا اگر تم خضر سے ملاقات چاہتے ہو تو سلطان المشایخ کے آستانے پر جاؤ وہ تمھیں وہاں مل جائیں گے۔ الغرض جب وہ شخص سلطان المشایخ کے آستانے پر حاضر ہوا تو اس کی ملاقات خضر سے ہو گئی۔

فردوسیہ قدسیہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ کو سماع کے سبب سلطان المشایخ

سے مخالفت پیدا ہو گئی۔ اس نے تمام قوالوں کو ڈرا دھمکا کر آپ کے ہاں جانے سے روک دیا۔ ایک دن سماع سننے کو آپ کا جی چاہا[۱۳۱] آپ نے خواجہ اقبال سے فرمایا، لالہ قوال کو لے کر آؤ۔ انھوں نے تمام صورتِ حال آپ کی خدمت میں عرض کر دی چونکہ سلطان المشایخ پر شوق سماع غالب تھا، آپ نے دوبارہ فرمایا، مولانا قوال کو لاؤ۔ خواجہ اقبال سراسیمہ اور حیران تھے کہ قوال کہاں سے لاؤں۔ اس دوران ایک گویا جس کا نام صامت تھا اپنے اہل و عیال کے ساتھ دریائے جمنا کے کنارے جو آپ کی خانقاہ کے نیچے بہتی تھی، وارد ہوا۔ سلطان المشایخ کی نظر اس پر پڑی تو اسے آواز دی۔ خوب آئے، تشریف لائیں۔ صامت نے عرض کیا کس طرح حاضر ہوں کشتی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، (چلے آؤ) دریا کی یہ مجال نہیں ہے کہ تمھیں ڈبو دے۔ صامت نے اس حمایت پر ملاح اور کشتی کے بغیر دریا پار کر لیا اور آپ کی قدم بوسی کے شرف سے مشرف ہوا۔ چونکہ سلطان المشایخ پر شوق طاری تھا فرمایا، قریب آؤ۔ صامت کسی قدر آگے بڑھا۔ آپ نے پھر فرمایا، آگے آؤ۔ وہ آپ کے قریب پہنچ گیا۔ فرمایا بیٹھو وہ آداب و تسلیمات بجا لایا اور بیٹھ گیا۔ سلطان المشایخ کو صامت کا حسنِ ادب پسند آیا اور جو پان آپ کھا رہے تھے اس کا بچا ہوا اس کے منہ میں رکھا۔ پان کے منہ میں رکھتے ہی صامت کے سینے سے جہالت کی کدورت دور ہو گئی اور اس کا آئینۂ دل روشن و مصفا ہو گیا۔ اسی کیفیت میں اس نے ایک غزل تخلیق کی اور اسے خوب آراستہ آواز اور دلکش سُروں میں گا کر پیش کی۔ جب مقطعے کے اس شعر پر پہنچا

صامت از لعلِ تو چہ جرعہ کشید

سالہا پر خمار خواہد بود

(ترجمہ) صامت نے تیرے لعل سے ایسا گھونٹ پیا ہے کہ برسوں
تک مستی کے عالم میں رہے گا

تو سلطان المشایخ پر انبساط کی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ نے اپنی خاص گدڑی معہ دیگر لوازمات اسے عنایت فرمائی نیز اس کے لیے اور اس کے خاندان کے لیے وظیفہ مقرر کیا۔ صامت نے اسی دن آپ سے بیعت کی اور مقصود اصلی سے واصل ہوا۔ اس صاحبِ کمال کے سامنے کسی قوال کو بولنے کی مجال نہ تھی [۱۳۲] اس نے شہر دہلی میں قوالی کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اس نے اور اس کے بیٹے حسن بھیدی نے امیر خسرو دہلوی کی، جو فنِ قوالی کے موجد ہیں، شاگردی اختیار کی اور قول و ترانہ اور فارسی کی تربیت حاصل کی نیز ہندی زبان میں سوہلا،

بدھاوا اور بار جو امیر کی اختراع تھے ان سے سیکھے اور اس وضع کا نام قید و مہرہ رکھا۔ چنانچہ اب تک صامت اور حسن کی اولاد کے سوا جو سلطان المشائخ کے روضے میں مقیم ہے اور بے حد نیک و شریف ہے کوئی دوسرا قوال قید اور مہرہ (صحیح بندشوں کے ساتھ) ادا نہیں کرتا بلکہ ادا کرنے سے قاصر ہے۔

سلطان المشائخ حسن بھیدی کو بے حد چاہتے تھے اور اس پر مرحمت فرماتے رہتے تھے اور اسے "بھیدی" کے لقب سے مخاطب کرتے تھے۔ ہندی میں بھیدی محرم راز کو کہتے ہیں یعنی وہ صوفیانِ باصفا کے (باطنی) اسرار سے (کماحقہ) واقف تھا۔ وہ ان دو سو قوالوں کے زمرے میں تھا جن کے وظیفے سلطان المشائخ کی بارگاہ سے مقرر تھے ان کے تفصیلی ذکر کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔

یہاں مختصر طور پر سماع کے آداب اور بعض فوائد بیان کیے جاتے ہیں۔ سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ سماع میں تین چیزیں راحت افزا ہوتی ہیں۔ زمان، مکان اور اخوان۔ زمان سے مراد یہ ہے کہ سماع اچھے وقت سنا جائے یعنی سماع سننے والے کی طبیعت مکدّر نہ ہو اور اس کے دل کو اطمینان کلّی حاصل ہو۔ مکان یعنی سماع ایسی جگہ سنا جائے جو دلکشا اور راحت افزا ہو اور اس جگہ کی تعمیر میں پتھر، اینٹ اور لکڑی حلال ذرائع سے فراہم کیے گئے ہوں۔ اخوان سے مراد یہ ہے [۱۳۳] کہ سماع کی مجلس میں شریک ہونے والے ایک پیر کے مرید ہوں یا ان کا تعلق ایک خاندان (سلسلے) سے ہو تاکہ کسی شخص کے دل میں انکار اور مخالفت پیدا نہ ہو[۱۳] نیز اس مجلس میں بدکار، منافق، کم عمر لڑکا اور عورت نہ ہو۔

ادب۔ افضل الفواید میں بیان کیا گیا ہے[۱۴] سلطان المشائخ نے فرمایا، سماع کے دوران صوفیہ نعرے لگاتے ہیں یا آہیں بھرتے ہیں ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ ناقص اور خام لوگوں کا کام ہے۔ اس حالت میں صدا و فریاد بلند کرنا شیطانی عمل ہے رحمانی نہیں یعنی اس وقت حسی حرکت منظور نہیں ہے۔ صاحبِ سماع کو چاہیے کہ جس طرح سونا کٹھالی میں پگھل جاتا ہے وہ بھی عشق کی آگ میں خود کو جھونک دے اور اُف تک نہ کرے چنانچہ تذکرۃ الاتقیا میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ سماع سن رہے تھے اور عشق الٰہی کے شوق میں رقص کر رہے تھے۔ اس دوران میں ایک صوفی کہیں سے آگیا اور سماع میں مشغول ہو گیا۔ جوں ہی آتش شوق نے اس پر غلبہ کیا، اس نے ایک آہ کھینچی۔ اس آہ سے وہ جل گیا اور راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ جب سلطان المشائخ اپنے آپ میں آئے تو آپ

نے فرش پر راکھ پڑی ہوئی دیکھی۔ دریافت فرمایا، یہ کیا ہے۔ خدام نے عرض کیا کہ ایک صوفی مجلس میں آیا تھا جب شوقِ سماع کی آگ نے اس پر غلبہ کیا تو اس نے ایک آہ کھینچی اور خاک ہو گیا آپ نے فرمایا کہ پانی لاؤ چنانچہ پانی لایا گیا، آپ نے کوئی دعا پڑھ کر اس پر دم کیا اور راکھ کے ڈھیر پر چھڑکا۔ فی الفور صوفی زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا سلطان المشائخ نے اس سے فرمایا، تم پھر کبھی مجلس میں نہ آنا، تم ابھی بالکل خام ہو کیوں کہ ایک ہی آہ میں جل کر خاکستر ہو گئے تمھیں معلوم نہیں کہ صوفیوں پر تابڑ توڑ تلواریں پڑتی ہیں لیکن وہ صابر شاکر رہتے ہیں اور ایک آہ تک نہیں بھرتے نہ فریاد کرتے ہیں یہ فعل جو تم سے وقوع میں آیا خام اور ناقص لوگوں کا کام تھا [۱۳۴] وہ صوفی بے حد شرمندہ ہوا اور مجلس سے چلا گیا۔[۱۵]

ادب۔ مجلس سماع میں خوشبو استعمال کرنی چاہیے۔ عود اور اگر جلائیں، نیا لباس پہنیں اور تجدید وضو کی کوشش کریں۔ مجلسِ سماع کا آغاز تلاوت قرآن سے کریں۔ کوئی آیت پڑھیں یا سیپارہ دہرائیں۔ اس کے بعد سورہ فاتحہ پڑھیں اور جن بزرگ کا عرس ہے، ان کی روح کو اس کا ثواب پہنچائیں پھر گانے والے اور قوال مجلس میں آئیں۔ پہلے صحابہ کے اقوال میں سے کوئی قول یا مشائخ کا قول جیسا کہ امیر خسرو نے "نقش" اور "آہنگ" کے سُروں سے آراستہ کیا ہے، گائیں کہ یہ بھی سراسر رحمت ہے۔ اس کے بعد صاحبِ مجلس یا اہل وجد جو فرمائش کریں اسے پیش کریں۔ جب مجلس ختم ہونے کے قریب ہو تو مذکورہ اقوال میں سے کوئی قول پڑھیں اور کسی آیت کی تلاوت کے ساتھ مجلس ختم کریں تاکہ مجلس کا آغاز و اختتام اللہ تعالیٰ کے کلام سے ہو، جیسا کہ آداب السالکین سے منقول ہے کہ ایک شب خواجہ ممشاد علو دینوری نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا، یا رسول اللہ کیا آپ سماع کو اچھا نہیں سمجھتے۔ فرمایا نہیں لیکن صوفیوں سے کہو کہ وہ مجلس سماع کا آغاز و اختتام تلاوت قرآن سے کیا کریں تاکہ تلاوت کی برکت سے ثوابِ عظیم حاصل ہو۔

ادب۔ مجلسِ سماع میں قصہ گوئی نہ کریں۔ باہم بات چیت نہ کریں۔ پانی نہ پئیں۔ پان نہ چبائیں۔ ریاح خارج نہ کریں۔ قہقہے نہ لگائیں۔ اگر پیاس ناقابلِ برداشت ہو جائے تو مجلس سے اٹھ جائیں اور پانی پی کر واپس اپنی جگہ بیٹھ جائیں سماع کو ہوش کے کانوں سے سنیں اور دائیں بائیں نہ دیکھیں۔

ادب۔ سماع میں خود (رقص کی) ابتدا نہ کریں۔ جب شوق غلبہ کرے تو سب سے پہلے وجد کی حالت میں نہ اٹھیں کیوں کہ ہر ذلت اور ضلالت جو سماع کی مجلس میں واقع ہوتی ہے[16] اس کے حساب کی پرسش اس سے کی جائے گی اور اس کے [۱۳۵] ذمے ڈالی جائے گی۔

ادب۔ جب کوئی صوفی سماع کے لیے اُٹھے تو حاضرین مجلس اس کی تعظیم بجالائیں اور کھڑے ہو جائیں۔ اس کا احترام پیشِ نظر رکھیں جیسا کہ سیر الاولیا سے منقول ہے کہ جب شیخ بدرالدین سمرقندی کا وصال ہوا تو تیسرے روز ان کے احاطے میں سماع کا اہتمام کیا گیا اور چند مجلسیں علاحدہ علاحدہ جگہ منعقد ہوئیں۔ ہر مجلس میں شرکت کرنے والے حضرات اور قوال دوسری مجلس کے حاضرین اور قوالوں سے علاحدہ تھے۔ سلطان المشایخ بھی سوئم کی فاتحہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ جب سماع ہوا تو ایک درویش ذوق و شوق کی حالت میں وجد کرنے لگا۔ سلطان المشایخ اگرچہ دوسری مجلس میں تشریف فرما تھے لیکن اس درویش کی تعظیم میں کھڑے ہو گئے۔ اس وقت بعض لوگوں نے عرض کی کہ حضرت تشریف رکھیں کیوں کہ وہ درویش (علاحدہ مجلس میں) یہاں سے خاصی دور ہے۔ سلطان المشایخ نے فرمایا (اگرچہ یہ مجلس علاحدہ ہے لیکن) موافقت کرنا ضروری ہے۔

فائدہ۔ سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے، سلطان المشایخ نے فرمایا سماع کی چار قسمیں ہیں۔ حلال، حرام، مباح اور مکروہ سماع حلال یہ ہے کہ صاحبِ سماع کی کلّی توجہ حق تعالیٰ کی جانب ہو اور وہ (ایک لمحہ بھی) حق تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہو نیز اس عمل میں ریا اور نمائش کا شائبہ نہ ہو۔ سماع حرام یہ ہے کہ صاحبِ سماع اشعار اور دہروں کو مجاز پر قیاس کرے یعنی اس کا دل کسی نوخیز لڑکے یا عورت کے عشق کی جانب مایل ہو، اور اشعار کے معانی کو مجازی محبوب کے ناز و کرشمہ پر محمول کرے۔ سماعِ مباح یہ ہے کہ جو اشعار پڑھے جائیں ان کا زیادہ تر احتمال اللہ تعالیٰ کے اوصاف پر ہو اور کم تر مجاز کی جانب ہو۔ سماعِ مکروہ یہ ہے کہ اوصاف الٰہیہ کی جانب میلان بہت کم ہو اور مجاز کی جانب بہت زیادہ ہو۔

فائدہ۔ فواید الفواد میں بیان کیا گیا ہے، سلطان المشایخ نے فرمایا کہ سماع میں چند باتیں صحیح اور درست ہوں تو اس سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ وہ چند باتیں یہ ہیں۔ مسمع، مسموع، آلتِ سماع اور مستمع۔ مسمع یعنی گانے والا بڑی عمر کا مرد ہو، نوخیز لڑکا اور عورت نہ ہو۔ مستمع یعنی سننے والا جو کچھ سنے اسے اوصافِ الٰہی پر منطبق کرے مجاز پر نہیں [۱۳۶]

مسموع یعنی جو کچھ پڑھا جائے وہ ہزل اور فحش نہ ہو۔ آلت سماع سے مراد مزامیر ہیں۔ سماع میں مزامیر (ساز) استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔ مزامیر (ساز) کا استعمال حرام ہے۔ اسی کتاب میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سماع ایک آہنگ ہے (جس میں) اچھا مضمون بیان کیا جاتا ہے اس لیے اسے حرام نہیں کہنا چاہیے۔ سماع کو کلام موزوں بھی کہتے ہیں پس موزوں کلام کو مکروہ نہیں کہنا چاہیے۔ سماع صوفی کے قلب میں تحریک پیدا کرتا ہے، اگر اس کے سننے سے قلب میں حق تعالیٰ کی یاد پیدا ہوتی ہے تو سماع حلال ہے۔ اس کے برخلاف اگر مجازی جذبات ابھارتا ہے تو حرام ہے جیسا کہ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نگویم سماع اے برادر کہ چیست

مگر مستمع را بدانم کہ کیست[17]

(ترجمہ) اے بھائی میں سماع کے بارے میں (حلال ہے یا حرام) کچھ نہیں کہتا۔ ہاں مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ سننے والا کون ہے تو شاید کچھ کہہ سکوں۔

فائدہ۔ آداب السالکین میں بیان کیا گیا ہے کہ سلسلۂ چشتیہ میں مشغولی کے دو رکن ہیں۔ پہلا رکن نماز اور دوسرا رکن سماع نماز اپنے آپ میں رہ کر ادا کی جاتی ہے یعنی قیام، قرأت، رکوع اور سجود ہوش کے ساتھ ادا کیے جائیں تاکہ نماز فاسد نہ ہو لیکن سماع تمام تر بے خودی ہے یعنی سماع سننے والے کے لیے ضروری ہے کہ سماع کے وقت اپنے ہونے کے احساس کو فراموش کر دے بلکہ سوائے حق تعالیٰ کی ہستی کے ہر شے کو اپنے دل سے مٹا دے کہ سماع کا اولیٰ مرتبہ ماسوی اللہ کو جلا دینا ہے یعنی جب صوفی وجد میں ہو تو اس کے دل میں سوائے حق تعالیٰ کی محبت کے کوئی اور خیال یا احساس باقی نہ رہنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ خودی اور بے خودی میں بہت بڑا فرق ہے۔ فھم من فھم (سمجھا جس نے سمجھا)

فائدہ۔ آدب السالکین میں بیان کیا گیا ہے، روایت ہے کہ زہیر[18] نامی شاعر نے ساٹھ اشعار کی ایک نظم رسول علیہ السلام کی ہجو میں کہی تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے وقت مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے صحابہ علیہم الرحمتہ کو حکم دیا کہ کعب بن زہیر جہاں کہیں ملے قتل کر دیا جائے۔ کعب بن زہیر (جان کے خوف سے) روپوش ہو گیا اور گوشۂ تنہائی اختیار کیا جب اسے روپوش ہوئے خاصی مدت گزر گئی اور وہ

تنہائی کی زندگی سے تنگ آگیا تو ایک روز عورتوں کا لباس پہن کر منہ چھپائے ہوئے[۱۳۷] رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کلمۂ توحید پڑھ کر اہل ایمان میں داخل ہو گیا۔ رسول علیہ السلام نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون ہو انھوں نے عرض کی کہ میں کعب بن زہیر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے عورتوں کا لباس کیوں پہنا ہے۔ انھوں نے عرض کی کہ صحابہ کے خوف سے تاکہ وہ مجھے پہچان نہ سکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا انھوں نے عرض کی کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں ساٹھ شعر کہے تھے، اب ان کے کفارے میں ایک سو بیس اشعار مدح میں کہے ہیں اگر حکم ہو تو پیش کروں۔ آپ نے فرمایا پڑھو۔ کعب بن زہیر نے وہ قصیدہ خوش لحنی اور دلکش و موزوں آہنگ سے پڑھنا شروع کیا جب انھوں نے یہ شعر پڑھا

نُبِّئْتُ اَنَّ رسول اللّٰہ اَوْعدنی
والعفو عِندَ رسول اللّٰہ مامولِ

(ترجمہ) مجھے خبر ملی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری تہدید کی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عفو و درگزر کی امید کی جاتی ہے۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس شعر کا بے حد اثر ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کو دوبارہ پڑھنے کے لیے فرمایا۔ کعب بن زہیر نے اسے دوبارہ پڑھا۔ اسی بنا پر صوفی حضرات قوالوں سے کسی وجد آور شعر یا دوہرے کی تکرار کرنے کی فرمائش کرتے ہیں۔ الغرض رسول علیہ السلام نے اپنے دوشِ مبارک پر پڑی ہوئی چادر کعب بن زہیر کو عطا فرمائی۔ اسی بناء پر صوفیہ قوالوں کو اپنا خرقہ یا پیرہن وغیرہ عطا کرتے ہیں۔ روایت ہے کہ وہ چادرِ مبارک مدتوں کعب بن زہیر کے پاس رہی، اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں وہ چادر ان سے چار ہزار دینار میں خریدنی چاہی لیکن انھوں نے اس پیشکش کو قبول نہیں کیا۔ ان کی وفات کے بعد وہ چادر مبارک ان کے فرزندوں کو ترکے میں ملی جن سے امیر معاویہؓ نے بیس ہزار دینار میں خرید لی۔ اسی بناء پر کسی شیخ کے مرید اور معتقد قوالوں کو شکرانہ دے کر اپنے شیخ کا عطا کردہ لباس خریدتے ہیں۔

فائدہ۔ آداب السالکین کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ ایک روز رسول علیہ السلام، صحابہ (رضی اللہ عنہم کے) ساتھ اپنے (مبارک) مکان میں تشریف فرما تھے کہ حضرت

جبریل علیہ السلام آیہ رحمت لے کر حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی فرحت حاصل ہوئی اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے اشعار پڑھنے کے لیے فرمایا۔ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے ایک شعر دلکش اور دلربا انداز میں پڑھنا شروع کیا [۱۳۸] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور رقص میں آگئے (آنحضرت رامقام تواجد روئے داد، برخاست و رقصیدن گرفت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر دوشِ مبارک سے گر پڑی یہ واقعہ اس لیے بھی مشہور ہے کہ اس مجلس میں ایک سو صحابہ حاضر تھے جنھوں نے حسبِ ارشاد لحن کے ساتھ شعر خوانی کی تھی چنانچہ چادر مبارک کے سو ٹکڑے کر کے ان صحابہ میں تقسیم کیے گئے[۱۹] اسی بناء پر حالتِ سماع میں صوفی (کے جسم یا سر) سے جو شے گر جاتی ہے وہ قوالوں کی (ملک) ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث اس حقیقت پر مبنی ہے کہ من قتل قتیلاً فلہ سلبہ (جس کسی نے کسی شخص کو قتل کیا تو مقتول کا ساز و سامان قتل کرنے والے کو ملے گا)

فائدہ۔ آداب السالکین کے مصنف بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول علیہ السلام صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ آپ کی امت کے فقرا دیگر امتوں کے اہل دولت سے پانچ سو سال پہلے بہشت میں جائیں گے۔" چنانچہ رسول علیہ السلام یہ خوشخبری سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا، تم میں سے کوئی شخص ہے کہ کچھ اشعار پڑھے ایک بدّو حاضر تھا اس نے عرض کیا کہ میں سناتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا سناؤ۔ اس بدّو نے نہایت موزوں آواز میں شعر پڑھے چونکہ رسول علیہ السلام اس وقت اچھی کیفیت میں تھے، آپ کھڑے ہو گئے اور وجد فرمایا[۲۰] (برخاست و تواجد فرمود) پس (یہ واقعہ) مشایخ کے سماع سننے پر دلیل ہے اس کام میں اصل حقیقت درد ہے جو شخص صاحبِ درد نہیں ہے اسے سماع کی لذّت حاصل نہیں ہوتی عشق ازلی پرندہ ہے وہ دردمند دل سے دانہ چگتا ہے اور جانِ مشتاق میں اپنا ٹھکانہ بناتا ہے۔ دردمندوں کو سماع میں جو لذّت حاصل ہوتی ہے، اسے وہ ہی جانتے ہیں جیسا کہ سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں نے کسی صوفی کو اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ بہشت میں ہے لیکن غمزدہ ہے۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ یہ حزن و ملال کس سبب سے ہے۔ اس نے کہا کہ وہ ذوق و شوق [۱۳۹] جو مجھے سماع میں حاصل ہوتا تھا یہاں جنّت میں حاصل نہیں ہے چنانچہ صوفی حضرات جو راحت اور خوشی سماع میں پاتے ہیں اس کے مقابلے میں

جنّت کی لذتیں کچھ بھی نہیں ہیں، فھم من فھم (جس نے سمجھا اس نے سمجھا)

ادب۔ فواید الفواد میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز حاضرین میں ایک شخص نے سلطان المشایخ کی خدمت میں عرض کیا کہ ان ہی دنوں آپ کے آستانے کے درویشوں نے، ایک مجلس میں جس میں چنگ اور رباب تھے، سماع سنا اور رقص بھی کیا۔ آپ نے فرمایا، انھوں نے اچھا نہیں کیا۔ ہر کام جو مطابق شریعت نہیں ہے حرام ہے اس درمیان میں کسی نے عرض کیا کہ جب وہ درویش مجلس سے باہر آئے ایک عزیز نے ان سے دریافت کیا کہ آپ حضرات نے مزامیر کے ساتھ جو قطعی طور پر حلال نہیں ہے سماع کو کیسے جائز رکھا اور رقص کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں اس قدر مستغرق تھے کہ ہمیں مزامیر کا ہوش نہ تھا۔ جب سلطان المشایخ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ درویشوں کا یہ عمل ان کے معصیت نامے میں لکھنا چاہیے۔ اس کے بعد فرمایا کہ سماع بہت بڑی کسوٹی ہے۔ وہ لوگ جو اس کام کے اہل ہیں اور صاحبِ ذوق ہیں جب قوالوں سے ایک شعر سنتے ہیں تو خواہ مزامیر ہوں یا نہ ہوں ان کے اندر ذوق و شوق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ لوگ جو جہانِ عشق سے بے خبر ہیں انھیں مزامیر سے بھی کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ کام تو دردِ دلی پر موقوف ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ قوالوں نے یہ شعر پڑھا

مخرام بدیں صفت مبادا

کز چشم بدت رسد گزندے

(ترجمہ) اے محبوب اس شوخ رفتاری سے نہ چل، خدا نہ کرے کسی نظرِ بد سے تجھے نقصان پہنچ جائے۔

مجھے حضرت فرید الدّین گنج شکر کے اوصاف حمیدہ یاد آگئے۔ میں نے اس شعر کے معانی کو شیخ کے اوصاف پر محمول کیا۔ اس شعر نے مجھ پر بے حد اثر کیا۔ قوال نے جب دوسرا شعر پڑھنا چاہا تو میں نے اس سے کہا بس یہی شعر پڑھو۔ اس نے بہت دیر تک اسی شعر کی تکرار کی۔ میرے دل میں ذوق و شوق بڑھتا چلا گیا۔ اس گفتگو کے دوران [۱۴۰] امیر حسن نے عرض کی کہ اگر علما سماع کے بارے میں بحث کریں اور کسی باعث اس کی حرمت کا فتویٰ دیں تو کسی حد تک درست ہے لیکن وہ شخص جو درویشوں کا لباس پہنتا ہے۔ اس کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ سماع کا انکار کرے۔ اگر اسے اس مسئلے میں کسی طرح کا احتمال ہے تو خود نہ سنے لیکن جو سنتے ہیں ان سے دشمنی نہ کرے کیوں کہ دشمنی رکھنا درویشوں کا اخلاق

نہیں ہے۔ بندہ اس گروہ سے جو سماع کا منکر ہے اچھی طرح واقف ہے اور ان کے مزاج سے کلی طور پر آگاہ ہے۔ اگر وہ سماع کو حلال جانتے تب بھی نہ سنتے۔ سلطان المشائخ امیر حسن کی بات پر مسکرائے اور فرمایا، ہاں جب ان کے دل میں درد ہی نہیں ہے تو کس طرح سن سکتے ہیں کہ اس کام کا تعلق سراسر درد سے ہے۔ پھر اس معنی میں یہ رباعی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمائی

دنیا طلبا جہاں بہ کامت بادا

ویں جیفۂ مردار بہ دامت بادا

گفتی کہ بہ نزدِ من حرام ست سماع

گر بر تو حرامست حرامت بادا

(ترجمہ) اے دنیا کے طالب تجھے تیرا مقصود حاصل ہو جائے اور یہ مردہ جانور کی لاش تیرے پھندے میں رہے۔

تو نے کہا کہ میرے نزدیک سماع حرام ہے۔ اگر سماع تجھ پر حرام ہے تو (سدا) حرام ہی رہے۔

ادب۔ سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے کہ شیخ حمید الدّین ناگوری اگر کسی شخص کو سماع میں بے ضرب اور بے اصول دیکھتے تو اپنی مجلس سے باہر نکلوا دیتے، چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے مجلس سماع منعقد کی۔ ایک درویش بھی اس مجلس میں آ گیا اور اس نے بے ضرب اور بے اصول رقص کرنا شروع کر دیا۔ قاضی حمید الدّین نے ایک مرید کو حکم دیا کہ اسے باہر نکال دے مرید نے اسے کمر سے پکڑ کر اٹھایا اور مجلس سے باہر کیا۔ جب سماع ختم ہوا، وہ درویش قاضی حمید الدّین کے پاس آیا اور کہا کہ جس وقت میں نے سماع شروع کیا، میں اپنے قدم بہشت میں رکھ چکا تھا اور آسمانوں کے دروازے مجھ پر کھل چکے تھے۔ عین اس وقت آپ نے مجھے باہر نکلوا دیا۔ سماع سے روکا اور مجھے جنّت سے محروم کر دیا۔ قاضی حمید الدّین [۱۴۱] مسکرائے اور فرمایا کہ بہشت بے ضرب اور بے اصول لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ پس صاحب سماع کے لیے ضروری ہے کہ بے ضرب اور بے اصول رقص و وجد نہ کریں یعنی تال اور مول میں قوالوں سے موافقت کریں تاکہ گانے کی رونق درہم برہم نہ ہو، اور اس کی لذّت سے محروم نہ رہے۔ ہندی زبان میں ضرب کو تال اور اصول کو مول کہتے ہیں۔

حواشی مطلب دوازدہم

۱۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں یہ شعر اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

ناودانِ چشم رنجورانِ عشق
گر فرو ریزند جوئے آیدش

لیکن سیر الاولیا کے مطبوعہ نسخے میں یہ دو شعر کا قطعہ ہے۔

ناودانِ چشم رنجوران عشق
گر فرو ریزند بجوں آید بجوے
شاد باش اے مجلسِ روحانیاں
تا خورند ایں مے کہ من مستم ببوے

ملاحظہ فرمائیں، سیر الاولیا (فارسی) صص ۵۲۴-۵۲۵ احقر مترجم نے اس شعر کا ترجمہ سیر الاولیا میں منقول شعر کے مطابق کیا ہے۔

۲۔ تصوف و سلوک کے موضوع پر میر عبدالواحد بلگرامی کی تصنیف ہے پورا نام "سبع سنابل" ہے۔
میر عبدالواحد بلگرامی گونا گوں فضائل و کمالات کے بزرگ تھے۔ ۳ رمضان ۱۰۱۷ھ/یکم دسمبر ۱۶۰۸ء کو بلگرام میں وفات پائی۔ علاوہ دیگر علوم و فنون کے موسیقی سے بھی شغف رکھتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں غبارِ خاطر مصنفہ مولانا ابوالکلام آزاد مرتبہ مالک رام دہلی ۱۹۶۷ء اشاعت اوّل صص ۲۷۲-۲۷۵۔

۳۔ (ا) سیر الاولیا کے مصنف امیر خورد کرمانی نے اس واقعے سے متعلق کہ حضرت سلطان المشایخ قدس سرّہ کے جنازے پر سماع کا اہتمام کیا گیا تھا یا قوالوں نے شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کی غزل گائی تھی کوئی روایت نقل نہیں کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ) نکتہ پانزدہم صص ۲۷۴ تا ۲۷۹

(ب) خیر المجالس (ملفوظات چراغ دہلی قدس سرّہ) کی کسی بھی مجلس میں جوامع الکلم یا سبع سنابل میں تحریر کردہ واقعے کا ذکر نہیں ہے۔

(ج) قوام العقاید (سالِ تصنیف ۷۵۵ھ) کے مصنف محمد جمال قوام نے حضرت سلطان المشایخ قدس سرّہ کی تدفین کا واقعہ بیان کیا ہے لیکن اس بیان سے جوامع الکلم یا سبع سنابل کی روایت کی تائید نہیں ہوتی۔ ملاحظہ فرمائیں قوام العقاید (اردو ترجمہ) ص ۵۵

(د) جوامع الکلم کی روایت کے راوی خود شیخ شہاب الدّین امام ہیں۔ اس روایت کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشایخ قدس سرّہ نے اپنے جنازے پر سماع کے بارے میں صرف شیخ شہاب الدّین امام کو وصیت فرمائی تھی اور دوسرے حضرات غالباً اس وصیت سے واقف نہ تھے۔ بہر حال شیخ رکن الدّین ابوالفتح رحمتہ اللہ علیہ نے اس وصیت پر عمل نہیں ہونے دیا اور اس کی تمام تر

ذمہ داری خود قبول فرمائی ملاحظہ فرمائیں جوامع الکلم (اردو ترجمہ) صص ۲۳۹-۲۴۰

(ہ) ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے اپنی تصنیف "تذکرہ حضرت خواجہ نظام الدّین اولیا رحمتہ اللہ علیہ" میں جوامع الکلم کی مذکورہ بالا روایت درج کرنے کے بعد شہاب الدّین العمری کی تصنیف مسالک الابصار کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔

"مسالک الابصار کا مصنف بھی اس جلوس میں موجود تھا۔ جب حضرت کا جنازہ تدفین کے لیے روضے کی جانب آ رہا تھا راستے میں کوئی دیہاتی عورت بڑی درد بھری آواز میں کچھ گا رہی تھی شیخ رکن الدّین نے آگے بڑھ کر اسے بھی گانے سے روک دیا۔"

ملاحظہ فرمائیں "تذکرہ حضرت خواجہ نظام الدّین اولیا رحمتہ اللہ علیہ" لاہور ۱۹۸۰ء ص ۸۳۔ احقر مترجم کو مسالک الابصار کا نسخہ یا اس کا انگریزی ترجمہ دستیاب نہ ہو سکا۔

(و) میر عبدالواحد بلگرامی م ۱۰۱۷ھ نے اپنی تصنیف سبع سنابل (فارسی) میں بغیر کسی حوالے کے تحریر کیا ہے کہ جب حضرت سلطان المشایخ قدس سرّہ، کے جنازے پر قوالوں نے سعدیؒ کی غزل گائی تو آپ کا دست مبارک جنازے سے باہر نکلا اور بلند ہوا تو حضرت امیر خسروؒ نے قوالوں کو گانے سے روک دیا۔ ملاحظہ فرمائیں سبع سنابل مطبوعہ ۱۲۹۹ھ مطبع نظامی کانپور ص ۶۳

اس سلسلے میں قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ حضرت امیر خسروؒ سلطان المشایخ قدس سرّہ کے وصال اور تدفین کے موقعے پر دہلی میں موجود ہی نہیں تھے بلکہ لکھنوتی میں تشریف فرما تھے۔ سیر الاولیا (اردو ترجمہ) ص ۴۷۷

دوسرا قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ میر عبدالواحد بلگرامی کو حضرت سلطان المشایخ کے وصال کے تقریباً تین سو سال بعد یہ روایت کس ماخذ سے حاصل ہوئی جب کہ عصری ماخذ اس واقعے کی روایت سے خالی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ازروئے درایت سبع سنابل کی روایت انتہائی ضعیف ہے۔

۳ الف۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں سہو کتابت کے باعث قوسین کے درمیان کی عبارت جو ایک دوسری مجلس سے متعلق ہے تحریر ہو گئی ہے اس کے راوی امیر خوردؒ کے والد ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) باب نہم نکتہ در بیان بعضے مجالس سماع ص ۵۲۲ (اردو ترجمہ از مولانا قدوسی صص ۷۸۰-۷۸۱

۴۔ سیر الاولیا میں یہ شعر منقول ہے

رقص وقتے مسلّمت باشد
کاستیں از دو عالم افشانی

اس شعر کا بھی وہی مفہوم ہے جو ترجمے کے متن میں تحریر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ) ص ۷۷۳۔

۵۔ سہو کتابت کے باعث ولدیت غلط منقول ہو گئی ہے۔ خواجہ محمد، شیخ بدرالدین اسحٰق کے فرزند اکبر اور حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرّہ کے نواسے تھے۔ ان فضایل کے علاوہ خواجہ محمد رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت سلطان المشایخ قدس سرّہ کے امام نماز ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ) صص ۳۳۹۔ ۳۴۰

۶۔ یہ بیان حد درجے مبالغہ آمیز ہے۔ کسی قدیم ماخذ سے اس امر کا ثبوت نہیں ملتا کہ حضرت سلطان المشایخ قدس سرّہ کی بارگاہ سے دو سو قوالوں کو وظیفہ عطا ہوتا تھا۔ سیر الاولیا میں صرف چار قوالوں صامت، حسن بھیدی، جنید اور بہلول کا ذکر ملتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اشاریہ سیر الاولیا (اردو ترجمہ) صص ۹۳۱، ۹۱۷، ۹۱۵ اور ۹۱۲

۷۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) میں یہ روایت، احقر مترجم کی نظر سے نہیں گزری ممکن ہے کہ سیر الاولیا کے کسی دوسرے خطی نسخے میں یہ روایت منقول ہو۔ واللہ اعلم

۸۔ سورۂ اعراف آیت ۱۷۲ (ترجمہ) کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے انھیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں۔ سب نے جواب دیا کیوں نہیں ہم (سب اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید) سے بے خبر تھے۔

۹۔ کسی قدیم ماخذ میں یہ واقعہ منقول نہیں ہے۔ غالباً بعد کے غیر معروف اور غیر مستند تذکروں کے ذریعے اس قصے نے روایت کی صورت اختیار کر لی۔

۱۰۔ امیر خورد کرمانی نے سیر الاولیا میں سلطان المشایخ اور شیخ رکن الدین ابوالفتح قدس سرہما کی پانچ ملاقاتوں کا مفصل ذکر کیا ہے، لیکن کسی ملاقات میں سماع سے متعلق اس واقعے کا ذکر نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ) حالات حضرت سلطان المشایخ قدس سرّہ نکتہ دوازدہم صص ۲۵۳ تا ۲۶۰

۱۱۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا ضیاء الدین سنامی رحمتہ اللہ علیہ کے ترجمے میں خیموں کے نیچے منعقد مجلس سماع کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف سلطان المشایخ قدس سرّہ کے عیادت کے لیے تشریف لے جانے، مولانا ضیاء الدین سنامی کے آپ کے آگے عمامہ بچھوانے اور آپ کے اسے آنکھوں پر رکھنے کا ذکر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اخبار الاخیار (اردو ترجمہ) ص ۲۳۵

۱۲۔ ملاحظہ فرمائیں اخبار الاخیار ص ۲۲۵

۱۳۔ اخوان کے بارے میں حضرت سلطان المشایخ قدس سرّہ نے صرف اس قدر فرمایا ہے۔ "بہم یک جنس باشند یعنی ہر کہ حاضر می شود از اہل سماع باشد۔" (سب ہم ذوق ہوں اور جو شخص مجلس میں موجود ہو وہ اہل سماع سے ہو) ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۵۰۳

۱۴۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے کی عبارت یہ ہے۔

"سلطان المشایخ در کتاب افضل الفواید می فرمایند"

ترجمہ: سلطان المشایخ کتاب افضل الفواید میں فرماتے ہیں

اس عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ افضل الفواید حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ نے تحریر فرمائی ہے لیکن آپ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی۔ افضل الفواید حضرت امیر خسرو سے منسوب ہے۔ صحتِ واقعہ کے خیال سے احقر نے ترجمے میں ذراسی تبدیلی کی ہے۔

۱۵۔ یہ بے سند اور بے اصل واقعہ بعد کے غیر معتبر تذکروں کی اختراع ہے۔ عصری ماخذ میں کسی مصنف نے اس واقعے کو نقل نہیں کیا۔

۱۶۔ یہاں سہوِ کتابت کے باعث عبارت مبہم ہوگئی ہے منقولہ عبارت یہ ہے

"باید کہ ابتدا در سماع نہ کند یعنی چوں شوق غلبہ نماید اوّل بہ تواجد بر نہ خیزد کہ
ہر کہ در سماع کرد وطعام خوردن بادے آید ہر ذلتے وضلالتے کہ دراں مجلس واقع
شود اور احساب از و پرسند۔"

احقر مترجم نے "وطعام خوردن بادے آید" کو حذف کر کے ترجمہ کیا ہے یہ جملہ غالباً اس سے قبل جو ادب بیان کیا گیا ہے اس سے متعلق ہے جس میں سماع کے وقت پانی نہ پینے اور پان نہ کھانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ ہے "کھانا کھانے سے ریاح خارج ہوتی ہے" یعنی آداب سماع میں یہ ادب بھی شامل ہے کہ جب تک مجلسِ سماع میں حاضر ہوں کھانا نہ کھائیں۔

۱۷۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں یہ شعر اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

سماع اے برادر بگویم کہ چیست
اگر مستمع را بگویم کہ کیست

سہوِ کتابت کے سبب شعر قطعی طور پر مہمل ہوگیا ہے۔ احقر مترجم نے ترجمے کے متن میں اس کی تصحیح کر دی ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں بوستانِ سعدی چاپ خانہ محمد حسن علی تہران، اشاعت ہفتم ۱۳۶۸ش بابِ سوم، حکایت ۱۹۔

۱۸۔ یہ روایت سیر الاولیا میں بھی نقل کی گئی ہے۔ ان کا نام کعب بن زہیر تھا۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ) صص ۶۷۰۔ ۶۷۱ ترجمے کے متن میں نام کی تصحیح کر دی گئی ہے نیز ملاحظہ فرمائیں عوارف المعارف اردو ترجمہ از شمس بریلوی طبع دوم کراچی ۱۹۸۹ص ۳۵۰

۱۹۔ آداب السالکین کے مصنف نے یہ روایت کس ماخذ سے نقل کی ہے، احقر مترجم کو معلوم نہ ہو سکا۔ بہر حال درایت کے اعتبار سے اس روایت کے دو پہلو قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیہ رحمت کی کوئی نشاندہی نہیں کی گئی جسے جبریل علیہ السلام لے کر حاضر ہوئے تھے۔ حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ہر اُس آیت کو جو ان کی موجودگی میں نازل ہوتی تھی یاد کر لیتے تھے اور دوسرے صحابہ کے علم میں لاتے تھے۔ اس لیے اس واقعے میں نازل شدہ آیۂ رحمت کی نشاندہی نہ ہونا واقعے کے مجہول ہونے کا شبہ پیدا کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس واقعے کے وقوع کے وقت ایک سو صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ اقدس میں موجود تھے (با یارانِ خود درخانہ نشستہ بود) احقر مترجم کی نظر سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے بڑے حجرے کا ذکر سیرت کی کسی کتاب میں نہیں گزرا جس میں بہ یک وقت سو

آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ البتہ اسی نوع کی ایک دوسری روایت سیرالاولیا میں منقول ہے جسے حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ نے بارگاہ رسالت کے پورے ادب اور احترام کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ یہ روایت ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

"نیز (سلطان المشائخ نے) فرمایا کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر تشریف لائے "وَاِذَا سَمِعُوا مَا اُنزِلَ اِلَی الرَّسُولِ تَرَیٰ اَعیُنَهُم تفِیضُ مِنَ الدَّمعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الحَقِّ (مائدہ: ۸۳ اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو سن کر اٹھے اور تنہائی میں بیٹھ گئے اور اس قدر خوش ہو کر اٹھے کہ چادر مبارک کندھوں سے گر پڑی یہ واقعہ اس لیے بھی مشہور ہے کہ اس مجلس میں صحابہؓ موجود تھے اور وہ تبرکاً چادر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے لے گئے تھے۔" (سیرالاولیا اردو ترجمہ ص ۷۶۰)

۲۰۔ یہ حدیث شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ نے بھی عوارف المعارف میں مندرجہ ذیل سند کے ساتھ نقل فرمائی ہے۔

ابوذرعہ نے اپنے والد ابوالفضل حافظ مقدسی سے، انھوں نے ابومنصور بن عبدالمالک مظفری سرحسنی سے، انھوں نے ابوالفضل منصور بن نصر الکاغذی السمرقندی سے بیان کیا ہے کہ ہیثم بن کلیب نے ابوبکر عمار بن اسحاق سے سنا انھوں نے کہا کہ ہم سے سعید عامر نے اور ان سے شعبہ اور شعبہ نے عبدالعزیز بن صہیب سے اور ان سے حضرت انسؓ نے روایت کی

اس روایت سے متعلق شیخ قدس سرہ نے جو تبصرہ کیا ہے اسے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے

یہ حدیث ہم نے سندوں کے ساتھ پیش کر دی ہے جیسا کہ ہم نے سنا تھا لیکن اس کی صحت سے محدثین کرام نے اتفاق نہیں کیا ہے (انھوں نے اس حدیث کو صحیح نہیں کہا ہے) اور ہم نے بھی ایسی کوئی حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں پائی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجد فرمانا اور آپ کی ایسی محفل کا ذکر ہو جو عصرِ حاضر کے وجد اور محفل سماع سے مشابہ ہو، سوائے حدیث مذکورہ بالا کے۔ بہرحال اگر اس حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ صوفیہ حضرات کے لیے اور اس زمانے کی مجالس اور خرقہ پارہ پارہ کر کے تقسیم کرنے کے سلسلے میں ایک حجت اور دلیل ہے۔

خود میرے دل میں یہ دغدغہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدیث غیر صحیح ہے کیوں کہ

ایسے اجتماعات کا ذوق وشوق سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک اور طبع مقدس کے مطابق نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ اس قسم کی روش کو کبھی گوارا نہیں فرمایا۔ اس لیے میرا دل اس کی صحت کا منکر ہے اور اس کو قبول نہیں کرتا۔

ملاحظہ فرمائیں عوارف المعارف (اردو ترجمہ از شمس بریلوی) باب ۲۵ صص ۳۵۴-۳۵۵

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرّہ کا مذکورہ بالا تبصرہ تمام مبالغہ آمیز روایتوں کو تسلیم نہ کرنے کے باب میں قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مطلبِ سیزدہم

اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑانے اور عاجزی کرنے نیز سلطان المشایخ کے آخرِ عمر کی بعض ریاضتوں اور عبادتوں کے بیان میں۔ ان نمازوں، روزوں اور اوراد کی ترتیب جو آپ کے اور مشایخ چشت رحمہم اللہ تعالیٰ کے معمولات میں داخل تھے۔

پختہ اعتقاد اور یقین رکھنے والے طالبین پر واضح ہو کہ سلطان المشایخ کی ذاتِ فرشتہ صفات کی جوانی کے تیس سال کہ عین نشاط و کامرانی کا زمانہ ہوتا ہے، سخت قسم کے مجاہدوں میں بسر ہوئے۔ اہلِ نظر کی نگاہ سے ان ریاضتوں اور مجاہدوں کا مختصر حال حضرت کے فقرو فاقے کے باب میں گزر چکا ہے۔

جب آپ بڑھاپے کی عمر کو پہنچے تو آپ نے زیادہ سخت مجاہدے خود پر لازم کر لیے اور دشوار تر ریاضتیں اور عبادتیں انجام دینے لگے۔ آپ نے باقی عمر بندگی اور عاجزی کے اسی انداز میں بسر فرمائی، چنانچہ سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سلطان المشایخ کی عمرِ شریف اسّی اور کچھ سال ہوئی تو آپ کے جسم پر ضعف اور ناتوانی کا غلبہ ہونے لگا لیکن اس ضعف و ناتوانی میں بھی آپ نماز ادا کرنے کے لیے بالاخانے سے اُتر کر نیچے تشریف لاتے اور جماعت ترک نہ فرماتے۔ نیکوں اور درویشوں کے ساتھ نماز ادا کرتے۔ (اسی طرح) ضعیف العمری کے باوجود ہمیشہ روزہ رکھتے اور افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے۔ ایک نان یا آدھی نان بے مزہ سبزی یا کڑوے کریلے کے ساتھ کھاتے۔ کبھی شریک طعام لوگوں کا ساتھ دینے کے لیے تھوڑا سا خشکہ اور شوربا بھی تناول فرماتے۔ جب تک دسترخوان بڑھایا جاتا درویشوں کے ساتھ بیٹھ کر [۱۴۲] ان کی دل جوئی فرماتے۔ مختلف قسم کے کھانے پکواتے اور جن عزیزوں پر مہربان ہوتے انھیں اپنے آگے رکھی ہوئی طشتری یا نوالہ عنایت فرما کر سعادت سے بہرہ ور فرماتے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے۔ مولانا شمس الدّین یحیٰی بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں افطار کے وقت سلطان المشایخ کے دسترخوان پر حاضر تھا، میں نے دیکھا کہ جب کھانا شروع

ہوا تو آپ نے اپنا ہاتھ پیالے میں ڈالا جو کھانا ختم ہونے تک پیالے ہی میں رہا۔ آپ نے ایک لقمہ بھی تناول نہیں فرمایا۔ (دیکھا جائے تو) حضرت کا یہ عمل بھی درویشوں کی خاطرداری اور ان سے موافقت کے لیے تھا کہ آپ نے اپنا دست مبارک پیالے تک بڑھایا اور شوربے سے آلودہ کیا لیکن (نفس پر قابو پانے کے لیے) چکھا تک نہیں۔ آپ (اکثر) جو کی روٹی ساگ یا سبزی سے تناول فرماتے تھے۔

فردوسیہ قدسیہ سے منقول ہے کہ آپ کے ایک خادم تھے جو آپ کے سامنے دسترخوان بچھانے کی خدمت انجام دیتے تھے انھوں نے چند روز مشاہدہ کیا کہ دسترخوان پر چند لقمے برائے نام چبائے ہوئے پڑے ہوتے تھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ شاید یہ حضرت کا پس خوردہ ہے۔ انھوں نے یہ بات اپنی نگاہ میں رکھی۔ ایک مرتبہ موقع پا کر عرض کیا کہ میں متواتر کئی روز سے دیکھ رہا ہوں کہ دسترخوان پر چند نیم خوردہ لقمے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں اس کا سبب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، جس نوالے سے مجھے لذّت حاصل ہونے لگتی ہے، میں اسے نیچے ڈال دیتا ہوں تاکہ نفس موٹا نہ ہو جائے اور بگاڑ پیدا نہ کرے۔ خادم نے یہ بات سنی تو ان لقموں کو بطور تبرک کھا لیا۔ اس پر اسرارِ الٰہیہ منکشف ہونے لگے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشایخ کا معمول تھا کہ مغرب کی نماز کے بعد خانقاہ کے بالاخانے پر تشریف لے جاتے تھے، اور ملاقاتیوں اور مریدوں کو اوپر بلا لیتے تھے۔ ہر شخص کے سامنے تازہ اور خشک میوے رکھتے۔ کھانے اور پینے کی لذیذ و نفیس چیزوں سے مدارات فرماتے۔ اس وقت آپ کچھ کھاتے پیتے نہ تھے بلکہ ہر ایک کی دل جوئی اور دلداری فرما کر ثواب حاصل کرتے تھے۔ جب عشاء کی نماز کا وقت ہوتا تو بالاخانے سے نیچے تشریف لے آتے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ اس کے بعد واپس [۱۴۳] اوپر تشریف لے آتے اور دیر تک یادِ الٰہی میں مشغول رہتے، پھر سونے کے لیے چارپائی پر تشریف لاتے وہاں بھی کچھ دیر تک مشغول رہتے۔ اس وقت تسبیح آپ کے ہاتھوں میں دی جاتی۔ اس کے بعد کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کی خلوت میں مخل ہو۔ صرف امیر خسرو کو اجازت خاص تھی چنانچہ جب سب چلے جاتے تو امیر خسرو حاضرِ خدمت ہوتے اور زانوئے ادب تہ کر کے آپ کے سامنے بیٹھ جاتے اور دلکش اسلوب میں عجیب و غریب حکایتیں آپ کو سناتے۔ سلطان المشایخ ان کی خاطرداری کے لیے ان کی جانب منہ کر لیتے اور ان کی باتوں کے درمیان

سرِ مبارک کو جنبش دیتے رہتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ (امیر حاضر ہوتے تو) آپ فرماتے۔ ترک کیا حال ہے۔ امیر خسرو اس ایک کلمے کے وسیلے سے عجیب و غریب نکتے بیان کرتے اور دادِ فصاحت دیتے۔ اس دوران بعض چھوٹے بچے، آپ کی ہمشیرہ کے فرزند اور شیخ فریدالدین گنج شکر کے پوتے اور نواسے جن پر آپ کی خاص عنایت تھی آجاتے اور آپ کے قدم مبارک کو اپنے سر اور آنکھوں سے ملتے اور سعادت حاصل کرتے۔ امیر خسرو کہتے ہیں۔

نخفت خسروِ مسکیں ازیں ہوس شبہا

کہ دیدہ برکفِ پایت نہد بخواب رود

(ترجمہ) بے چارہ خسرو اس ہوس سے راتوں کو نہیں سویا کہ آپ کے تلووں پر اپنی آنکھیں رکھے اور سو جائے۔

جب امیر خسرو اور تمام بچے حسبِ معمول رخصت ہو جاتے تو خواجہ اقبال خادم آتے اور چند لوٹوں میں پانی بھر کر وہاں رکھ دیتے اور خود باہر چلے جاتے۔ بعد ازاں سلطان المشائخ اٹھتے اور دروازہ بند کر لیتے۔ اس وقت شوقِ الٰہی کے سوا آپ کا کوئی ہمدم نہ ہوتا۔ خدا ہی جانتا ہے باقی رات آپ کس قسم کے راز و نیاز، ذوق و شوق اپنے پروردگار کے حضور میں پیش کرتے اور غمزدہ دل کو تسلی دیتے۔ چنانچہ بارہا یہ شعر آپ کی زبان مبارک سے سنا گیا۔

عشقے کہ ز تو دارم اے شمعِ چگل

دل داند و من دانم و من دانم و دل

(ترجمہ) اے شہرِ چگل کی شمع مجھے تجھ سے ایسا (شدید) عشق ہے (کہ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں) بس دل جانتا ہے اور میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں اور دل جانتا ہے

اکثر اوقات یہ قطعہ اور شعر [۱۴۴] جو حسبِ حال ہے پڑھتے

تنہا منم و شب و چراغے
مونس شدہ تا پگاہ روزم
گاہیش ز آہِ سرد بکشم
گاہ از تفِ سینہ بر فروزم

(ترجمہ) تنہا میں ہوں، رات ہے اور ایک چراغ ہے۔ ہر روز یہی

چراغ صبح تک میرا ہمدم ہوتا ہے کبھی میں اس کو آہِ سرد سے بجھا دیتا ہوں کبھی سینے کی حرارت سے روشن کر دیتا ہوں۔

شبہا من و شمع می گدازیم[1]

این است کہ سوزِ من نہانست

(ترجمہ) میں اور شمع راتوں پگھلتے رہتے ہیں اسی باعث میرا سوز (سب سے) چھپا ہوا ہے۔

جب سحری کھانے کا وقت ہوتا تو خادم سحری لے کر آتا، دروازے پر دستک دیتا خواجہ اٹھ کر اپنے ہاتھوں سے دروازہ کھولتے۔ خادم ہر طرح کا کھانا آپ کے آگے رکھ دیتا، آپ اس میں سے چند لقمے تناول فرماتے اور باقی کھانا یہ کہہ کر واپس کر دیتے کہ اسے بچوں کے ناشتے کے لیے رکھ دو۔ کبھی یوں بھی ہوتا کہ کچھ تناول نہ فرماتے اور بغیر کھائے کھانا واپس کر دیتے، چنانچہ سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے کہ سلطان المشائخ کی سحری کا انتظام عبدالرحیم خادم کے ذمے تھا۔ وہ بیان کرتے تھے کہ سلطان المشائخ اکثر سحری نہ کرتے تھے اور کبھی کبھار سحری کرتے تو بہت کم کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ مخدوم افطار میں بھی ایک یا آدھی روٹی سبزی کے ساتھ کھاتے ہیں اور سحری میں بھی بہت کم کھانا کھاتے ہیں، اس صورت میں جسم کا کیا حال ہوگا یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا، میاں عبدالرحیم میں ہر چند چاہتا ہوں کہ پانی پیوں کھانا کھاؤں لیکن مجھے ان غریبوں اور محتاجوں کا خیال آجاتا ہے جو جنگل کے گوشوں میں بھوکے پیاسے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ خیال مجھے بے چین کر دیتا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اس حالت میں کس طرح کوئی چیز میرے حلق سے اتر سکتی ہے۔

یہی عبدالرحیم روایت کرتے ہیں کہ جب میں سحری کے وقت سلطان المشائخ کی خدمت میں کھانا لے کر جاتا تو دیکھتا کہ آپ پر گریہ طاری ہے میں کھانا رکھ کر چلا آتا اور صبح کو وہ کھانا بچوں، بھانجوں اور مولانا زادوں (بابا فرید کے پوتوں اور نواسوں) میں تقسیم کر دیتا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ کی آنکھیں شب بیداری اور روزہ داری کے سبب [۱۴۵] سرخ رہتی تھیں ایک پل گریہ وزاری سے آرام نہ تھا (چنانچہ) جو شخص آپ کو دیکھتا وہ خیال کرتا کہ کوئی مستِ شراب ہے۔ سید محمد (امیر خورد کرمانی) کہتے ہیں:

شکارِ زلفِ تو جانہا بہ یک بار
اسیرِ زلفِ تو دلہا بہ ہر تار
خیالِ زلفِ تو خواب از سرم بُرد
دوچشمِ مستِ تو خونِ دلم خُورد

(ترجمہ) کتنی ہی جانیں ایک دم میں تیری نظر کا شکار ہو جاتی ہیں۔
تیری زلفوں کے ہر بال میں ہزاروں دل گرفتار ہیں۔ تیری زلف
کے خیال نے میری نیند اڑا دی ہے اور تیری مست آنکھوں نے
میرے دل کا خون پی لیا ہے۔

باوجود اس قدر مجاہدوں کے آپ کے چہرۂ مبارک پر ضعف اور تکان کا اثر ظاہر نہ ہوتا تھا (بلکہ) جس شخص کی نظر آپ کے جمالِ جہاں آرا پر پڑتی تھی اسے گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ آپ ہر شب چار یا پانچ سو رکعت نوافل ادا کرتے ہیں اور ہر روز روزہ رکھتے ہیں۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ ہر رات باری تعالیٰ کی عبادت میں بیدار رہتے۔ آپ کی مبارک آنکھیں نیند سے آلودہ نہ ہوتیں اور جب صبح ہوتی تو آپ خانقاہ کے بالاخانے سے اتر کر جماعت کے ساتھ نمازِ فجر ادا فرماتے نماز سے فارغ ہو کر مشائخِ کبار اور اولیائے نامدار کے سجادے پر رونق افروز ہوتے۔ اس وقت جو شریف اور صاحبِ عزت شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اس سے اس کی لیاقت کے مطابق گفتگو فرماتے، اس کی دلجوئی اور خاطر داری کرتے۔ اگرچہ ظاہر میں لوگوں سے بات چیت کرتے رہتے لیکن بباطن یادِ دوست میں مشغول رہتے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں

ہرگز وجودِ غایب و حاضر شنیدۂ
او درمیانِ جمع و دلش جائے دیگراست[۲]

تم نے (بہ یک وقت) کسی ہستی کے غایب اور حاضر ہونے کے بارے
میں نہ سنا ہو گا (لیکن) وہ بہ یک وقت لوگوں کے درمیان ہوتا ہے اور
اس کا دل دوسری جگہ ہوتا ہے۔

جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، مایوس اور خالی ہاتھ نہ جاتا۔ اسے کچھ نہ کچھ ضرور حاصل ہوتا، خواہ جیتل ہو یا لباس ہو۔ دن میں جس قدر فتوح اور نذرانے آتے وہ شام تک

تقسیم کر دیے جاتے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ قیلولہ فرما رہے تھے۔ اس دوران ایک مسافر (آپ سے ملنے کے لیے) بہت دور سے آیا (لیکن) اخی مبارک نے اسے ملنے سے محروم رکھا اور واپس لوٹا دیا، اسی لمحے خواجہ نے [۱۴۶] شیخ فرید الدین گنج شکر کو خواب میں دیکھا۔ خواجہ قدم بوسی کے لیے آگے بڑھے لیکن شیخ آپ سے ناخوش نظر آئے۔ آپ نے عرض کی کہ مخدوم مجھ سے کون سی خطا سرزد ہوئی جو آپ کی آزردگی کا موجب بنی۔ فرمایا، اے نظام میں یہ بات کس طرح روا رکھ سکتا ہوں کہ ایک ملاقات کرنے والا تمھارے دروازے سے محروم چلا جائے اور اسے کوئی چیز نہ دی جائے جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے آنے والے کے بارے میں دریافت کیا۔ اخی مبارک نے عرض کیا ایک مسافر آیا تھا لیکن اس وقت کوئی چیز مہیا نہ تھی جو اسے دیتا۔ شاید راستے میں ہو۔ آپ نے اس مسافر کو تلاش کروا کر بلایا اور اسے راضی کیا۔ بعد ازاں فرمایا کہ آئندہ جب بھی کوئی ملاقاتی آئے، خواہ میں قیلولے میں ہی کیوں نہ ہوں مجھے بتایا جائے اسی باعث میں نے خواب میں شیخ الاسلام کو اپنے سے ناخوش دیکھا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ (اس واقعے کے بعد) جب سلطان المشائخ قیلولے سے اٹھتے تو دو باتیں ضرور دریافت فرماتے، ایک یہ کہ سایہ ہو گیا ہے، دوسرے یہ کہ کوئی شخص ملاقات کی غرض سے آیا ہے۔ آپ کا معمول تھا کہ ظہر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد مریدوں اور ملاقاتیوں کو طلب فرماتے، ہر ایک کی دلجوئی کرتے انھیں راحت پہنچاتے، اگرچہ خود روزے سے ہوتے لیکن مریدوں اور مسافروں کے لیے انواع و اقسام کے کھانے پکواتے ہر ایک کا حال دریافت فرماتے۔ کھانے کے بعد آنے والوں سے باتیں کرتے اور دلکش اسلوب میں علمی نکات بیان فرماتے۔ اس گفتگو کے دوران کسی کی مجال نہ تھی کہ زبان کھولے یا سر اٹھا کر آپ کے چہرے کی طرف دیکھے، خواہ کوئی کتنا ہی بڑا عالم ہوتا وہ خاموش اور سر جھکائے آپ کی گفتگو سنتا رہتا۔ چنانچہ سیر الاولیا میں ہے کہ مولانا شمس الدین یحییٰ جو استادِ شہر اور آپ کے مرید تھے بیان کرتے ہیں کہ جب بندہ اور شہر کے عالم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہماری مجال نہ ہوتی کہ اپنا سر اُٹھا کر آپ کے روئے مبارک پر نگاہ ڈالیں۔ اگر دوران گفتگو ہم میں سے کسی شخص سے مخاطب ہوتے تو ہم سر جھکائے ہوئے ہی جواب عرض کرتے۔ ہمیں کوئی علمی مسئلہ درپیش ہوتا [۱۴۷] تو آپ اپنے

نورِ باطن سے معلوم کر کے اسے وضاحت سے بیان فرماتے۔ شہر کے وہ تمام عالم اور فاضل حضرات جو اہلِ تصوف سے تعصب برتنے میں مشہور تھے آپ کے حضور مودب ہو کر بیٹھتے اور آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشایخ کا باطن جو محبت الٰہی کا دریا تھا ہمیشہ موجیں مارتا رہتا تھا اور کثرت گریہ سے آپ کی آنکھیں کہ اسرار کا چشمہ تھیں، آبدار موتی بکھیرتی رہتی تھیں۔

دل و چشمش ز شوق در محراب
چشمۂ آفتاب و چشمۂ آب

(ترجمہ) محراب میں عشق الٰہی سے اس کا دل روشنی کا سرچشمہ ہو گیا ہے اور آنکھیں پانی کا چشمہ بن گئی ہیں

آپ ہمیشہ صحرائے محبت کے پیاسوں کو شراب شوق سے مستِ شراب کرتے، اور بیابانِ عشق میں بھٹکنے والوں کی رہنمائی کر کے منزل مقصود پر پہنچاتے[۲] معصیت کی حرارت سے جھلسے ہوئے لوگوں کی اپنی شفقت کی چھاؤں میں پرورش کرتے اور نفسانی خواہشات (کی آگ سے) جلے ہوئے لوگوں کو اپنی نوازش کے سائے میں تربیت فرماتے۔ بارِ الٰہا اپنی رحمت کی نظر فرما کہ یہ سایہ ہمیشہ چھایا رہے۔

ان اوراد، نماز، روزے اور زکوٰۃ وغیرہ کے فوائد کا اجمالی بیان جو سلطان المشایخ کے معمولات میں داخل تھے

پختہ اعتقاد رکھنے والے طالبین پر واضح اور عیاں ہو، چونکہ یہ باب سلطان المشایخ کی آخرِ عمر کی عبادتوں اور ریاضتوں سے متعلق ہے اس لیے ان اوراق کے راقم فقیر حقیر محمد بلاق نے ضروری خیال کیا کہ پہلے اُن چند اوراد اور نمازوں کے فوائد اور اُن روزوں اور زکوٰۃ کے آداب بیان کر دیے جائیں جو سلطان المشایخ اور پیرانِ چشت کے معمولات میں داخل تھے۔ یہ فواید اور نکات مذکورہ بزرگوں کے ملفوظات سے منتخب کر کے تحریر کیے گئے ہیں تاکہ طالبین کو ان سے نفع اور سعادت حاصل ہو۔ امید ہے کہ نفع اور سعادت حاصل کرنے والے حضرات مصنف کے حق میں دعائے خیر فرمائیں گے۔ [۱۴۸]

مذکورہ اوراد کے فوائد کا مختصر بیان۔ جس شخص کو کوئی مشکل درپیش ہو، اور وہ اس سے چھٹکارا پانے کے لیے دعا کرنی چاہے تو اسے چاہیے کہ ان تین شرطوں کو یاد رکھے اور

انھیں بجالائے۔

اوّل یہ کہ دعا پڑھنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے

دوسرے یہ کہ دعا پڑھنے کے لیے جو جگہ مقرر کی جائے، وہاں کسی عورت کا گزر نہ ہو تاکہ دعا کرنے والا شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہے۔

تیسرے یہ کہ دعا کرنے سے پہلے اپنی توفیق کے مطابق صدقہ کرے تاکہ وہ دعا اجابت کے قریب ہو جائے اور کامیابی کے بعد زیادہ سے زیادہ صدقہ درویشوں میں تقسیم کرے تاکہ دوسری بار (کسی اور غرض سے) دعا کی جائے تو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اسے جلد ہی شرف قبولیت حاصل ہو۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی حاجت روائی کے لیے بادشاہ کے پاس جاتا ہے تو پہلے دربانوں کو انعام وغیرہ دے کر خوش کرتا ہے تاکہ وہ اسے اندر جانے دیں، اسی طرح فقرا بھی بارگاہِ الٰہی کے دربان ہوتے ہیں اگر کوئی شخص اپنی حاجت برآری کے لیے انھیں صدقہ نہ دے تو اس کی حاجت ہرگز پوری نہ ہوگی۔ امام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ دعا کے وقت کسی کیے ہوئے گناہ کا خیال دل میں نہ لایا جائے، کیوں کہ اس طرح کے خیال سے دعا کی قبولیت کے یقین میں ضعف پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنی کسی طاعت کا خیال دل میں نہ لائے کہ اس خیال سے غرورِ طاعت پیدا ہونے کا امکان ہے (ہر طرف سے بے تعلق ہو کر) صرف رحمتِ الٰہی پر نظر رکھنی چاہیے کہ دعا کی قبولیت کے لیے یہی احساس درکار ہے۔

دعا کے وقت دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے متصل اور کسی قدر بلند رکھنے چاہئیں اور توجہ اسی پر مرکوز رہنی چاہیے کہ اسی لمحے کوئی چیز میرے ہاتھوں میں ڈالی جانے والی ہے۔

جو شخص اس آیتِ کریمہ "وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجعَل لَّهٗ مَخرَجاً ۝ وَّ يَرزُقهُ مِن حَيثُ لَا يَحتَسِب"[۴] کو پابندی سے پڑھتا رہے، اس کا ہر کام، ہر مطلب پورا ہوگا اور ہر مشکل دور ہو جائے گی۔ وہ آسودہ حال رہے گا۔ جس شخص کی روزی تنگ ہو اسے چاہیے [۱۴۹] کہ ہر شب جمعہ یہ آیت پڑھے، جلد ہی اس کی روزی میں کشادگی پیدا ہوگی اور کامیابی اسے نصیب ہوگی۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہر رات پڑھا کرے اگر نہ ہو سکے تو ہر شبِ جمعہ میں پڑھنا کافی ہوگا۔

جو شخص قید میں یا کسی دوسری لاچاری میں گرفتار ہو، وہ باوضو سورہ یٰسین پڑھے،

اسے قید اور لاچاری سے رہائی مل جائے گی۔

(کہتے ہیں کہ) ایک مرتبہ بغداد میں ایک شخص کو شیر کے آگے ڈال دیا۔ وہ شخص سات دن تک شیر کے آگے پڑا رہا لیکن اسے کوئی گزند نہ پہنچا۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ شخص اس دعا کی حفاظت میں تھا۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم یا دایم بلا فنا، و یا قایم بلا زوال، و یا مشیر بلاوزیر، و یا صانع بلا نصیر اگر کوئی شخص ہر نماز کے بعد اسے سو بار پڑھے تو دشمنوں سے محفوظ رہے گا اور ہر دشمن اس کا دوست ہو جائے گا۔

اگر کسی شخص کو کوئی غم یا الم ہو، اسے چاہیے کہ اس آیت کا بہت زیادہ ورد کرے۔ حق تعالیٰ اسے جلد غم والم سے رہائی عطا فرمائیں گے۔ وہ آیہ کریمہ یہ ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اَنتَ سبحٰنکَ انّی کُنتُ مِنَ الظّالمِین[۵]

اگر کسی شخص کو کسی ظالم یا دشمن سے آزار پہنچے تو اسے چاہیے کہ یہ دعا پڑھے۔ حَسبِی[۶] اللّٰہُ نِعمَ الوَکیل نِعمَ المَولٰی وَ نِعمَ النّصِیرO[۷] اسے جلد ہی اس تکلیف سے چھٹکارا حاصل ہو گا۔

اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص نے حد سے زیادہ ظلم ڈھایا ہے تو مظلوم کو چاہیے کہ اُفَوّضُ اَمرِی اِلَی اللّٰہِ اِنّ اللّٰہَ بَصِیرٌ بالعِبَادِO[۸] بہت زیادہ پڑھا کرے تاکہ اسے پریشانی سے نجات حاصل ہو۔

دعا میں کثرت سے مشغول ہونے میں وضو کی شرط نہیں ہے تیمّم بھی کافی ہے لیکن باوضو دعا پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

جس شخص کے دل میں بہشت کی طلب ہے وہ یہ کلمہ زیادہ سے زیادہ پڑھا کرے تاکہ اسے فردوسِ بریں کے لائق قرار دیا جائے [۱۵۰] مَا شاء اللّٰہ وَلاَ حَولَ وَلاَ قُوّۃَ الاّ باللّٰہ

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے عمل حق جل شانہ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت حاصل کریں اور سنور جائیں اسے چاہیے کہ ہر نماز کے بعد دس بار یہ آیت پڑھے۔ رَبّنَا تَقبّل مِنّا اِنکَ اَنتَ السَمِیعُ العَلِیمO[۹]

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اسے حاصل ہو، اور دوزخ کی اگ سے

رہائی نصیب ہو وہ ہر فرض نماز کے بعد یہ آیت ایک بار یا تین بار پڑھے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنیَا حَسَنَۃً وَّفِی الاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ O [۱۰]

جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ ہر حال میں صابر رہے اور اس راہ میں اس کے قدم مضبوطی سے جمے رہیں اور اسے تصرف حاصل ہو جائے تو اسے چاہیے کہ یہ آیت بہت زیادہ پڑھا کرے۔ رَبَّنَا اَفرِغ عَلَینَا صبراً وَّ ثَبِّت اَقدَامَنَا وانصُرنا عَلَی القَومِ الکافِرِینَ O [۱۱]

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا دل روشن ہو جائے، اسے ہدایت نصیب ہو اور حق تعالیٰ کی رحمت اس پر چھا جائے، وہ یہ آیت زیادہ سے زیادہ پڑھے۔ رَبَّنَا لاَ تُزِغ قُلُوبَنَا بَعدَ اِذ ھَدَیتَنَا وَھَب لَنَا مِن لَّدُنکَ رَحمَۃً اِنَّکَ اَنتَ الوَھَّابُ O [۱۲]

جو شخص اس آیت کو بہت زیادہ پڑھے، حق تعالیٰ اسے لائق فرزند عطا فرمائیں گے، رَبِّ ھَب لِی مِن لَّدُنکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً اِنَّکَ سَمِیعُ الدُّعَاءِ O [۱۳]

بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اسی دعا کے باعث حق تعالیٰ نے حضرت یحیٰی علیہ السلام جیسا فرزند صالح عنایت فرمایا، نیز جو شخص حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں سعادت مند فرزند کی درخواست کرتا، عطا فرماتے [۱۴] اگر کسی شخص کا غلام بھاگ جائے اور وہ یہ آیت چند روز صبح و شام پڑھے تو بھاگا ہوا غلام اسے مل جائے گا۔ یہ دعا مجرب ہے۔

جو شخص یہ [۱۵۱] آیت بہت زیادہ پڑھے، اسے بچھڑے ہوئے دوست سے ملاقات نصیب ہو گی۔ اس کا دوست خود اس کے پاس آئے گا یا وہ اپنے دوست تک پہنچے گا۔ رَبَّنَا اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَومٍ لاَّرَیبَ فِیہِ اِنَّ اللّٰہَ لاَ یُخلِفُ المِیعَادَ O [۱۵]

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی پیدا ہو، وہ باقی عمر (کسی کا) محتاج نہ رہے، اسے چاہیے کہ یہ آیت زیادہ سے زیادہ پڑھے۔ رَبَّنَا اَنزِل عَلَینَا مَائِدَۃً مِّنَ السَّمَاءِ تَکُونُ لَنَا عِیداً لاَّوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰیَۃً مِّنکَ وَارزُقنَا وَاَنتَ خَیرُ الرَّازِقِینَ O [۱۶]

اگر کوئی شخص کسی ظالم کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جائے تو یہ آیت پابندی سے پڑھتا رہے۔ اسے جلد ہی ظلم سے رہائی حاصل ہو گی۔ رَبَّنَا لاَ تَجعَلنَا فِتنَۃً لِّلقَومِ

الظالمینO وَ نَجنَا بِرَحمَتکَ مِنَ القَومِ الکٰفِرِینَ O۱۷

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر یہ دعا کثرت سے پڑھتے تھے، یا دایم العز و البقاء یا ذالجلال والجود والعطاء یا اللّٰہ، یا رحمٰن، یا رحیم بحق ایاک نعبد و ایاک نستعین، اور فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا ہے اسی دعا کے صدقے میں عطا فرمایا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ بھی یہ دعا پابندی سے پڑھتے تھے اور حق تعالیٰ نے اس دعا کے طفیل ان کے لیے بھی دولت کے دروازے کھول دیے تھے۔

جو شخص یہ آیت تَوَفَّنِی مُسلِماً وَّ اَلحِقنِی بِالصّٰلِحِین[18] پابندی سے پڑھے گا (حق تعالیٰ) اسے بہ حیثیت مسلمان (اس دنیا سے) اٹھائیں گے اور اسے نیک بندوں میں شامل کریں گے۔

[19]--------- [۱۵۲]---------- جو شخص کسی پریشانی سے نکلنے کے لیے چالیس بار سورۂ فاتحہ بسم اللّٰہ کے میم کو ملا کر پڑھے اور جب الرحمٰن الرحیم کے جملے پر پہنچے اسے تین بار ادا کرے اور تین بار ہی آمین کہے [۱۵۳] حق تعالیٰ بہت جلد اس کی پریشانی دور کریں گے اور غم والم سے رہائی نصیب فرمائیں گے، لیکن بہتر یہ ہے یہ عمل سات دن تک کرے اور دل میں بھی یہ عمل جاری رکھے۔

جو شخص سفر کے وقت آیت الکرسی پڑھ کر گھر سے نکلے، حق سبحانہ تعالیٰ اسے صحیح سلامت کامیابی کے ساتھ واپس گھر پہنچائیں گے۔ اسی طرح گھر میں داخل ہوتے وقت پڑھے تو ہر مصیبت جو گھر میں بپا ہو سکتی ہے اس سے محفوظ رہے گا اور اس کے گھر میں جس قدر برکت چاہیے برکت ہوگی۔

(بیان کرتے ہیں کہ) ایک رات ایک درویش کے گھر میں چور آ گئے۔ اس نے آیت الکرسی پڑھ کر گھر کے چاروں طرف دم کر دیا۔ تمام چور اندھے ہو گئے اور پکڑے گئے۔

جس شخص کی روزی تنگ ہو، اسے چاہیے کہ ہر صبح کلمہ لاحول آخر تک سو مرتبہ پڑھے تاکہ اسے فراخی نصیب ہو۔ اسے غیب سے بہت سی دولت حاصل ہوگی اور غم والم سے رہائی ملے گی۔

جو شخص ہر فرض نماز کے بعد سورۂ مزمل کی تلاوت کرے وہ فقر و فاقے کی آفت اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اگر اپنے اوپر دم کر کے بادشاہ کے روبرو جائے تو عزت

ملے گی اور بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔

جو شخص یہ دعا اَخرَجَ اللّٰہ مِنِ ھُمُومِ الدّنیاَ وَیرزقُہ مِنِ حَیثُ لا یَحتَسِب[۲۰] پابندی سے پڑھتا رہے وہ دنیا کے غموں سے بچا رہے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق حاصل ہوگا جو اس کے گمان میں نہیں آسکتا۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جو شخص ہر ماہ کی پندرھویں شب قبلے کی طرف رخ کر کے دوزانو بیٹھے اور یہ آیت دس ہزار مرتبہ پڑھے وَاللّٰہُ مُستَعَانُ عَلیٰ ما تصفُونO[۲۱] اور ہر مرتبہ ہزار بار پڑھنے کے بعد سجدے میں سر رکھے اور تین مرتبہ آمین، آمین، آمین کہے (وظیفہ) ختم کرنے کے بعد جو حاجت طلب کرے گا حاصل ہوگی۔

جو شخص نئے مہینے کی ہر رات کو تیس بار سورہ فاتحہ بسم اللہ کے ساتھ پڑھے وہ تیسوں دن یعنی پورے مہینے [۱۵۴] دنیا اور آخرت کی آفتوں سے سلامت رہے گا۔ بہتر یہ ہے کہ جب نیا چاند دیکھے اسی وقت سے پڑھنا شروع کر دے اور اگر نہ ہو سکے تو مغرب کی نماز کے بعد پڑھے۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جو شخص یہ آیت ھُوَ الّذِی اَنزَلَ السَّکِینَۃَ فِی قُلُوبِ المُؤمِنِینَ لِیَزدادوا ایماناً مَّعَ ایمَانِہِم وَلِلّٰہِ جُنُودُ السمٰوٰتِ وَالاَرضِ وکَانَ اللّٰہُ عَلِیماً حکیماًO[۲۲] سات دن سات بار پڑھے وہ پریشانی سے محفوظ رہے گا اور حق تعالیٰ اس کے دل کو سکون اور اطمینان بخشے گا۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جو شخص یہ دعا "اللھم انی اسئلک ان لااسئلک سواک"[۲۳] سو بار پڑھے اسے اطمینان کلی حاصل ہو، اور پریشانی و سرگردانی سے چھٹکارا ملے۔ خود سلطان المشائخ اس دعا کو پابندی سے پڑھتے تھے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص پابندی سے درود و صلوٰۃ پڑھے اور دم کرے، اسے جلد از جلد شفا حاصل ہو، اور آثارِ صحت نمودار ہوں۔ (یہ تدبیر مجرب ہے۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جو شخص یہ تین کلمے، "اللہُ الشافی"، "اللہ الکافی"، "اللہ المعافی" لکھ کر مریض کے بازو یا گلے میں باندھے وہ جلد شفایاب ہو۔ نیز جو شخص سلطان المشائخ سے تعویذ کے لیے عرض کرتا، آپ یہی تینوں بابرکت کلمے لکھ کر عطا فرماتے۔

سلطان المشائخ روایت کرتے ہیں کہ تعویذ کو بازو یا گلے میں کس کر باندھنا چاہیے کیوں کہ تعویذ کو لٹکانا اور معلق رکھنا رسول علیہ السلام کی حدیث کی رو سے منع ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تعویذ کو بازو پر باندھے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے اسم پاک "یاسلام" کو ایک سو گیارہ بار پڑھ کر مریض پر [۱۵۵] دم کرے، اس کی صحت کی امید پیدا ہو۔ اگر غیر حاضر مریض پر دم کرے تب بھی اسے صحت حاصل ہو گی یہ دعا آزمودہ ہے۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ خواجہ علی حکیم ترمذی نے ہزار مرتبہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور ہر مرتبہ عرض کیا کہ میں اس دنیا میں کون سی دعا پڑھوں جس کے طفیل دنیا کی بلاؤں سے محفوظ اور مامون رہوں۔ رب العزت نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یاحییّ، یاقیّوم، یاحنّان، یامنّان، یا بدیع السمٰوٰت والارض، یا ذوالجلال وَالاکرام اسالک اَن تحی قلبی بنور معرفتک یااللہ یا اللہ" یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا حی، یا قیوم، اے بخشنے والے، اے بڑی نعمت دینے والے، اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے، اے جلال و اکرام والے میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میرے دل کو اپنے نورِ معرفت سے زندہ کر دے یا اللہ یا اللہ۔

سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ہر روز نماز فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان اکتالیس مرتبہ بسم اللہ اور الحمد کو اس طرح بلا کر پڑھ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیمل حمد للہ رب العالمین"[۲۴] وہ باقی عمر کسی غیر کا محتاج نہ رہے گا حق تعالیٰ اسے بلا کسی واسطے کے رزق عطا فرمائیں گے۔

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ جو شخص ایک بار درود شریف پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کلمے کے طفیل اس کے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف کر دیتا ہے۔ جو اولیائے کبار اور مشائخ خدا تک پہنچے ہیں، ان کا وظیفہ بھی درود شریف تھا، چنانچہ حضرت خواجہ قطب الدّین ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتے تھے، اس کے بعد سوتے تھے وہ درود شریف یہ ہے۔ "اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد عبدک وَنَبِیک وَحبییک وَرسولک النبّی الامّی و علیٰ آلہ" حضرت سلطان المشائخ خود بھی یہ درود شریف اور سورہ اخلاص ہزار ہزار بار پڑھتے تھے اس کے بعد سوتے تھے۔ حضرت شیخ فرید الدّین گنج شکر بھی بہت زیادہ درود شریف پڑھتے تھے۔ خواجہ سنائی کا سوائے درود شریف کے دوسرا کوئی وظیفہ نہ تھا، چنانچہ بیان کیا جاتا

ہے کہ ایک شب خواجہ سنائی نے رسول علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ خواجہ آگے بڑھے کہ قدم بوسی کریں [۱۵۶] رسول علیہ السلام نے چادر مبارک سے روئے مبارک چھپالیا۔ خواجہ نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے کیا تقصیر ہوئی کہ زیارت سے محروم ہوں۔ رسول علیہ السلام نے انھیں اپنی بغل میں لیا اور فرمایا، اے سنائی تم نے اس قدر درود پڑھے ہیں کہ میں شرمندہ ہوں کس طرح اپنی پسندیدگی کا اظہار کروں۔

نماز کی توصیف

نماز پانچ قسم کی ہیں (جن کی تفصیل ذیل میں درج ہے)

پہلی قسم، روزانہ نماز

دوسری قسم، ہفتہ واری نماز

تیسری قسم، ماہانہ نماز

چوتھی قسم، سالانہ نماز

پانچویں قسم، متفرق نماز

منقول ہے افضل الفواید میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک روز رسول علیہ السلام تشریف فرما تھے کہ یہودیوں کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور استفسار کیا، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پانچ نمازیں جو پانچ اوقات میں آپ کی امت پر فرض کی گئی ہیں اس کا سبب کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے پہلی نماز (نمازِ ظہر) کے وقت مخلوق کو پیدا فرمایا تھا۔ چوں کہ وہ رحمت کا وقت تھا اس لیے میری امت کو حکم ہے کہ اس عظیم اور خاص ساعت میں خدا کو یاد کرے تاکہ رحمت کے اس وقت سے محروم نہ رہے۔ دوسری نماز (نمازِ عصر) کا وقت ایسا وقت ہے جب حضرت آدم علیہ السلام نے گندم کھایا تھا اور بہشت سے نکلے تھے چنانچہ باری تعالیٰ نے میری امت کو حکم دیا کہ اس وقت چار رکعت نماز ادا کر کے اس واقعے کو یاد کریں تاکہ اس گھڑی کی مصیبتوں سے محفوظ رہیں۔ شام کی نماز (مغرب کی نماز) کا وقت وہ وقت ہے جب تین سو سال کے بعد آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی فرمائی تھی، چنانچہ میری امت کو حکم ہے کہ (رحمت کی) اس ساعت میں تین رکعت نماز ادا کر کے وہ وقت یاد کرے اور حق تعالیٰ کی مغفرت کا امیدوار بنے۔ سونے کی نماز (عشاء کی نماز) کا وقت وہ وقت ہے جسے انبیاء علیہم السلام اور اولیا نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا [۱۵۷] چنانچہ حق تعالیٰ نے اس وقت

میری امت پر چار رکعت نماز فرض کی اور میری امت کو ان حضرات کے مرتبے تک پہنچایا۔ نماز فجر کا وقت وہ وقت ہے کہ جب (حق تعالیٰ کی) رحمت نازل ہوتی ہے اور توبہ قبول ہوتی ہے، چنانچہ حضرت حق نے میری امت کو حکم دیا کہ اس وقت دو رکعت نماز ادا کر کے اسے یاد کریں اور گناہوں سے توبہ کریں تاکہ ان کی مغفرت ہو اور ان پر رحمت کی جائے۔ کافروں نے کہا آپ نے سچ فرمایا ہے، ہماری کتاب توریت میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد کافروں نے سوال کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی امت کے ان لوگوں کو جو یہ (پانچوں) نماز ادا کریں گے کیا ثواب ملے گا۔ فرمایا جو شخص نماز ظہر ادا کرے گا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جائے گی کہ اس وقت دوزخ کو آگ سے روشن کرتے ہیں۔ جو شخص نماز عصر ادا کرے وہ حق تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہے گا کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکالا گیا تھا۔ جو شخص مغرب کی نماز ادا کرے وہ حق تعالیٰ سے جو حاجت طلب کرے اسے حاصل ہو گی کیوں کہ اس وقت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی اور ان کی حاجت پوری کی گئی تھی۔ جو شخص نماز عشاء ادا کرے، حق سبحانہ تعالیٰ اسے انبیا اور اولیا کے زمرے میں جگہ عطا فرمائیں گے کیوں کہ یہ وقت ان کی مناجات کا وقت ہے۔ جو شخص نماز فجر ادا کرے، حق سبحانہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائیں گے اور بہشت میں اس کی جگہ مقرر کریں گے کہ یہ رحمت الہیٰ کا وقت ہے۔ کافروں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے سچ فرمایا، ہماری کتاب توریت میں ایسا ہی تحریر ہے۔

مشایخ کے معمولات کے مطابق فجر کے وقت نمازوں کی ترتیب کے فواید

جو شخص نماز فجر کی دو رکعت سنتوں میں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد الم نشرح اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد الم ترکیف پڑھے اسے بواسیر کے مرض سے چھٹکارا حاصل ہو۔

امام کو چاہیے کہ فجر کی فرض نماز کی دونوں رکعتوں میں [۱۵۸] ایسی سورتیں جن میں بخشش اور رحمت کا ذکر ہو یا ایسی آرزومندانہ آیتیں جن میں عذابِ دوزخ کا ذکر نہ ہو تلاوت کرے تاکہ اس کے لیے اور تمام مقتدیوں کے لیے باعثِ برکت ہو۔ اگر کوئی فال نکالے تو بھلائی حاصل ہو اور برائی ظاہر نہ ہو۔ اس کے بعد یہ دعا جو پیرانِ چشت کا معمول رہی ہے پڑھے

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللّٰھم زدنورنا، وَزدسرورنا، وزدحضورنا و

زدمعرفتنا، وزدرزقنا، وزدنعمتنا، وزدعبادتنا، وزدمحبّتنا، وزدعشقنا، و زدشوقنا، وزدصحتنا، وزدعلمنا، وحلمنا، برحمتک یاارحم الرحمین

(ترجمہ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اے رب ہمارے نور کو بڑھادے، ہمارے سرور کو بڑھادے، ہمارے حضور کو بڑھادے، ہماری معرفت بڑھادے، ہمارا رزق بڑھادے، ہماری نعمتوں میں اضافہ کردے، ہماری عبادات بڑھادے، ہمارے محبت میں اضافہ کردے، ہمارا عشق بڑھادے، ہمارا شوق بڑھادے، ہماری صحت بہتر کردے، ہمارا علم بڑھادے، ہمارا حلم بڑھادے، اپنی رحمت سے اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔

درویش کو چاہیے کہ صبح سے طلوع آفتاب تک جو وقت ہے، اسے غنیمت خیال کرے اور خود کو مصلّے سے علاحدہ نہ کرے اور اللہ کی یاد میں مشغول رہے۔ جب آفتاب ایک نیزے کے برابر بلند ہوجائے تو دو رکعت نمازِ اشراق ادا کرے اس نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی[۲۵] ھم فیھا خالدون تک اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اٰمن الرّسول[۲۶] سے آخرِ سورت تک اور اللہ نُورُ السّمٰوٰتِ وَالاَرض[۲۷] ـــــ کلّ شیٔ عَلِیم تک پڑھے نماز سے فارغ ہونے کے بعد سر سجدے میں رکھے اور جو حاجت ہو، عرض کرے تاکہ حق سبحانہ تعالیٰ وہ حاجت پوری کرے اور اسے مقصود تک پہنچائے۔ اس کے بعد دو رکعت نماز استعاذہ ادا کرے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد قل اعوذ برب الفلق اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد قل اعوذ برب الناس پڑھے۔ بعد ازاں دو رکعت نماز استخارہ ادا کرے جس کی پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد قل یاایھاالکفرون اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد قل ھواللہ احد پڑھے۔

سلطان المشایخ فرماتے ہیں کہ نماز استخارہ جو، ہر روز [۱۵۹] ادا کی جاتی ہے وہ اس روز کی خیریت کے لیے ہوتی ہے۔ ہر جمعے کو پڑھی جاتی ہے تو ایک ہفتے کی خیریت کے لیے ہے۔ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو پڑھی جائے تو وہ اس ماہ کی عافیت کے لیے ہوتی ہے۔ ہر عید کے دن جو نماز استخارہ پڑھی جاتی ہے خواہ عیدالضحیٰ ہو یا عید الفطر، وہ پورے سال کی خیریت کے لیے ہے۔

یہ تینوں دو رکعت نمازیں یعنی اشراق، استعاذہ اور استخارہ مشایخ چشت کے معمولات

میں شامل تھیں، چنانچہ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر نے حضرت سلطان المشایخ کو یہ تینوں نمازیں ایک نشست میں تلقین کیں۔ اسی طرح سلطان المشایخ نے شیخ نصیر الدین محمود کو ایک ہی وقت ان نمازوں کی ہدایت کی۔

درویش کو چاہیے کہ ان تین دوگانہ نمازوں کو ادا کرنے کے بعد دو رکعت "صلوٰۃ النور" ادا کرے۔ اس کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ انعام کی ابتدائی آیات یَستَھزِؤنَ [۲۸] تک اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد اَلَم یَرَو کَم اَھلَکنَا سے یَستَھزِؤنَ [۲۹] تک پڑھے۔

حضرت سلطان المشایخ نے فرمایا، حدیث میں آیا ہے کہ جب دن نکلتا ہے اور آفتاب طلوع ہوتا ہے تو (ایک) فرشتہ آسمان سے بیت المقدس کی چھت پر اترتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اے خدا کے بندو، اے محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت کے لوگو، حق تعالیٰ نے تمھیں آج کا دن عنایت کیا ہے اور دوسرا دن آنے والا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے سو اس دن کی نجات کے لیے کوئی کام کرو۔ وہ کام یہ ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرو جس کی پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد پانچ مرتبہ قُل یَا اَیُّھَا الکَافِرُون اور دوسری رکعت میں بھی فاتحہ کے بعد قُل یَا اَیُّھَا الکَافِرُون [۳۰] پڑھو تاکہ تم پر روزِ قیامت کا حساب آسان ہو جائے۔ پھر جب رات ہوتی ہے تو وہی فرشتہ بیت المقدس [۳۱] کی چھت پر اترتا ہے اور ندا دیتا ہے کہ اے خدا کے بندو، اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم [۱۶۰] کی امت کے لوگو حق سبحانہ تعالیٰ نے تمھیں آج کی شب عطا کی ہے اور دوسری رات درپیش ہے اور وہ قبر کی رات ہے، سو اس رات (کی بہتری) کے لیے اس رات کوئی کام کرو تاکہ وہ رات تم پر آسان ہو جائے اور وہ کام یہ ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرو اس کی دونوں رکعتوں میں فاتحہ کے بعد پانچ پانچ مرتبہ قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَد پڑھو [۳۲]

اس فن کے طالبین پر واضح ہو کہ مشایخ چشت میں سے بعض حضرات روزانہ کی یہ دو رکعت نمازیں جن کا ذکر کیا گیا ہے، نماز اشراق سے پہلے پڑھتے تھے، اور بعضے بزرگ رات کی دو رکعت "صلوٰۃ النور" حفظ الایمان اور اوّابین وغیرہ سے قبل اور بعد میں بھی ادا کرتے تھے بہر صورت ان نمازوں کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

سلطان المشایخ فرماتے ہیں کہ ہمارے مشایخ نے نفل نمازیں اکثر باجماعت بھی ادا

کی ہیں۔ جماعت کے ساتھ نوافل ادا کرنا زیادہ بہتر ہے اور ماضی کی امتوں میں جماعت کے بغیر نماز جائز نہ تھی نیز حدیث میں بھی وارد ہوا ہے کہ جو شخص تنہا نماز ادا کرتا ہے، ابلیس اس کا ساتھ دیتا ہے پس ہر نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا بہتر ہے

درویش کو چاہیے کہ جب چاشت کا وقت ہو جائے تو اسے ہاتھ سے نہ جانے دے۔ بارہ رکعتیں تین سلام کے ساتھ ادا کرے، اگر نہ ہو سکے تو چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ کافی ہیں۔ (ترتیب یہ ہے) پہلی چار رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد انّا فتحنا، انّا اَرسلنَا، انّا انزلنَا[۳۳] انّا اَعطینَا پڑھے۔ دوسری چار رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد وَالشَّمس، وَاللّیل، وَالضحیٰ اور الَم نَشرَح یعنی یہ چار صورتیں دوسری چار رکعتوں میں پڑھے۔ تیسری چار رکعتوں میں [۱۶۱] سورہ فاتحہ کے بعد چاروں قُل پڑھے یعنی ہر رکعت اور ہر قُل اس نماز کے پڑھنے والے پر کبھی روزی تنگ نہ ہو گی۔

حدیث میں آیا ہے کہ چاشت کا وقت دن کے ایک پہر سے نصف النّہار تک رہتا ہے۔

درویش کو چاہیے کہ نماز چاشت ادا کرنے کے بعد دو رکعت نماز "صحت النفس" ادا کرے اس کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی اور سورہ اخلاص پانچ بار[۳۴] اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد اٰمن الرسول اور والضحیٰ ایک ایک بار اور سورہ اخلاص پانچ مرتبہ پڑھے تاکہ اسے صحت نفس حاصل ہو اور کسی وجہ سے بیمار نہ ہو۔

جب زوال کا وقت ہو جائے یعنی تھوڑا سایہ ہو جائے تو درویش یہ وقت ہاتھ سے نہ جانے دے چار رکعت نماز فی الزوال ایک سلام کے ساتھ پڑھے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد پچاس مرتبہ یا دس مرتبہ یا تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔ اس وقت کو غنیمت جانے کہ عظمت و کرامت میں نصف النہار، نصف اللیل سے بر تر ہے۔ سلطان المشائخ اور دیگر مشائخ یہ وقت ضائع نہ کرتے تھے۔

ظہر کے وقت مشائخ چشت کی نمازوں کی ترتیب کے فوائد

فائدہ۔ درویش کو چاہیے کہ ظہر سے قبل چار رکعت سنّت نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد چار قل پڑھے یہ مشائخ چشت کا دستور رہا ہے اور اس میں ثواب بھی زیادہ ہے۔ ظہر کی فرض نماز کے بعد دو رکعت سنّت نماز کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں اٰمن الرسول پڑھے کہ یہ بھی مشائخ کا دستور العمل رہا ہے۔ درویش کے لیے ضروری ہے کہ جب ظہر کی نماز سے فارغ ہو جائے تو پانچ سلام کے ساتھ دس رکعت

"صلوٰۃ الخضر" پڑھے اور اس وقت کو غنیمت خیال کرے۔ ان دس رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد آخر قرآن کی دس سورتیں [۱۶۲] پڑھے تاکہ خضر علیہ السلام سے ملاقات نصیب ہو اور ان سے نعمت حاصل ہو اس کے بعد دو رکعت "صلوٰۃ الاستقامت" ادا کرے۔ اس کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار سورہ والضحیٰ اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد ایک بار سورہ الم نشرح پڑھے تاکہ اسے ظاہری اور باطنی استقامت حاصل ہو، اور دلی اطمینان بھی میسّر ہو۔ یہ نماز بھی مشایخ چشت کے دستور العمل میں شامل رہی ہے۔

عصر کے وقت نمازوں کی ترتیب اور اوراد کے فوائد

درویش کو چاہیے کہ نماز عصر سے پہلے چار رکعت سنّت نماز جو اگرچہ موکدہ نہیں ہے، ادا کرے کہ یہ مشایخ کے معمولات میں شامل رہی ہے۔ اس نماز کی چاروں رکعتوں میں اذازلزلت الارض سے الھکم التکاثر تک پڑھے۔ یہ چاروں سورتیں متصل ہیں اگر بجائے اذازلزلت الارض کے سورۃ البروج شامل کرے تو ناسور اور بواسیر کے لیے مفید ہے یہ تجربے میں آئی ہوئی ہے۔

جب نماز عصر سے فارغ ہو تو سورہ نبا پانچ بار پڑھے تاکہ اس کے دل میں باری تعالیٰ کی محبت زیادہ ہو۔ اس کے بعد ایک بار سورہ والنازعات پڑھے جو مشایخ کا معمول رہا ہے۔ سلطان المشایخ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز عصر کے بعد سورہ والنازعات پڑھے اسے ایک وقت کی نماز سے زیادہ گور میں نہیں رکھا جائے گا یعنی اسے بہشت میں لے جائیں گے اور راحت بخش مقام عطا کریں گے۔ ان دونوں مذکورہ بالا سورتوں کی تلاوت کے بعد مسبعات عشر پڑھے، جس کی ترتیب تحریر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے (اس کی ترتیب) عام طور پر مشہور ہے۔ اس میں مشغول رہے۔ (عصر سے) غروب آفتاب تک تمام وقت کو غنیمت خیال کرے۔

سلطان المشایخ نے فرمایا ہے کہ جو شخص نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک ان تین ناموں، یا اللہ یا رحمٰن، یا رحیم کا ورد کرے، حق سبحانہ تعالیٰ اس کی حاجت جلد [۱۶۳] پوری کرے گا، اور اسے اپنے دوستوں کے گروہ میں شامل کرے گا۔

مغرب کے وقت کی نمازوں کے فوائد

امام کو چاہیے کہ نماز مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں، جن میں بلند آواز سے قرأت ہوتی ہے سورہ فاتحہ کے بعد ایسی سورتیں تلاوت کرے جو مبارک اور بابرکت ہوں (کیوں

کہ) ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان سے فال نکالے تو اسے خوشخبری ملے اور اس کے دل کو تسلی حاصل ہو۔

درویش کو چاہیے کہ مغرب کی دو رکعت سنّت نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکافرون اور سورہ اخلاص یا فَسُبحَانَ اللّٰهِ حِینَ تُمسُونَ سے یخرِجُون[۳۵] اور سُبحَانَ ربِکَ ربِّ العزّۃِ آخرِ سورہ تک پڑھے[۳۶] اور خوب اچھی طرح سمجھ لے کہ یہ مشایخ کی سنّت ہے۔ پھر سجدہ کر کے یہ دعا پڑھے بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. سبوح قدوس ربّنا و ربّ الملائکۃ و الروح، اس کے بعد بیٹھ جائے اور ستّر بار یہ دعا پڑھے، ربّ اغفر وارحم و تجاوز عما تعلم فانک انت العلی العظیم الاعظم. اس کے بعد دوسری مرتبہ سجدہ کرے اور ستّر بار کہے، سبوح قدوس ربنا و رب الملائکۃ والروح اور سجدے میں جا کر اپنی حاجت طلب کرے (انشاء اللّٰہ) وہ پوری ہو گی۔

سلطان المشایخ فرماتے ہیں کہ درویش کو چاہیے کہ ماہِ رجب کی تیسری، چوتھی، پانچویں اور ایک دوسری روایت کے مطابق تیرھویں، چودھویں، پندرھویں تاریخ تینوں تاریخوں میں ہر روز چاشت کے بعد غسل کرے اور تین سلام کے ساتھ بارہ رکعتیں، نماز خواجہ اویس قرنی ادا کرے۔ پہلی چار رکعتوں میں قرآن میں سے جو کچھ یاد ہے پڑھے سلام کے بعد ستّر بار کہے، "لاالہ الااللّٰہ الملک الحق المبین لیس کمثلہ شی وھوالسمیع العلیم" دوسری چار رکعتوں میں ایک بار فاتحہ اور ایک بار اذا جاء نصر اللّٰہ پڑھے۔ سلام کے بعد ستّر بار کہے۔ انک اقوی معین واھدیٰ دلیل بحقّ ایاک نعبد [۱۶۴] وایاک نستعین۔ تیسری چار رکعتوں میں ایک بار فاتحہ اور تین بار سورہ اخلاص پڑھے۔ سلام کے بعد ستّر مرتبہ الم نشرح پڑھے اور سینے پر ہاتھ پھیر کر جو حاجت ہو، اس کے پورا ہونے کی دعا کرے جب تک غسل اور نماز سے فارغ ہو کسی سے بات نہ کرے کیوں کہ منع کیا گیا ہے[۳۷]

سلطان المشایخ نے فرمایا ہے کہ درازیٔ عمر کے لیے رجب کی ستائیسویں شب کو[۳۸] چار رکعت نماز ایک سلام کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے، چنانچہ جو شخص یہ چار رکعت نماز ادا کرے (حق تعالیٰ) اسے عمرِ دراز عطا فرماتے ہیں اور فقر و فاقے سے دور رکھتے ہیں۔ اس نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد جو سورہ یاد ہے تلاوت کرے۔

سلطان المشائخ نے فرمایا درویش کو چاہیے کہ رجب کی ستائیسویں شب کو یہ بارہ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ادا کرے[۳۹] اس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد جو سورت یاد ہے تلاوت کرے۔ سلام کے بعد سو بار سبحان اللہ والحمد للہ آخر تک، سو بار استغفار، سو بار درود شریف پڑھے اس کی جو حاجت ہوگی وہ پوری ہوگی۔

سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ درویش کو چاہیے کہ رجب کی ستائیسویں شب کو یہ بارہ رکعتیں تین سلام کے ساتھ ادا کرے تاکہ اس کی عمر دراز ہو اور اسے رزق کی فراخی حاصل ہو۔ اس نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار آیت الکرسی اور تین بار سورہ اخلاص پڑھے۔ نماز پوری کرنے کے بعد ہاتھ اُٹھا کر تین بار سورہ فاتحہ پڑھے تاکہ حق تعالیٰ اسے مطلوب تک پہنچائیں۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ رجب کی ستائیسویں شب کو رسول علیہ السلام کو معراج عطا ہوئی تھی پس جو شخص اس رات میں بیدار رہے اسے بھی معراج حاصل ہوگی۔ اس رات سو رکعت نماز ادا کرنے کو کہا گیا ہے[۴۰] جو شخص یہ نماز ادا کرے اس کی جو بھی حاجت ہوگی، حق تعالیٰ پوری فرمائیں گے [۱۶۵] اس نماز کی ہر رکعت میں ایک بار الحمد اور پانچ بار سورہ اخلاص تلاوت کرے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سو بار درود شریف سو بار سبحان اللہ والحمد للہ آخر تک پڑھے پھر سجدے میں سر رکھ کر جو حاجت ہے طلب کرے، وہ پوری ہوگی۔

سلطان المشائخ نے فرمایا ہے، درویش کو چاہیے کہ ماہِ شعبان کی پہلی شب میں یہ بارہ رکعتیں تین سلام کے ساتھ ادا کرے تاکہ اس کے جملہ گناہ معاف ہو جائیں۔ اس نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی توبہ قبول ہو اور استقامت حاصل ہو اسے چاہیے کہ ماہ شعبان کے پہلے پیر کی رات، غسل کرے اور یہ بارہ رکعتیں تین سلام کے ساتھ ادا کرے اس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد، جو سورت یاد ہے پڑھے، حق تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے اور توبہ کو استحکام حاصل ہوگا۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص شب برات میں یعنی ماہ شعبان کی پندرھویں شب میں یہ سو رکعت پچاس سلاموں کے ساتھ ادا کرے اسے ابدی سعادت حاصل ہوگی اور وہ مغفرت کے لائق قرار دیا جائے گا۔ اس نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد

دس مرتبہ سورہ اُخلاص پڑھے۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص شب برات میں یہ دو رکعت ادا کرے اس کی حاجت پوری ہوگی۔ اس نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار آیتہ الکرسی اور پندرہ مرتبہ سورہ اُخلاص پڑھے ایک دوسری روایت ہے کہ بارہ رکعت چھ سلام کے ساتھ ادا کرے۔ اس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ تیس رکعتیں پندرہ سلام کے ساتھ پڑھے اس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار انا انزلنا اور تین بار سورہ اُخلاص پڑھے۔ ہر سلام کے بعد ایک بار لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ[۴۱] آخر تک اور ایک بار سبحان اللہ والحمدللہ[۴۲] آخر تک اور سو بار درود شریف اور تین بار آیتہ الکرسی پڑھے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اس رات دو رکعت نماز خوش حالی کے لیے [۱۶۶] پڑھے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ہزار مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔ حق تعالیٰ اس کے رزق میں کشادگی فرمائیں گے اور اسے مقصود تک پہنچائیں گے۔

ماہ رمضان کی نمازوں کی ترتیب کے فوائد

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص ماہِ رمضان کی پہلی شب میں یہ دو رکعت نماز ادا کرے وہ پورے سال باری تعالیٰ کی حفاظت میں رہے گا اور کوئی مکروہ بات اس تک نہ پہنچ پائے گی اس نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار انا فتحنا پڑھے۔ وہ دوسرے سال تک حافظ حقیقی کی حفاظت میں رہے گا اور دنیاوی مصائب اس سے دور رہیں گے۔

تراویح کی بیس رکعتوں میں سورہ الحمد اور اخلاص مقرر کردہ تعداد کے مطابق پڑھے کہ یہ حضرت امیرالمومنین علیؓ اور مشایخ چشت کا معمول رہا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

تراویح میں پورا قرآن پڑھنا یا سننا حضرت امیرالمومنین عثمان غنیؓ اور دوسرے صحابہ کا معمول تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

جو شخص شبِ قدر یعنی ماہِ رمضان کی ستائیسویں شب کو یہ سو رکعت نماز ادا کرے، اسے شبِ قدر پانے کی سعادت حاصل ہوگی۔ حق تعالیٰ اسے دوستوں میں شامل کریں گے۔ اس نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس بار انا انزلنا اور تین بار سورہ اُخلاص پڑھے۔ ہر چار رکعتوں کے بعد سلام پھیرے۔ تراویح کی تسبیح پڑھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ بارہ رکعتیں چھ سلام کے ساتھ ادا کرے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس بار انا

اَنزلنا اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھے ہر سلام کے بعد سبحان اللہ والحمدللہ آخر تک پڑھے حق تعالیٰ اسے مقصود تک پہنچائیں گے۔

شب قدر کے (تعین کے) بارے میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض حضرات ماہِ رمضان کی انیسویں شب کو، بعض تیئیسویں شب کو، بعض پچیسویں شب کو شب قدر کا نزول مانتے ہیں (لیکن) مشایخ میں سے زیادہ تر ستائیسویں شب کو شب قدر تسلیم کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب [۷۶۱]

ماہ شوال کی نمازوں کی ترتیب کے فوائد

درویش کو چاہیے کہ عید الفطر کی رات میں یہ بارہ رکعتیں تین سلام کے ساتھ ادا کرے۔ اس کے نامۂ اعمال میں ایک سال کی عبادت کا ثواب لکھا جائے گا اگر دورانِ سال وفات پائے تو اسے شہادت کا درجہ عطا ہوگا۔ اس نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد پندرہ مرتبہ یا پانچ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے۔

درویش کو چاہیے کہ عید کے دن نماز عید اور خطبے کے بعد یہ چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ادا کرے اسے ہزار روزے، ہزار نماز اور ہزار حج کا ثواب عطا کیا جائے گا اور بہشت میں اس کی جگہ مقرر کی جائے گی۔ اس نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک بار سبحّ اسم اور دوسری رکعت میں والشمس، تیسری رکعت میں والضحیٰ، چوتھی رکعت میں قُل ھُوَاللہ اَحد ایک ایک بار پڑھے۔

ذی الحجہ کی نمازوں کی ترتیب کے فوائد

سلطان المشایخ نے فرمایا ہے، درویش کو چاہیے کہ ماہ ذی الحجہ کی پہلی رات میں یہ دو رکعت نماز ادا کرے۔ حق تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں گے نیز ہزار حج کا ثواب عطا فرمائیں گے اس نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ انعام کی ابتدائی تین آیات تلاوت کرے اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد ایک بار سورۂ اخلاص پڑھے۔

شیخ فرید الدّین گنج شکر نے فرمایا ہے، درویش کو چاہیے کہ ماہ ذی الحجہ کی پہلی دس راتوں میں نماز وتر کے بعد یہ دو رکعت نماز ادا کرے۔ اس کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک ایک بار اناّ اَعطینا اور سورہ اخلاص پڑھے تاکہ اسے بہت زیادہ ثواب حاصل ہو، اس کی مغفرت ہو، اور اس کے حال میں کشادگی پیدا ہو۔

شیخ فرید الدّین گنج شکر قدس سرّہ نے فرمایا ہے، درویش کو چاہیے کہ شب جمعہ میں

خواہ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہو یا دوسرا چھ رکعت تین سلام کے ساتھ ادا کرے اس نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد پندرہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔ ہر سلام کے بعد دس بار لاالٰہ الااللہ الملک الحق المبین [۱۶۸] کہے۔ اس کا بہت زیادہ ثواب ملے گا اور بہشت میں جلد داخل کیا جائے گا۔

شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ نے فرمایا ہے، درویش کو چاہیے کہ ذی الحجہ کے عرفے کی شب (نوذالحجہ کی شب) دو رکعت نماز ادا کرے اس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ آیتہ الکرسی پڑھے حق تعالیٰ اسے ہزار حج کا ثواب بخشیں گے اور اسے بہشت میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ نے فرمایا ہے درویش کو چاہیے عید الضحیٰ کے عرفے کے روز ظہر اور عصر کے درمیان یہ چار رکعت نماز ایک سلام کے ساتھ ادا کرے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد پچاس بار سورہ اخلاص پڑھے۔ نماز ختم کرنے کے بعد پھر سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔ حق تعالیٰ اسے ہرگز اپنے دروازے سے (خالی ہاتھ) نہیں لوٹائیں گے۔ اس کی ہر ضرورت پوری کریں گے اور کسی غیر کا محتاج نہ ہونے دیں گے۔

درویش کو چاہیے کہ عید الضحیٰ کی شب میں یہ دو رکعت نماز ادا کرے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورہ اخلاص تلاوت کرے۔ جب نماز سے فارغ ہو جائے تو سو مرتبہ درود شریف، سو مرتبہ استغفار، سو مرتبہ سبحان اللہ آخر تک پڑھے۔ اس کی جو خواہش ہوگی بر آئے گی۔ جو حاجت ہوگی پوری ہوگی۔

اس عظیم دعا کی برکت سے لیکن یہ پانچ سلام کے ساتھ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔[۴۳]

درویش کو چاہیے کہ عید الضحیٰ کی شب میں بارہ رکعت نماز چھ سلام کے ساتھ ادا کرے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار آیت الکرسی اور پچاس بار سورہ اخلاص پڑھے تاکہ اسے بے حد ثواب اور حج کی نیکی حاصل ہو۔

درویش کو چاہیے کہ عید الضحیٰ کی نماز کے بعد یہ چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ادا کرے پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار والشمس، دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد واللیل، تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد ایک بار والضحیٰ [۱۶۹] چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد الم نشرح پڑھے۔ جب عید الضحیٰ کی نماز سے فارغ ہو کر گھر پہنچے تو دو رکعت نماز ادا کرے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد پانچ بار سورہ والشمس تلاوت کرے۔ اسے حج

اور عمرے کا ثواب حاصل ہوگا۔

درویش کو چاہیے کہ ماہ ذالحجہ کے آخری دن یہ دو رکعت نماز ادا کرے۔ اس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد کسی مقام سے قرآن کی چند آیات جو یاد ہوں پڑھے۔ حق تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف فرمائیں گے۔

سالانہ نمازوں کی ترتیب اور ستاروں کی تسخیر کے فوائد

درویش کو چاہیے کہ جب آفتاب برج حمل سے اوّل دقیقہ باہر ہو جائے تو یہ بارہ رکعتیں چھ سلام کے ساتھ ادا کرے۔ وہ خوشی و خرّمی کی سعادت سے بہرہ مند ہوگا اور اسے یہ شادمانی بارہ مہینے یعنی پورے سال حاصل رہے گی۔ اس نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد بارہ مرتبہ سورہ والشمس تلاوت کرے۔ ہر سلام کے بعد سر سجدے میں رکھے اور بارہ مرتبہ سبحان اللہ کہے۔ جب نماز سے فارغ ہو جائے تو تین سو پینسٹھ بار اشہد ان لاالہ الااللہ آخر تک پڑھے[۴۴] تاکہ اس سال کے تمام دنوں میں اسے خوشی اور خرمی حاصل ہو، اور وہ تمام سال خوش و خوشحال رہے۔

درویش کو چاہیے کہ جب آفتاب کا شرف ظاہر ہو یعنی آفتاب برج حمل سے اُنیس درجے ہو تو یہ دس رکعتیں پانچ سلام کے ساتھ پڑھے اس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین بار الم نشرح پڑھے۔ جب نماز سے فارغ ہو تو پندرہ مرتبہ سورہ یٰسین پڑھے۔ حق تعالیٰ اس کی ہر خواہش پوری کریں گے اور وہ اس سال خوش و خرم رہے گا۔

درویش کو چاہیے کہ ستاروں کی تسخیر کرے۔ اسے چاہیے کہ آفتاب کے شرف کے وقت جس ستارے کو مسخر کرنا ہے اس کے لیے چاندی کا ایک نگین تیار کرے۔ اس پر مربع نقش بنائے۔ اس کے بعد [۱۷۰] مطلوبہ ستارے کے نام اور اپنے نام کے عدد یکجا کرے۔ عین اس وقت جب وہ ستارہ آفتاب کے شرف میں آئے تو اس مربع نقش میں (وہ عدد) قاعدے کے مطابق کندہ کرائے اور چاندی کی انگوٹھی میں چسپاں کرے وہ انگوٹھی دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنے۔ جب بیت الخلا جائے تو انگوٹھی اتار کر دوسرے کو دے دے۔ وہ ستارہ پورے سال یعنی دوسرے شرف تک اس کا مطیع رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی حرکت انگوٹھی کے مالک کے مدعا کے مطابق ہوگی اور ہر کام میں اس کا مددگار ہوگی[۴۵]

متفرق نمازوں کی ترتیب

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے، درویش کو چاہیے کہ اپنی تمام عمر میں یہ چار رکعت نمازِ تسبیح ایک سلام کے ساتھ ادا کرے تاکہ اس کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ معاف کر دیے جائیں اور اس پر آتش دوزخ حرام کر دی جائے۔ اگر ہر ماہ کی پہلی شب میں ادا کرے تو ثواب عظیم حاصل ہو اور اس کی ہر مراد بر آئے۔ اس کی ہر رکعت میں سورہٗ فاتحہ کے بعد جو سورتیں یاد ہوں تلاوت کرے، پھر قیام ہی میں پندرہ بار سبحان اللہ آخر تک پڑھے۔ اس کے بعد رکوع میں جائے۔ رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بعد پندرہ بار سبحان اللہ آخر تک پڑھے پھر رکوع سے سر اٹھائے اور قومہ کرے اور قومہ میں پندرہ مرتبہ سبحان اللہ آخر تک پڑھے۔ اس کے بعد سجدے میں جائے اور ہر سجدے میں سبحان رب الاعلیٰ کے بعد پندرہ بار سبحان اللہ آخر تک کہے چنانچہ ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ کلمہ سبحان اللہ آخر تک پڑھے۔ بعد ازاں جو کچھ طلب کرے گا، حاصل ہوگا۔

حضرت سلطان المشایخ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ نماز تسبیح اپنی تمام عمر میں ایک بار ادا کرے حق تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں گے اور بہشت عنایت کریں گے۔

حضرت سلطان المشایخ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی حاجت پوری ہونے کے لیے سات راتیں "صلوٰۃ السعادۃ" [۱۷۱] ادا کرے اس کی حاجت پوری ہوگی۔

رسول علیہ السلام کو اگر کوئی مشکل پیش آتی تو نماز "صلوٰۃ السعادۃ" ادا فرماتے۔ وہ مہم اور کام آسان ہو جاتے۔ اس نماز کی ترتیب اس رسالے میں پہلے بیان ہو چکی ہے۔ یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔[۴۶]

سلطان المشایخ نے فرمایا درویش کو چاہیے کہ یہ دو رکعت نماز، والدین اور اپنی مغفرت کے لیے پڑھے تاکہ عذاب دوزخ سے رہائی حاصل ہو۔ اس کی ہر رکعت میں سورہٗ فاتحہ کے بعد چاروں قل پڑھے۔

سلطان المشایخ فرماتے ہیں، درویش کو چاہیے کہ مشکل حاجت بر آنے کے لیے دو رکعت نماز خواہ دن میں یا رات میں تجدید وضو کر کے ادا کرے۔ دونوں رکعتوں میں (فاتحہ کے بعد) جو کچھ یاد ہے پڑھے۔ نماز کے بعد پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھے پھر دایاں پیر اٹھائے اور اس پر دایاں رخسار رکھے اور ایک گھڑی اسی حالت میں بیٹھا رہے اس کی حاجت پوری ہوگی۔

جو شخص دو رکعت نماز ادا کرے اور ہاتھ اُٹھا کر ہزار مرتبہ یارب کہے اس کی ہر حاجت پوری ہو گی زیادہ سے زیادہ سات دن اور کم سے کم تین دن یہ عمل کرے۔

جو شخص صبح کے وقت سات دن ہزار بار تکبیر کہے، حق تعالیٰ اس کے رکے ہوئے کام آسان کر دے گا۔

جو شخص کثرت سے ارزقنی طیبا و استعملنی صالحا کا ورد کرے اس کو رزق حلال میسّر ہو، اور اس سے نیک اعمال بھی صادر ہوں گے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں، درویش کو چاہیے کہ جب سفر کے لیے گھر سے نکلے یہ دو رکعت نماز ادا کرے تاکہ جو مصیبت راستے میں آنے والی ہے حق تعالیٰ اسے اس مصیبت سے محفوظ رکھے اور جس وقت گھر آ پہنچے یہی دو رکعت ادا کرے تاکہ جو مصیبت گھر میں پیش آ سکتی ہے باری تعالیٰ اس بلا سے اسے امان میں رکھے۔ اس کی ہر رکعت میں [۱۷۲] سورۂ فاتحہ کے بعد ایک بار آیت الکرسی پڑھے۔ اگر یہ دو رکعت نماز ادا نہ کر سکے تو دونوں حالتوں میں ایک بار آیت الکرسی پڑھے تاکہ بلاؤں سے محفوظ رہے۔ اگر آیت الکرسی نہ پڑھے تو چار مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ ہر حال میں پڑھ لے تاکہ وہی غرض حاصل ہو اور سعادت اپنا چہرہ دکھائے۔ اگر مسجد میں مکروہ اوقات کی وجہ سے "تحیت المسجد" کی نماز ادا نہ ہو سکے تو یہی کلمہ چار مرتبہ پڑھے کافی ہو گا۔

روزے کے بیان میں

رسول علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص ماہِ محرم میں ہر جمعرات، ہر جمعہ اور ہفتے کو متواتر تین دن روزہ رکھے، اس کے اعمال نامے میں تین سو سال کی عبادت لکھی جائے گی اور اتنے ہی گناہ نامۂ اعمال سے دھو دیے جائیں گے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شب عاشور کو سو رکعت نماز جو فواید میں تحریر کی جا چکی ہے ادا کرے اور جب دن ہو روزہ رکھے تو اسے دس ہزار حج کا ثواب حاصل ہو گا۔ حدیث میں بھی آیا ہے "من صوم یوم العاشورہ فکانما صام الدھر" یعنی جس کسی نے عاشورے کے دن روزہ رکھا گویا اس نے تمام سال کا روزہ رکھا۔ یہ وہ روزہ ہے کہ جس دن دونوں شہید اماموں یعنی امام حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے غم و الم کے ماتم میں صحرا کے جانوروں نے اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلایا اور فریاد و زاری کرتے رہے۔ یہ بڑی سنگدلی ہے کہ آدم کی اولاد اس دن روزہ نہ رکھے اور لایعنی گزار دے۔ یہ دن غم و الم میں بسر نہ کرے اور

خود کو ہلاک کر دے۔

جو شخص آخری چہار شنبے کو روزہ رکھے، حق تعالیٰ تمام سال اسے [۱۷۳] بلاؤں سے محفوظ رکھے گا۔

درویش کو چاہیے کہ رجب المرجب کی ستائیسویں شب کو وہ نماز جس کا ذکر ہو چکا ہے، ادا کرے اور جب دن نکلے تو روزہ رکھے کیوں کہ یہ رات اور دن دونوں ہی عظمت کے حامل ہیں۔ جو شخص اس دن روزہ رکھے اسے ہزار روزوں اور ہزار حج کا ثواب ملے گا اور جب موت آئے گی تو جلد جنّت میں بھیجا جائے گا۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان کا مبارک مہینہ بہت با عظمت ہے کیوں کہ اس مبارک مہینے میں ابلیس لعین قید کر دیا جاتا ہے تاکہ مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہیں۔ روزہ بندے اور مولا کے درمیان ایک بھید ہے ہر عبادت کا ایک مقررہ ثواب ہے اسی طرح روزے کا اجر اور اس کا ثواب باری تعالیٰ کی رویت کا حاصل ہونا ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی ہے "الصوم لی وانا اجزی بہ" یعنی روزہ میرے لیے ہے اس کا اجر بھی میں ہوں (میں خود اس کا اجر دوں گا)

اہل ایمان کو چاہیے کہ ماہ رمضان کے مبارک مہینے کی تمام راتوں میں تسبیح پڑھیں اور تراویح ادا کریں اور روزوں کو صبر، سکون اور تلاوت کے ساتھ پورا کریں۔

مشایخ نے (ارضی) دنیا میں شب قدر کو اس ماہ کے آخر میں پایا ہے۔ ہمارے خواجگانِ چشت میں سے اکثر بزرگوں نے (اس ماہ میں) ساٹھ قرآن ختم کیے ہیں۔ ایک قرآن ہر رات میں اور ایک قرآن دن میں ختم کیا ہے۔ خواجہ بایزید بسطامی ہر رات تراویح میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ شیخ عبداللہ باخرزی ہر رات دو قرآن اور چار سیپارے تراویح میں پڑھتے تھے۔ اس کام سے (ان کا) مقصود صرف رات کو جاگنا تھا۔ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

حضرت رسول مقبول صلی اللہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص عید کے بعد چھ روزے اپنے اوپر لازم کر لے غم والم اس کے قریب نہیں آئیں گے اور اسے لایق مغفرت قرار دیا جائے گا حق تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیں گے [۱۷۴] اور اسے مقصود تک پہنچائیں گے۔

ایک مرتبہ ایام بیض کے روزوں کی فضیلت کا ذکر ہوا۔ سلطان المشایخ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکالا تو ان کا تمام جسم اس غم سے کالا پڑ گیا۔ جب بھلے دن

آ گئے تو حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور حکم دیا کہ اس مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزہ رکھیں اور خود کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے نکالیں۔ چنانچہ پہلے دن روزہ رکھا تو ان کے جسم کا ایک تہائی حصہ سفید ہو گیا، دوسرے روزے کے بعد دو تہائی جسم سفید ہو گیا اور تیسرے روزے کے بعد ان کا تمام جسم صاف ہو گیا اور اس پر کوئی سیاہ داغ نہیں رہا۔ شیخ یہ حکایت بیان فرما رہے تھے کہ امیر خسرو نے عرض کیا، بندے نے ایک مرتبہ مخدوم سے سنا تھا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ایسا روزہ بتائیے جس کا زیادہ ثواب ہو، حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ماہ ایام بیض (تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ) کے روزے اپنے اوپر لازم کر لو تمہیں بہت زیادہ ثواب حاصل ہوگا اور ابدی نور کی سعادت کے آثار ظاہر ہوں گے سلطان المشایخ نے فرمایا یہ صحیح ہے ایام بیض کے روزوں کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

حضرت رسول علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ "من صام الدھر لاصام ولافطر"[۴۷] یعنی جو شخص پیوستہ روزے رکھے اور عید کے دو دن اور ایام تشریق کے تین دن جو دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ ہیں افطار نہ کرے گویا اس نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا بے فایدہ محنت برداشت کی۔

سلطان المشایخ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے روزہ اس کی عادت ہو جاتی ہے، پس اس صورت میں بہت کم ثواب حاصل ہوتا ہے، اس لیے درویش کو چاہیے کہ وہ داؤدی روزہ رکھا کرے تاکہ اس پر محبت کے دروازے [۱۷۵] کھول دیے جائیں اور سعادت کے آثار ظاہر ہوں اور لایق سعادت قرار دیا جائے۔ روزۂ داؤدی یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور دوسرے دن افطار کرے۔ اس طرح زیادہ محنت برداشت کرنی پڑتی ہے اور جسم بھی (روزے کا) عادی نہیں ہوتا۔ پس اس طرح کے روزے دار کو بے حد ثواب اور بے اندازہ اجر ملتا ہے۔

روزہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ شریعت کا روزہ اور حقیقت کا روزہ شریعت کا روزہ یہ ہے کہ روزے دار صبح سے شام تک کھانے پینے سے باز رہے۔ جب کہ حقیقت کا روزہ یہ ہے کہ زبان کو نامناسب بات کہنے، آنکھ کو ناروا چیزیں دیکھنے اور کان کو ناپسندیدہ بات سننے سے باز رکھا جائے۔ (ہر وقت) شیطانی وسوسوں کا خیال رکھے تب وہ (حقیقی) روزہ دار ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کے بیان میں

سلطان المشایخ نے فرمایا ہے کہ پچھلی امتوں پر مال کا چوتھا حصہ زکوٰۃ کے طور پر

مقرر کیا گیا تھا ہمارے حضور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبِ نصاب پر مال کا چالیسواں حصّہ مقرر فرمایا ہے۔

سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ زکوٰۃ تین طرح کی ہوتی ہے زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت اور زکوٰۃ حقیقت۔ زکوٰۃ شریعت یہ ہے کہ دو سو درہم پر پانچ درہم خدا کی راہ میں صدقہ کیا جائے۔ زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ دو سو درہم میں سے پانچ درہم اپنے پاس رکھے اور باقی صدقہ کرے۔ زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ اگر درویش کے پاس دو سو درہم ہوں تو اسی وقت اللہ کے بھروسے پر سب خرچ کر دے (صدقہ کر دے) کہ درویش کو صاحبِ مال نہیں ہونا چاہیے۔

سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ صدقے کی پانچ شرطیں ہیں تاکہ صدقہ (بارگاہِ الٰہی میں) قبول ہو۔ دو شرطیں صدقہ کرنے سے پہلے اور دو شرطیں صدقہ دیتے وقت ہیں۔ ایک شرط صدقہ دینے کے بعد ہے۔ وہ دو شرطیں جو صدقہ دینے سے پہلے ہیں یہ ہیں کہ جو کچھ خدائے تعالٰی کی راہ میں دیا جائے وہ حلال ذریعے سے حاصل کیا گیا ہو، دوسرے یہ کہ صدقہ متقی شخص کو دیا جائے تاکہ فسق و فساد میں خرچ نہ ہو۔ وہ دو شرطیں جو [۱۷۶] صدقہ دیتے وقت پوری کرنی ہیں یہ ہیں کہ جو کچھ دے تواضع اور خوشی کے ساتھ دے دوسرے یہ کہ خفیہ طور پر دے اور اس میں ریا کا شائبہ تک نہ ہو۔ ایک شرط جو صدقہ دینے کے بعد کی ہے یہ ہے جو کچھ دے کسی کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے نہ اس کی جزا کی خواہش کرے۔

حواشی مطلب سیزدہم

۱۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں یہ شعر اس طرح نقل ہوا ہے۔

"شبہا من و شمع در گدازیم

این است کہ سوز من نہان است"

پہلے مصرعے میں "در گدازیم" کے بجائے "می گدازیم" ہونا چاہیے۔ ترجمے کے متن میں تصحیح کر دی گئی ہے۔

۲۔ سیر الاولیا کے مطبوعہ فارسی نسخے میں یہ شعر اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ (ص ۱۳۹)

ہرگز وجود حاضر و غایب شنیدہٗ

من درمیانِ جمع و دلم جائے دیگراست

اس شعر میں واحد متکلم کی ضمیر آئی ہے۔ مطلوب الطالبین میں واحد غایب کی ضمیر ہے۔ چونکہ شعر کے مفہوم میں اس معمولی اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے مطلوب الطالبین کے منقولہ شعر کو ترجمے کے متن میں برقرار رکھا گیا ہے۔

۳۔ اس کے بعد مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں ایک شعر نقل کیا گیا ہے۔ اس میں سہوِ کتابت کے باعث ابہام پیدا ہو گیا ہے اس لیے احقر مترجم نے اسے شامل متن نہیں کیا۔ غالباً شعر کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کا لطفِ عام سب کو ان کے مقصود اور مرادوں تک پہنچا دیتا ہے ورنہ میری کیا حیثیت ہے کہ مجھے مقصود حقیقی حاصل ہوتا۔ واللہ اعلم

۴۔ سورہ طلاق آیات ۲۔۳۔ آیات کا ترجمہ یہ ہے "اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

۵۔ سورہٗ انبیا آیت ۸۷۔ آیتِ کریمہ کا ترجمہ یہ ہے۔ "آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ (سب نقائص سے) پاک ہیں میں بے شک قصوروار ہوں۔

۶۔ قرآن پاک میں یہ آیت ہے۔ حَسبُنَا اللّٰهُ وَنِعمَ الوَكِيل O آل عمران ۱۷۳ (ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لیے اچھا ہے) حسبی اللہ کا ترجمہ ہے مجھ کو حق تعالیٰ کافی ہے۔

۷۔ سورہٗ انفال آیت ۴۰۔ اس کا ترجمہ یہ ہے "وہ بہت اچھا رفیق اور بہت اچھا مددگار ہے۔"

۸۔ سورہٗ مومن آیت ۴۴۔ ترجمہ "میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں خدا تعالیٰ سب بندوں کا نگراں ہے۔

۹۔ سورہٗ بقرہ آیت ۱۲۷ (ترجمہ) اے ہمارے پروردگار (یہ خدمت) ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے ہیں۔

۱۰۔ سورہٗ بقرہ آیت ۲۰۱ (ترجمہ) اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجیے اور آخرت

میں بھی بہتری دیجیے اور ہم کو عذابِ دوزخ سے بچائیے۔

۱۱۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۵۰۔ (ترجمہ) اے ہمارے پروردگار ہم پر استقلال (غیب سے) نازل فرمائیے اور ہمارے قدم جمائے رکھیے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجیے۔

۱۲۔ سورہ آل عمران آیت ۸ (ترجمہ) اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو کج نہ کیجیے بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت کر چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمتِ (خاصّہ) عطا فرمائیے۔ بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔

۱۳۔ سورہ آل عمران آیت ۳۸ (ترجمہ) اے میرے رب عنایت کیجیے مجھ کو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی اولاد بے شک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے۔

۱۴۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں یہ عبارت درج ہے۔

"وہم ہر کہ پیشِ حضرت فرید الدّین گنج شکر بطلبِ فرزند نیک بخت رجوع کردے عطامی فرمودے"

(ترجمہ) نیز جو شخص حضرت فرید الدّین گنج شکر کی خدمت میں سعادت مند فرزند کی درخواست کرتا عطا فرماتے۔

غالباً اس عبارت میں سہو کتابت ہے۔ "دعامی فرمودے" کی بجائے کاتب صاحب نے "عطامی فرمودے" نقل کر دیا ہے۔ تمام بزرگانِ دین کا یہ طریق رہا ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی میں اہل حاجت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کی مقبولیت کے سبب ان کی دعا قبول فرماتے ہیں۔

۱۵۔ سورہ آل عمران آیت ۹۔ (ترجمہ) اے ہمارے پروردگار آپ بلاشبہ تمام آدمیوں کو (میدانِ محشر میں) جمع کرنے والے ہیں۔ اس دن جس میں ذرا شک نہیں (اور) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خلاف نہیں کرتے وعدے کو۔

۱۶۔ سورہ مائدہ آیت ۱۱۴۔ (ترجمہ) اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمائیے کہ وہ ہمارے لیے یعنی ہم میں جو اوّل ہیں اور جو بعد ہیں سب کے لیے ایک خوشی کی بات ہو جائے اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جاوے اور آپ ہم کو عطا فرمائیے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

۱۷۔ سورۂ یونس آیات ۸۵-۸۶ (ترجمہ) اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کا صدقہ ان کافروں سے نجات دے۔

۱۸۔ سورہ یوسف آیت ۱۰۱ (ترجمہ) مجھ کو پوری فرمانبرداری کی حالت میں دنیا سے اٹھا لیجیے اور مجھ کو خاص نیک بندوں میں شامل کر دیجیے۔

۱۹۔ یہاں سے خطی نسخے کے صفحہ ۱۴۹ کی پہلی سطر سے ۱۵۰ کی تیسری سطر تک تمام مضامین دوبارہ نقل ہو گئے ہیں۔ ان مضامین کا دوبارہ ترجمہ کرنے کی ضرورت نہ تھی اس لیے یہ حصّہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ ترجمے کے متن میں یہ خطی نسخے کے صفحہ ۱۴۸ کے بعد ۱۴۹ کی چار سطروں کے درمیان ہے۔

۲۰۔ اس دعا کا پہلا حصّہ تو عام دعا ہے دوسرا حصّہ سورۂ طلاق کی آیت ۳ ہے۔ اس دعا کا مفہوم دعا کے ساتھ ہی تحریر کیا گیا ہے۔

۲۱۔ سورۂ یوسف آیت ۱۸ (ترجمہ) اور جو باتیں تم بناتے ہو ان میں اللہ ہی مدد کرے

۲۲۔ سورۂ فتح آیت ۴ (ترجمہ) وہ خدا ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا ہے تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ (مصلحتوں کا) بڑا جاننے والا حکمت والا ہے۔

۲۳۔ زیر ترجمہ خطی نسخے میں یہ دعا صحیح طور پر نہیں لکھی گئی۔ کتابت کی غلطیاں موجود ہیں۔ احقر مترجم نے سیر الاولیا (فارسی) سے یہ دعا نقل کی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ "اے اللہ میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ سوائے تیری ذات کے تجھ سے کچھ نہ مانگوں۔" ملاحظہ فرمائیں ص ۴۳۸

۲۴۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں سہواً یہ دعا نقل کرنے سے رہ گئی ہے۔ احقر مترجم نے سیر الاولیا سے استفادہ کر کے متعلقہ دعا کو تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ) ص ۵۸۰

۲۵۔ سورۂ بقرہ آیات ۲۵۵ تا ۲۵۷

۲۶۔ سورۂ بقرہ آیات ۲۸۵ تا ۲۸۶

۲۷۔ سورۂ نور آیت ۳۵

۲۸۔ سورۂ انعام آیات ۱ تا ۵

۲۹۔ سورۂ انعام آیات ۶ تا ۱۰

۳۰۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) میں دونوں رکعتوں میں پانچ پانچ مرتبہ قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَد پڑھنا نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں ص ۳۸۸

۳۱۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) میں بیت المقدس کی چھت کے بجائے خانہ کعبہ کی چھت تحریر ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ص ۳۸۸

۳۲۔ سیر الاولیا (فارسی) میں قُل یا ایھا الکافرون پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے ملاحظہ فرمائیں ص ۳۸۹

۳۳۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں یہ سورہ سہواً نقل نہیں کی گئی۔ اس کمی کو سیر الاولیا (فارسی) کے مندرجات سے پورا کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ص ۳۸۹

۳۴۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) میں منقول ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک بار آیت الکرسی، ایک بار والشمس اور پانچ بار سورۂ اخلاص پڑھنی چاہیے۔ ملاحظہ فرمائیں ص ۳۸۹

۳۵۔ سورۂ روم آیات ۱۷ تا ۱۹

۳۶۔ سورہ الصفت آیات ۱۸۰ تا ۱۸۲

۳۷۔ مطلوب الطالبین میں نماز خواجہ اویس قرنی کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ سیر الاولیا میں درج نہیں ہے۔ شاید کسی اور ماخذ سے نقل کی ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ) ص ۵۹۶

۳۸۔ سیر الاولیا میں بارہ رکعتیں تین سلام کے ساتھ بیان کی گئی ہیں ملاحظہ فرمائیں (اردو ترجمہ) ص ۵۹۷

۳۹۔ ایک سلام کے ساتھ بارہ رکعتیں، شاید سہو کتابت ہے کسی دوسری ماخذ میں اس نوعیت کی نماز کا ذکر نظر سے نہیں گزرا

۴۰۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں اس سو رکعت نماز کے بارے میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ یہ نماز دو رکعت پڑھی جائے یا چار چار رکعت ادا کی جائے۔

۴۱۔ چوتھا کلمہ توحید، تقریباً نماز کی ہر کتاب میں منقول ہے۔

۴۲۔ تیسرا کلمہ تمجید یہ کلمہ بھی نماز کی ہر کتاب میں منقول ہے۔

۴۳۔ یہ عبارت مبہم ہے۔ اس کے علاوہ سہوِ کتابت کے باعث یہ نماز یا دعا نقل نہیں کی گئی

۴۴۔ دوسرا کلمہ شہادت مراد ہے۔

۴۵۔ تمام مستند مآخذ سے ثابت ہے کہ حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدّین محبوب الٰہی قدس سرّہ کی نمازوں اور دعاؤں کا ان جنتر منتر والی باتوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہاں مصنف مطلوب الطالبین ایسی باتوں میں الجھ گئے ہیں جن کا تصوف اور درویشی سے دور کا بھی علاقہ نہیں۔ درویشی اور فقیری فی الحقیقت نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کامل کے صدقے میں نصیب ہوتا ہے۔ درویش پورے سال کی شادمانیوں کا طلبگار نہیں ہوتا وہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ اس قسم کی باتوں اور تحریروں نے تصوف کو جنتر منتر بنا دیا ہے حالانکہ تصوف یعنی احسان اسلام کا جمال اور اس کی روح ہے۔ یہ جمال اور کمال حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین اسی راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی یہی راستہ بتایا۔

۴۶۔ زیر ترجمہ خطی نسخے میں "صلوٰۃ السعادۃ" یا اس کی ترتیب کا ذکر کہیں نہیں آیا ہے۔ شاید دوسرے خطی نسخوں میں اس کی تفصیلات نقل کی گئی ہوں۔ سیر الاولیا میں اس کی ترتیب یہ ہے۔ چار رکعت ایک سلام کے ساتھ ادا کی جائیں پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص دس مرتبہ، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد بیس مرتبہ، تیسری رکعت میں تیس بار، چوتھی رکعت میں چالیس بار پڑھی جائے ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ) ص ۵۸۹

۴۷۔ حدیثِ شریف کا ترجمہ یہ ہے۔ "جس نے ہمیشہ روزہ رکھا گویا اس نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا۔" لیکن یہاں مصنف نے بجائے ترجمہ تحریر کرنے کے اس کی وہی تشریح کی ہے جو سلطان المشائخ قدس سرّہ نے فرمائی ہے۔ یہ تشریح بھی صحیح طور پر نقل نہیں کی گئی۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ) ص ۶۱۳

مطلب چہاردہم

سلطان المشایخ رحمتہ اللہ علیہ کے بیمار ہونے اور دارِ دنیا سے گلشنِ آخرت کی طرف تشریف لے جانے اور آپ کی تجہیز و تکفین کے بیان میں

پختہ اعتقاد رکھنے والے طالبین پر واضح ہو کہ سلطان المشایخ کی عمر شریف اور آپ کے مرض الموت کی مدت کے بارے میں سیر العارفین کے مصنف اور دوسرے تاریخ نگاروں نے اپنی تصانیف میں اختلاف کیا ہے لیکن آپ کے مریدِ خاص سیّد محمد کرمانی (امیر خورد کرمانی) نے سیر الاولیا میں جو اُن کی مستند تالیف ہے حضرت کی عمرِ شریف کے سال اور مرض الموت کا زمانہ باب چہارم کے "نکتہ خلافتِ خلفا" میں کماحقہ طور پر متعین کیے ہیں (ان کا بیان ہے کہ) جب سلطان المشایخ کی عمر نواسی سال ہو گئی[1] تو ماہ ذی الحجہ سات چوبیس ہجری میں بیمار ہوئے اور چار ماہ کچھ دن بیماری کی زحمت اٹھائی۔ اٹھارہ ماہ ربیع الثانی سات سو پچیس ہجری میں عالمِ بقا کی جانب تشریف لے گئے۔ اس بیماری کی مدت میں آپ پر چالیس دن تحیّر کی کیفیت طاری رہی اور اس دوران پہلے سے زیادہ گریہ وزاری فرماتے رہے۔ مرض الموت کی ابتدا کا سبب یہ تھا کہ آپ حسب دستور جمعہ کے روز کیلوکھری کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے وہاں آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ آپ پر رحمتِ الٰہی کے دروازوں کے پردے کھل گئے اور دوست سے ملاقات کرنے کا شوق دل میں پیدا ہوا[۱۷۷] نماز کے دوران حق تعالیٰ کو سجدے کرنے لگے اور حکم خداوندی جاری کرنے والی زبان سے یہ مصرع بار بار دہراتے

می رویم و می رویم و می رویم

(ترجمہ) (دوستو) ہم جا رہے ہیں، ہم جا رہے ہیں، ہم جا رہے ہیں

اسی حال میں مرید و معتقدین خدائے تعالیٰ کی ملاقات کے مشتاق کو خانقاہ میں لائے اور بالاخانے پر مقررہ خواب گاہ میں پہنچا دیا، لیکن اسی عالمِ حیرت میں کثرت سے گریہ وزاری کرتے اور ہر نماز کو مکرر ادا فرماتے۔ ہر دم آہِ سرد سینۂ پر درد سے کھینچتے اور وہی مصرع بار

بار دہراتے۔

می رویم و می رویم و می رویم

سیرالاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ نے چالیس دن نہ کچھ کھایا پیا نہ قضائے حاجت کی معمول سے زیادہ گریہ اور عاجزی کرتے تھے۔ شعر

گر نہ بینی گریۂ زارم ندانی فرق کرد

کابِ چشم است ایں کہ پیشت می رودیا آبجوے

(ترجمہ) اگر تو میرے زار زار رونے کو نہ دیکھے تو یہ فرق نہیں کر سکتا

کہ یہ آنسو ہیں یا تیرے سامنے کوئی ندی بہ رہی ہے

الغرض اسی کیفیت میں اخی مبارک خادم جن پر آپ کو کھانا پیش کرنے کی ذمہ داری تھی، دودھ سوّیاں[۲] لے کر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہر مخلص نے اسے پلانے کی کوشش کی آپ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے عرض کیا دودھ سوّیاں ہیں۔ فرمایا اسے بہتے پانی میں بہادو اور اس میں سے شمہ برابر بھی نہ چکھا۔ سیّد حسین نے جب یہ حال دیکھا تو عرض کیا، کئی روز ہو گئے مخدوم نے نہ کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے آخر کیا حال بنے گا فرمایا اے سیّد جو شخص معشوق حقیقی کے وصال کا مشتاق ہے وہ مجازی کھانے کیا کھائے گا۔

سیرالاولیا سے منقول ہے، جب سلطان المشائخ پر مرض الموت غالب ہوا تو آپ نے اپنے اقربا، خلفا، مرید اور خدمت گزاروں کو طلب فرمایا اور وصیت فرمائی [۱۷۸] اور خواجہ اقبال خادم سے فرمایا کہ جو کچھ خانقاہ میں موجود ہے سب کا سب فقرا میں تقسیم کر دو اور ایک حبّہ بھی بچا کر نہ رکھا جائے۔ خواجہ اقبال نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور جو کچھ نقد یا جنس خانقاہ میں موجود تھی سب محتاجوں میں تقسیم کر دی، البتہ چند ہزار من غلّہ وظیفہ پانے والوں اور روزینہ داروں کے لیے بچا کر رکھ لیا اور تقسیم نہیں کیا۔ تاریخ ہندی میں تحریر کیا گیا ہے کہ علاوہ دوستوں اور مریدوں کے تین ہزار عالم سلطان المشائخ کے لنگر خانے سے کھانا کھاتے تھے۔ دوسرے آنے والوں کا تو کوئی شمار نہ تھا اس کی تفصیل سلطان المشائخ کی سخاوت و ایثار کے مطلب (مطلبِ نہم) میں واضح طور پر بیان کی جا چکی ہے۔ طالب کو چاہیے کہ مذکورہ مطلب کا مطالعہ کرے۔

الغرض سیّد حسین کرمانی نے سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ بات عرض

کی کہ خواجہ اقبال نے سوائے چند ہزار من غلّے کے خانقاہ میں جس قدر نقدی اور جنس تھی وہ مسکینوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دی ہے سلطان المشایخ یہ بات سن کر ناراض ہوئے اور خواجہ اقبال کو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مردہ ریت کو کیوں بچا کر رکھا گیا ہے یہ کہاں تک مناسب تھا کہ تم ان چیزوں سے دست بردار نہ ہوئے اور اس غم کا بیج اپنے دل میں بویا۔ جلدی واپس جاؤ اور انبار خانے کے دروازے توڑ کر ایک طرف ہو جاؤ تاکہ اللہ کی مخلوق آکر ایک دم میں سب کچھ لے جائے۔ اس کے بعد انبار خانوں میں جھاڑو دے دو اور واپس آؤ۔ خواجہ اقبال اسی وقت انبار خانوں میں گئے اور دیواروں میں شگاف ڈال دیے تاکہ خلقت بغیر کسی رکاوٹ کے داخل ہو کر انبار خانے خالی کر دے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ جب سلطان المشایخ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور آپ کے جسم مبارک پر ضعف و ناتوانی کے آثار ظاہر ہوئے تو اس کیفیت میں شیخ بہاالدین زکریا کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتح [۱۷۹] آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ سلطان المشایخ اس وقت کھاٹ یعنی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے نیچے اتر کر بیٹھنے کی طاقت نہ تھی آپ نے شیخ رکن الدین سے چارپائی پر بیٹھنے کے لیے کہا لیکن وہ ادب کے خیال سے چارپائی پر نہ بیٹھے۔ سلطان المشایخ نے ان کے لیے کرسی منگوائی، اس پر تشریف فرما ہوئے لیکن تمام مرید اور خدمت گار افسوس کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے اس اندیشے کا اظہار کر رہے تھے کہ سلطان المشایخ عالم حیرت میں ہیں (کبھی ہوش میں آتے ہیں کبھی بے ہوش ہو جاتے ہیں اس حالت میں) باہمی گفتگو کس طرح ہو سکے گی (لیکن) سلطان المشایخ اپنے کمالِ تصرف کی قوت سے باہوش رہے اور دل کو راحت دینے والی کہانیاں اور جان فزا حکایتیں بیان کرنے میں مشغول رہے۔ دوران گفتگو شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیا کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو دنیا میں رہ سکتے ہیں نہ چاہیں تو دنیا سے جا سکتے ہیں چونکہ اولیا انبیا کے حقیقی وارث ہیں اس اعتبار سے وہ بھی زندگی یا موت کے انتخاب میں مختار ہیں، لہٰذا آپ جیسے بزرگوں کو چاہیے کہ اپنی زندگی کے لیے بارگاہِ الٰہی میں درخواست کریں تاکہ آپ کی زندگی کے سبب ناقصوں کو کمال حاصل ہو۔ سلطان المشایخ نے یہ بات سن کر آہِ سرد نکالی اور آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ میں ہر رات حضرت رسول علیہ السلام کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ مجھ سے فرماتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ اے نظام تجھ سے ملنے کا بے حد اشتیاق ہے۔ جلد آ اور ہمارے کندھے سے لگ جا

یہ بات سن کر تمام حاضرین پر گریہ طاری ہو گیا اور زار زار رونے لگے تھوڑی دیر کے بعد شیخ رکن الدین بھی واپس ہوئے اور سلطان المشائخ اسی مرض میں حق تعالیٰ کی رحمت کے جوار میں تشریف لے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ جب سلطان المشائخ پر مرض موت نے غلبہ کیا تو آپ کے اقربا، خلفا، مریدوں اور خدمت گاروں [۱۸۰] پر مصیبت آن پڑی اور دنیا ان کی نگاہوں میں تاریک ہو گئی۔ ہر شخص غم والم سے نڈھال نظر آتا تھا، ہر کوئی فریاد وزاری میں مصروف اور حق تعالیٰ کے آگے گڑگڑاتا تھا۔ الغرض تمام مرید اور خدمت گزار اتفاق کر کے سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچے آپ کے مبارک قدم سر اور آنکھوں سے ملے اور عرض کیا کہ مخدوم کے بعد ہم لوگوں کا جنھوں نے حضرت کے جماعت خانے کے سہارے زندگی بسر کی خانقاہ سے اپنا پیٹ پالتے رہے، کیا بنے گا۔ یہ بات سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا، تم کو میرے روضے سے اتنا کچھ ملے گا کہ کشادگی کے ساتھ تمھاری ضرورتیں پوری ہو جائیں گی انھوں نے التماس کیا کہ ہم لوگوں میں مال کون تقسیم کرے گا آپ نے فرمایا، وہ شخص جو اپنے حصے سے دست بردار ہو گا اور اپنے حصے کو دوسرے کے کاسے میں ڈالے گا۔

مختصر یہ کہ جب سلطان المشائخ اس دنیا سے سفر آخرت کے لیے روانہ ہو گئے تو اپنے آستانے سے وابستہ چندے ہزار آدمی چھوڑے۔ ان لوگوں کی سلطان المشائخ کے روضے کے سوا دوسری جائے پناہ نہ تھی۔ پس ان میں سے ہر ایک نے روضے کی جاروب کشی کو دین اور دنیا کی سعادت جانا اور اس کی خدمت میں لگے رہے۔

سلطان محمد تغلق نے ہر شخص کو ایک ایک گاؤں عنایت کیا اور ہر ایک کا اپنی سرکار سے وظیفہ مقرر کر دیا، اس کے علاوہ بارہ گاؤں لنگر خانے کے خرچ، روضے پر روشنی کرنے اور خوشبو استعمال کرنے کے لیے ہبہ کیے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ جب سلطان المشائخ کی ذات مبارکہ مرض موت میں مبتلا ہوئی تو آپ کے مرید اور خدمت گار مثل سیّد حسین، سیّد محمد کرمانی جو سلطان المشائخ کے بہت زیادہ محبوب اور منہ بولے بیٹے تھے، شیخ نصیر الدّین محمود، مولانا فخر الدّین زرادی، خواجہ اقبال اور خواجہ مبشر وغیرہ بزرگوں نے جن کے نام تحریر کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اتفاق کر کے اعلیٰ مریدوں میں سے [۱۸۱] بتیس آدمیوں کی فہرست خلافت عطا کرنے کے

لیے تیار کی اور سلطان المشایخ کے ملاحظے کے لیے پیش کی۔ آپ نے فرمایا، اس قدر کیا لکھ لائے ہو۔ جب ان حضرات نے آپ کی نارضامندی محسوس کی تو باہر آ گئے اور فہرست کو مختصر کر دیا۔ دس اشخاص کو، جن کے مختصر حالات پندرھویں مطلب میں تحریر کیے جائیں گے خلافت کے لیے منتخب کیا۔ ان کے نام تحریر کیے اور دوبارہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے (ترمیم شدہ) فہرست ملاحظہ فرمائی اور اسے پسند کیا اور سیّد حسین کو حکم دیا کہ ان عزیزوں کے خلافت نامے تحریر کرو اور بحیثیت کاتب اپنے دستخط کرو۔ چنانچہ سیّد حسین نے ان خلافت ناموں کو مولانا فخرالدّین زرّادی سے لکھوا کر ہر خلافت نامے پر اپنے دستخط کیے اور تمام خلافت نامے شیخ کی خدمت میں پیش کیے۔ حضرت نے جب خلافت ناموں پر اپنے (تصدیقی) دستخط کیے تو تبسم فرمایا اور بطور مثال یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب شیخ فریدالدّین گنج شکر نے یاروں کو خلافت نامے دینے چاہے تو مولانا بدرالدّین اسحٰق کو حکم دیا کہ ان کے خلافت نامے تحریر کرو۔ ایک پرانے مرید تھے انھوں نے واویلا مچانا شروع کر دیا کہ اگر مجھے شیخ نے خلافت نہ دی تو کیا ہوا، اس طرح کا کاغذ میں خود تحریر کروں گا اور اسے اپنی سند بنا لوں گا۔ جب شیخ نے یہ بات سنی تو مسکرائے اور بدرالدّین اسحٰق کو حکم دیا کہ خلافت ناموں پر بحیثیت کاتب اپنا نام تحریر کریں تاکہ کوئی حریص شبہ پیدا نہ کر سکے۔ یہ صورتحال اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ شیخ فریدالدّین گنج شکر کے ایام رحلت میں شیخ جمال الدّین ہانسوی ہانسی میں تھے، وہی شیخ کے خلافت ناموں پر [۱۸۲] بحیثیت کاتب اپنا نام تحریر کرتے تھے۔

الغرض سیّد حسین نے سلطان المشایخ کے حکم کے مطابق خلافت ناموں پر اپنا کتبہ تحریر کیا اور ان یاروں میں سے ہر ایک کو مختلف اوقات میں سلطان المشایخ کی خدمت میں (خلافت عطا کرنے کی غرض سے) لے گئے۔ حضرت نے ہر ایک پر مہربانی فرمائی اور وصیت سے بھی مکرم کیا جیسا کہ اس گروہ (صوفیہ کرام) کا طریقہ ہے اور ہر ایک کے حق میں دعا کی یہ واقعہ مرض موت کے ابتدائی دنوں یعنی تاریخ بیس ذی الحجہ سات سو چوبیس کا ہے اور آپ کی وفات کی تاریخ اٹھارہ ربیع الثانی سن سات سو پچیس ہے۔

سیرالاولیا سے منقول ہے کہ جہاں سلطان المشایخ کا روضہ ہے وہاں ایک حوض تھا، بہت پاک صاف، اس کے گرداگرد خواجہ جہاں ایاز وغیرہ کی جو حضرت کے ہمراز و دم ساز مرید تھے بلند و بالا تعمیر کردہ عمارتیں تھیں اور وہ مرید جو سلطان المشایخ کی حیات میں

انتقال کر گئے تھے آپ کے حکم سے اس کے قریب دفن کیے گئے۔ سلطان المشائخ نے چبوترہ کلاں کو چونے اور پتھر سے تعمیر کرایا اور اس کا نام "خطیرہ" رکھا۔ سلطان المشائخ اکثر ان یاروں کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے، زیارت کرنے نیز حوض کی سیر کی غرض سے تشریف لاتے تھے اور افطار کا کھانا تناول فرماتے اور خواجہ جہاں ایاز کے بالاخانے پر جو آج کل ان اوراق کے راقم کا مقامِ رہائش ہے استراحت فرماتے تھے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ جب سلطان المشائخ پر مرض موت نے غلبہ کیا تو آپ کے مریدوں اور خدمت گاروں نے مولانا شمس الدین دامغانی سے جو حضرت کے مصاحب اور مصنف سیر الاولیا، سیّد محمد (امیر خورد کرمانی) کے نانا تھے اصرار کیا اور کہا [۱۸۳] کہ آپ سلطان المشائخ سے دریافت کریں کہ ہر شخص نے اپنے اعتقاد کے مطابق حوض کے بالائی قطعے میں بلند و بالا گنبد اس نیت سے تعمیر کرائے ہیں کہ ان میں کسی ایک عمارت میں آپ آرام فرمائیں گے۔ پس اگر قضا آجائے تو ہم کس عمارت میں آپ کو دفن کریں تاکہ غلام اپنی ناقص رائے پر عمل پیرا نہ ہوں۔ (شیخ کی مرضی کے مطابق عمل کریں) مولانا شمس الدین دامغانی ایک روز مناسب وقت میں سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تمام ماجرا عرض کیا حضرت نے فرمایا، مولانا میں کسی عمارت کے نیچے سونا نہیں چاہتا کھلے میدان میں سوؤں گا۔ مریدوں نے حضرت کی اس وصیت پر عمل کیا اور حوض کے اوپر ان چبوتروں کے قریب جس میں سلطان المشائخ کے مرید دفن تھے، آپ کو دفن کیا البتہ زمانۂ وفات کے قریب سلطان محمد عادل شاہ بن غیاث الدین تغلق نے سلطان المشائخ کے قدم مبارک کی جانب ایک اعلیٰ درجے کا گنبد تعمیر کرایا اس کے بعد دہلی کے ہر سلطان اور خان نے مسجد کے گنبد اور تراشیدہ پتھروں کی عمارتیں تعمیر کرائیں اور پائینتی کی جانب کا کام پورا ہو گیا۔ روضے کا موجودہ گنبد اور عمارت شاہجہاں کے عہد حکومت میں خلیل اللہ خاں نے سن ایک ہزار ساٹھ ہجری میں تعمیر کرایا۔ چونکہ اخلاص اور اعتقاد کے ساتھ تعمیر کرایا تھا بہت ہی خوش بنیاد اور خوشنما تعمیر ہوا اور منظور نظر ہوا۔ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

جوامع الکلم سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ نے مرضِ موت کی حالت میں شیخ شہاب الدین امام کو جو آپ کے خلیفہ خاص تھے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازے پر تین روز تک سماع ہو اور چوتھے دن مجھے دفن کیا جائے۔ اس وصیت کے مطابق شیخ (شہاب الدین امام) آپ کے جنازے پر قوالوں کو لے کر آئے اور سماع کا بندوبست کیا لیکن شیخ

رکن الدین ابوالفتح نے جو سلطان المشائخ کے ہمراز تھے [۱۸۴] اور اس وقت وہاں موجود تھے سماع کرنے کو منع کر دیا اور تجہیز و تکفین کے کام میں لگ گئے۔ اس طرح سماع موقوف رہا[۳]

سنابل میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سلطان المشائخ کا جنازہ اٹھا کر روضے کی جانب روانہ ہوئے تو قوال جمع ہو گئے اور انھوں نے سعدی کی یہ غزل گانی شروع کر دی

سرو سیمینا بصحرا می روی

نیک بد عہدی کہ بے ما می روی

کس بدیں شوخی و رعنائی نہ رفت

خود چنینی یا بعمدا می روی

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو

تو کجا بہرِ تماشا می روی[۴]

سلطان المشائخ پر شوق سماع نے غلبہ کیا تو آپ نے اپنا ہاتھ جنازے سے باہر بلند کیا اور چاہا کہ دوست کی یاد میں حرکت کریں کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے سماع بند کرا دیا۔ سلطان المشائخ نے اپنا بلند ہاتھ نیچے کر لیا۔ بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ جب سلطان المشائخ نے ہاتھ بلند کیا اور حرکت میں آئے تو شیخ نصیر الدین محمود نے حضرت کی خدمت میں یہ بات عرض کی، اے شیخ اے شیخ اپنا ہاتھ نیچے کر لیجیے کہ سید کے قدم درمیان ہیں۔ سلطان المشائخ نے جب یہ بات سنی تو جنازے میں لیٹ گئے اور ساکت ہو گئے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ کی نماز جنازہ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے پڑھائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ آج یہ بات تحقیق ہوئی کہ حق تعالیٰ نے مجھے شہر دہلی میں چار سال تک رکھا تو مقصود یہ تھا کہ مجھے سلطان المشائخ کی نماز جنازہ پڑھانے کے شرف سے مشرف کیا جائے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ سلطان المشائخ کی ولادت بدایوں میں آخری بدھ، تاریخ ستائیس [۱۸۵] ماہ صفر سن چھ سو چھتیس میں طلوع آفتاب کے وقت ہوئی تاریخ پندرہ ماہ رجب المرجب سن چھ سو چھپن بروز بدھ آپ نے شیخ فرید الدین گنج شکر سے اجودھن میں

بیعت کی اور بروز بدھ تاریخ دوم ماہ ربیع الاول سن چھ سو چھپّن میں آپ کو مشایخ چشت کی خلافت سے نوازا گیا جیسا کہ سلطان المشایخ نے راحت القلوب کی پہلی مجلس اور کتاب کے آخر میں اس کی تصدیق کی ہے۔ بروز بدھ اٹھارہ ربیع الثانی سن سات سو پچیس میں آپ روضۂ جنت کی جانب تشریف لے گئے اور موضع غیاث پور میں نماز ظہر کے بعد مدفون ہوئے اور اہلِ عالم کی نگاہوں میں دنیا تاریک کر گئے:

ماہ در ابر احتجاب نمود
عاشقاں رابدیں عذاب نمود
پردہ از زلف بست بر رخِ خود
درد و حیرت بدیں خراب نمود

(ترجمہ) چاند بادلوں میں چھپ گیا اور عاشقوں کو اس عذاب سے دو چار کر دیا۔ اپنے چہرے پر زلف کا پردہ ڈال لیا اور بڑی خرابی کے ساتھ حیرت و غم میں مبتلا کر دیا۔

آج سلطان المشایخ کے روضے کی خاک اہلِ عالم کی آنکھوں کا سُرمہ ہے اور ان کی نابینائی کا علاج ہے جیسا کہ سیّد محمد (کرمانی) آپ کی مدح میں کہتے ہیں

خاکِ درت کہ سرمۂ اہلِ نظر شدہ است
بہرِ شفائے عالم تریاقِ اعظم است
ہر ذرّہ ز خاک بہ نزدیک عاشقاں
جان است بلکہ از جاں ترِ معظم است

(ترجمہ) آپ کے در کی خاک اہل نظر کا سرمہ ہے۔ اہل عالم کی شفا کے لیے اکسیر اعظم ہے۔ عاشقوں کے نزدیک (اس) خاک کا ہر ذرّہ جان ہے بلکہ ایک عظیم روحانی بھید ہے

مسلمان و ہندو و ترسا و گبر
زخاکِ درت جملہ افسر کنند

چو کافور و صندل ازاں خاکِ پاک
بچشم اندر آرند و دایر کنند

(ترجمہ) مسلمان ہوں یا ہندو ہوں، نصرانی یا آتش پرست ہوں سب
آپ کے در کی خاک کو اپنے سر کا تاج بناتے ہیں اس (پاکیزہ) خاک
سے کافور اور صندل کی مانند آنکھوں کو سرمہ کرتے ہیں اور گرد
پھراتے ہیں

ایک شاعر نے سلطان المشایخ کی تاریخ وفات کے سلسلے میں یہ رباعی (قطعہ) موزوں کیا ہے [۱۸۶]

نظامِ دو گیتی شہِ ماء و طین
سراجِ دو عالم شدہ بالیقین
چو تاریخ فوتش بہ جستم زغیب
ندا داد ہاتف شہنشاہِ دیں

(ترجمہ) شیخ نظام دو عالم کے نظام اور جہانِ آب و گل کے بادشاہ ہیں
میں نے جب ان کے فوت ہونے کی تاریخ تلاش کی تو ہاتف نے
غیب سے آواز دی کہ "شہنشاہ دین" تاریخ ہے

جب سلطان المشایخ کو قبر میں رکھا گیا تو وہ خرقہ چشتی جو آپ کو حضرت فریدالدین گنج شکر سے ملا تھا آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے جسم مبارک پر ڈال دیا گیا شیخ کے مصلے کو آپ کے سر کے نیچے اور عصا کو آپ کے پہلو میں رکھ دیا گیا۔ اس گروہ کے نزدیک اس نوعیت کا عمل روا ہے کہ جو چیز شیخ عطا فرمائیں اسے اپنے فرزند یا مرید کو اگر اس لائق ہے تو عنایت کریں ورنہ اپنے ساتھ قبر میں لے جائیں۔ ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

حواشی مطلب چہاردہم

۱۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) کے باب اوّل، پندرھویں نکتے میں سلطان المشائخ قدس سرہ کی زحمت اور مرض الموت کا ذکر ہے۔ باب چہارم کے آغاز میں خلفا کو خلافت عطا کرنے کی تفصیل ہے۔ ان دونوں ابواب میں ایسی کوئی عبارت منقول نہیں ہے جس سے یہ امر متحقق ہو سکے کہ وفات کے وقت سلطان المشائخ قدس سرہ کی عمر شریف نواسی سال تھی۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) باب اوّل نکتہ پانزدہم صص ۱۶۲ تا ۱۶۵ اور باب چہارم صص ۲۳۰ تا ۲۳۳۔

ممکن ہے کہ مطلوب الطالبین کے مصنف کے پیش نظر سیر الاولیا کا ایسا نسخہ ہو جس کے باب چہارم میں یہی کچھ منقول ہو جس کا اعادہ انھوں نے اس مقام پر کیا ہے۔

اسی نوعیت کی ایک غلطی غلام احمد خاں بریاں نے اپنے ترجمۂ سیر الاولیا میں مطلوب الطالبین یا کسی اور تصنیف کے زیر اثر کی ہے۔ بریاں نے باب اوّل، پندرھویں نکتے کے متن میں مندرجہ ذیل عبارت تحریر کی ہے۔

> "واضح ہو کہ جناب سلطان المشائخ قدس سرہ رجب کی پندرھویں تاریخ ۶۵۵ھ میں شیخ الشیوخ العالم کی شرف ارادت سے مشرف ہوئے اس وقت آپ کی بیس سال عمر تھی۔ آپ کی ولادت ۶۳۶ ہجری میں ہوئی اور انتقال ۷۲۵ھ میں اور جس وقت آپ کا انتقال ہوا، اس وقت آپ کی عمر ۸۹ برس تھی۔"

ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ از غلام احمد خاں بریاں) لاہور ۱۹۷۸ء ص ۱۶۲ فارسی نسخے میں یہ عبارت قطعی طور پر موجود نہیں ہے (ملاحظہ فرمائیں ص ۱۶۴) اگر بریاں اس عبارت کو اپنے ماخذ کے حوالے سے حاشیے میں تحریر کرتے تو کوئی مضایقہ نہ تھا لیکن متن ترجمہ میں شامل ہونے کے باعث یہ عبارت الحاقی ہی قرار پاتی ہے۔ باعثِ حیرت یہ امر ہے کہ مولانا اعجاز الحق قدوسی مرحوم نے بھی اپنے ترجمے میں بریاں کی الحاقی عبارت کی نشاندہی نہیں کی بلکہ یہی الحاقی عبارت کسی قدر لفظی تغیر کے ساتھ اپنے ترجمے کے متن میں نقل کر دی (ملاحظہ فرمائیں اردو ترجمہ سیر الاولیا از مولانا اعجاز الحق قدوسی، لاہور ۱۹۸۰ء ص ۲۷۶) خلاصۂ بحث یہ ہے کہ مطلوب الطالبین کے مصنف نے حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کی عمر کے بارے میں جو معلومات سیر الاولیا کے حوالے سے دی ہیں یا بریاں اور مولانا اعجاز قدوسی نے باب اوّل کے پندرھویں نکتے میں جو کچھ تحریر کیا ہے مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) میں سرے سے موجود نہیں ہیں تفصیلی گزارشات مطلب اوّل کے حاشیے ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ غلام احمد خاں بریاں اور مولانا اعجاز الحق قدوسی نے "شوربائے ماہیچہ" کا ترجمہ "مچھلی کا شوربا" کیا ہے ملاحظہ فرمائیں ترجمہ بریاں ص ۱۶۲، ترجمہ قدوسی ص ۲۷۷، لیکن غیاث اللغات میں ماہیچہ کے یہ معنی دیے ہیں ماہیچہ۔ بکسر ہا و یای معروف و جیم فارسی، رشتہہائے میدہ گندم کہ پختہ با شیر و شکر می خورند۔ بعربی اطریہ گویند، از کشف

ترجمہ: یا اور یاے معروف اور جیم فارسی (چ) کے زیر کے ساتھ گیہوں کی میدہ کے تار جو دودھ اور شکر کے ساتھ پکا کر کھاتے ہیں۔ اسے عربی میں اطریہ کہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں کشف۔
احقر مترجم نے غیاث اللغات میں دیے گئے معنی کی بنا پر "شوربائے ماہیچہ" کا ترجمہ "دودھ سویاں" کیا ہے۔
۳۔ اس سے قبل یہ روایت مطلب دوازدہم میں نقل کی جا چکی ہے۔ اب مصنف نے اسے دوبارہ نقل کیا ہے ملاحظہ فرمائیں مطلب دوازدہم، حاشیہ ۳ (د)
۴۔ سبع سنابل کی روایت اور یہ اشعار مکرر نقل کیے گئے ہیں۔ ان اشعار کا ترجمہ مطلب دوازدہم کے متن میں اور روایت کے بارے میں احقر مترجم کی گزارشات مطلب دوازدہم حاشیہ ۳ (و) میں ملاحظہ فرمائیں۔

مطلبِ پانزدہم

خواجگان چشت کے شجرے، ہر شیخ کے مختصر حالات، وطن، جائے قیام، مدفن، مدت حیات اور تاریخ وفات نیز چار پیر، چودہ خانوادے کے بیان میں

پختہ اعتقاد اور یقین رکھنے والے طالبین پر واضح اور عیاں ہو، چونکہ اس رسالے کی ترتیب اور اس مقالے کی تالیف کا خاص مقصد سلطان المشایخ کے حالات کا ذکر ہے اور سلطان المشایخ شیخ فریدالدین گنج شکر کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اس لیے ان اوراق کے راقم فقیر حقیر محمد بلاق نے اس شجرۂ عالیہ کو شیخ فریدالدین گنج شکر کے احوال سے شروع کیا اور رسول علیہ السلام کے عہد مبارک تک چار پیر چودہ خانوادے اصل اور چودہ خانوادے جو ان کی شاخ ہیں ان کی تفصیل بیان کر کے ختم کیا تاکہ طالبین کو نفع حاصل ہو اور وہ کتاب ہذا کے مصنف کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اگر سہو یا خطا ملاحظہ کریں تو از راہ کرم معاف فرمائیں۔

حضرت فریدالدین گنج شکر قدس سرّہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کے خلیفۂ اعظم ہیں شیخ فرید قدس سرّہ کا [۱۸۷] سلسلۂ نسب فرخ شاہ کابلی تک پہنچتا ہے اور امیرالمومنین عمرفاروق رضی اللہ عنہ پر ختم ہوتا ہے۔ شیخ فریدالدین گنج شکر کے دادا قاضی شعیب بدامنی اور پراگندگی کی بنا پر اپنے اہل و عیال کے ساتھ غزنین سے لاہور آئے۔ حاکم وقت نے ان کی امانت و دیانت کو دیکھ کر انھیں قصبہ کھتوال کا قاضی مقرر کر دیا جو مضافاتِ ملتان میں ہے۔ ان کی وفات کے بعد قاضی جمال الدین سلیمان شیخ فریدالدین گنج شکر کے والد قصبۂ مذکور کے قاضی ہوئے۔ ان کی قبر اسی قصبے میں ہے۔ ان کے تین فرزند تھے۔ بڑے شیخ اعزالدین محمود، منجھلے شیخ فریدالدین مسعود، تیسرے شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہم۔ ان بزرگوں کی والدہ ماجدہ جو ملا وجیہہ الدین خجندی کی صاحبزادی تھیں بہت ہی صاحبِ کمال تھیں ان کے کمالات مشایخ چشت کے ملفوظات میں جگہ جگہ بیان کیے گئے ہیں۔

سیرالعارفین سے منقول ہے کہ جب شیخ فریدالدین گنج شکر علوم کی تحصیل کے لیے ملتان تشریف لائے تو مولانا منہاج الدین تبریزی کی مسجد میں قیام کیا۔ ایک روز آپ مذکورہ مسجد میں نافع کا جو علم فقہ میں ہے مطالعہ کر رہے تھے کہ اچانک حضرت خواجہ قطب

الدّین اوش سے مسجد میں وارد ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک نیک خصلت پاکیزہ رو طالب علم کتاب کے مطالعے میں مصروف ہے۔ فرمایا، صاحب زادے کیا پڑھ رہے ہو آپ نے عرض کیا نافع پڑھ رہا ہوں۔ خواجہ نے دریافت کیا، کیا تمھیں معلوم ہے کہ نافع سے تمھیں کیا نفع حاصل ہوگا۔ شیخ فریدالدّین گنج شکر نے جواب دیا نفع تو مجھے آپ کی نگاہ کرم سے پہنچے گا۔ یہ عرض کر کے اٹھے اور خواجہ کے پیروں میں گر گئے اور معتقد ہو گئے۔ ملتان سے آپ خواجہ کے ہمراہ دہلی آئے اور دہلی میں خواجہ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

راحت القلوب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب [۱۸۸] شیخ فریدالدّین گنج شکر بلخ و بخارا کی سیاحت کو گئے تو بہت سے بزرگوں سے ملے۔ جب دہلی پہنچے تو خواجہ قطب الدّین کی عظمت و کرامت دیکھ کر دہلی ہی میں پہلی ملاقات میں مرید ہوئے۔

حضرت سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ جب شیخ فریدالدّین نے بیعت کی تو پندرہ سال کے تھے اور اپنے قول کے مطابق اٹھارہ سال کے تھے آپ نے پچانوے سال عمر پائی۔ ایک دوسرے قول کے مطابق ترانوے سال زندہ رہے۔ سیر الاولیا کے مصنف کا بیان ہے کہ شیخ فریدالدّین گنج شکر مرید ہونے کے بعد اسّی سال تک زندہ رہے اس کے بعد آپ نے رحلت[1] فرمائی۔ چنانچہ ان شواہد سے تحقیق ہوتا ہے کہ جب شیخ فریدالدّین گنج شکر نے بیعت کی تو آپ پندرہ سال کے تھے اور دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی عمر پچانوے سال تھی۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ آپ کو فریدالدّین گنج شکر اس لیے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے پیر کے حکم کے مطابق تین روز تک طیّ کا روزہ رکھا۔ (تین دن کے بعد) آپ نے اس روزے کا افطار ایک شراب فروش کے کھانے سے کیا، لیکن آپ کے معدے نے اسے قبول نہ کیا چنانچہ باہر نکل کر آپ نے قے کی اور پیٹ کو پاک صاف کیا۔ آپ نے سارا ماجرا اپنے شیخ سے عرض کیا تو انھوں نے فرمایا۔ اے فرید تم نے تین دن کا روزہ رکھا اس کا افطار شراب فروش کے بھیجے ہوئے کھانے سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت تمھارے شامل حال تھی کہ وہ کھانا تمھارے پیٹ میں نہ رہا۔ اب ایک طیّ کا روزہ اور رکھو اور غیب سے جو حاصل ہو، اس سے افطار کرو۔ آپ شیخ کا حکم بجالائے اور روزہ رکھا۔ چھ دن تک ایک دانہ آپ کے منہ میں نہ گیا۔ بھوک اور ضعف نے آپ پر غلبہ کیا۔ غیب سے کوئی چیز حاصل نہ ہوئی تو بے اختیار آپ کا ہاتھ زمین ٹٹولنے لگا۔ چند کنکر ہاتھ میں آئے وہی آپ

نے منہ میں رکھ لیے۔ حق تعالیٰ نے ان کنکروں کو شکر بنا دیا۔ آپ نے کنکروں کو [۱۸۹] شیطانی فریب سمجھ کر منہ سے نکال دیا۔ جب جسم پر ضعف طاری ہونے لگا تو دوبارہ کنکر اٹھا کر منہ میں رکھ لیے وہ کنکر شکر بن گئے۔ آپ نے اس مرتبہ بھی فریبِ شیطانی خیال کر کے وہ کنکر زمین پر اگل دیے اسی طرح چند بار ہوا۔ جب رات پھیلنے لگی تو آپ کو یاد آیا کہ شیخ نے فرمایا تھا کہ جو کچھ غیب سے ملے افطار کر لینا پس آپ کنکر اٹھا کر کھانے لگے قدرتِ الٰہیٰ سے وہ سب شکر بن گئے چنانچہ اس روز سے آپ کو شکر بار، شکر گنج اور شکر خوار کہنے لگے۔

سیر العارفین کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ ایک روز آپ اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن مجاہدے کرنے کے سبب اس قدر ضعف بڑھ گیا تھا کہ پیر لڑکھڑا گئے اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اس حالت میں کسی قدر مٹی آپ کے منہ میں چلی گئی اور شکر بن گئی اس روز سے آپ کو گنج شکر کہنے لگے۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ ایک تاجر شکر کی کئی ہزار بوریاں لادے ہوئے سفر کر رہا تھا۔ شیخ فرید الدین نے اس سے تھوڑی سی شکر طلب کی اس نے کہا اے فقیر ان میں شکر نہیں نمک ہے۔ شیخ نے فرمایا نمک ہو جائے گا۔ الغرض جب سوداگر نے (منڈی میں) مال اتارا تو دیکھا کہ سب بوریوں میں نمک ہے۔ وہ اس کرامت سے سخت حیران و پریشان ہوا اور دوڑا دوڑا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بہت عاجزی کی اور گڑگڑایا اور عرض کی یا حضرت میں آپ کی کرامت اور تصرف عالی سے امید کرتا ہوں کہ نمک پھر سے شکر ہو جائے۔ آپ نے فرمایا شکر ہو جائے گی۔ اس بات کے کہتے ہی سارا نمک شکر ہو گیا۔ اس روز سے آپ کو شکر گنج اور شکر بار کہنے لگے۔ ایک عزیز نے اس واقعے کے بارے میں بہت اچھا شعر کہا ہے۔

کانِ نمک، جہانِ شکر، شیخ بحر و بر
کاں از شکر نمک کندو از نمک شکر

(ترجمہ) شیخ بحر و بر کانِ نمک اور جہانِ شکر ہیں جبھی تو شکر کو نمک اور نمک کو شکر کرتے ہیں

چونکہ اس مختصر رسالے میں آپ کے احوال کو تفصیل سے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لیے مطابق دستور چند باتیں مختصر طور پر بیان کی گئیں۔

آپ کی وفات آپ کی جائے قیام اجودھن میں جو پٹن کے نام سے مشہور ہے اور مضافات ملتان میں ہے پانچ محرم کو منگل کی شب [۱۹۰] سن چھ سو اڑسٹھ[۲] میں ہوئی۔

اسی قصبے میں اپنے خاص حجرے کے اندر دفن کیے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ فریدالدّین گنج شکر کے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، پوتوں اور نواسوں کا کوئی شمار نہ تھا سب سے بڑے بیٹے شیخ نصیرالدّین تھے جنھوں نے کاشت کاری کا پیشہ اختیار کیا جو حلال روزی ہے اور بے تکلفی سے سکون قلبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ دوسرے بیٹے شیخ شہاب الدّین جو لشکر میں ملازم تھے۔ انھیں سلطان المشایخ سے بے حد محبت تھی۔ تیسرے فرزند شیخ بدرالدّین سلیمان تھے جنھیں شیخ فریدالدّین گنج شکر کی وفات کے بعد بھائیوں نے متفقہ طور پر شیخ کی جگہ بٹھایا اور اپنے والد کے سجادہ نشین ہوئے جب شیخ بدرالدّین سلیمان کی وفات ہوئی تو انھیں شیخ فریدالدّین گنج شکر کے روضے کے گنبد میں دفن کیا گیا۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ فریدالدّین گنج شکر کے چوتھے فرزند شیخ نظام الدّین تھے جو تمام فرزندوں میں شیخ کو زیادہ محبوب تھے۔ وہ بہت جری اور بہادر تھے۔ ایک مرتبہ کافروں نے اجودھن پر حملہ کیا ان نظام الدّین نے ان سے جہاد کیا اور شہید ہو گئے۔ بعد میں ان کی نعش تلاش کی گئی لیکن وہ نہیں ملی۔ اربابِ سیر نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ رنتھنبور کے قلعے پر ان کا مزار مبارک مخلوق خدا کی زیارت گاہ ہے۔ پانچویں فرزند شیخ یعقوب تمام فرزندوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ انھیں سیاحت کا شوق تھا۔ آخر کار قصبہ انبروہہ کے راستے میں مردان غیب انھیں اپنے ساتھ لے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ فریدالدّین کی سب سے بڑی صاحب زادی بی بی مستورہ بہت نیک خاتون تھیں وہ آخر دم تک پردے میں رہیں۔ [۱۹۱] شب و روز معبود حقیقی کی عبادت میں مصروف رہتی تھیں۔ منجھلی صاحب زادی بی بی شریفہ تھیں۔ وہ عین جوانی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ وہ بھی باری تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتی تھیں اور اسی حال میں اس فانی دنیا سے رخصت ہوئیں۔ رحمتہ اللہ علیہا۔ تیسری صاحب زادی بی بی فاطمہ تھیں جو مولانا بدرالدّین اسحٰق کے نکاح میں آئیں۔ جب مولانا بدرالدّین نے اس دنیا سے رحلت کی تو بی بی فاطمہ اپنے دو بیٹوں خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کے ساتھ اجودھن میں فقر و فاقے کے ساتھ رہتی رہیں۔ جب سلطان المشایخ کو ان کی تنگ دستی کا حال معلوم ہوا اور سیّد محمد کرمانی نے بھی سلطان المشایخ کی خدمت میں مولانا بدرالدّین اسحٰق کے حقوق کی رعایت کے بارے میں گزارش کی تو آپ نے بی بی فاطمہ کو ان کے دونوں فرزندوں سمیت دہلی بلا

لیا اور ان کی غور و پرداخت فرمائی۔ بی بی فاطمہ کا مزار اپنے چچا شیخ نجیب الدین کی قبر کی پائینتی میں پرانی دہلی کے دروازہ مندہ کے قریب مخلوق کی زیارت گاہ ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر کہ شیخ فرید الدین گنج شکر کے پوتوں اور نواسوں کا کوئی شمار نہیں ہے اس مختصر رسالے میں ہر ایک کا حال تحریر کرنا ممکن نہیں ہے۔ صرف چند حضرات کا حال تبرکاً درج کیا جاتا ہے تاکہ طالبوں کو نفع حاصل ہو۔

سب سے پہلے عارفوں کے سردار مولانا علاء الدین بن شیخ بدر الدین سلیمان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ شیخ فرید الدین گنج شکر کے تمام پوتوں میں سب سے ممتاز اور سرفراز تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد سولہ سال کی عمر میں مشائخ چشت کے سجادے پر بیٹھے اور چوّن سال تک اس کے حقوق ادا کیے۔ آج کے دن تک ان کی اولاد میں پیری کی رسم باقی ہے۔ جب ان کی وفات ہوئی تو اپنے دادا شیخ فرید الدین گنج شکر کے روضے کے قریب دفن ہوئے۔ سلطان محمد تغلق نے ایک بلند گنبد ان کے مزار پر تعمیر کرایا۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا عزیز الدین بن شیخ یعقوب اور ان کے بھائی [۱۹۲] خواجہ قاضی، شیخ فرید الدین کے پوتوں میں تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے سلطان المشائخ کے زیر نگرانی پرورش پائی۔ آخر میں مولانا عزیز الدین کسی سبب سے دیوگیر چلے گئے اور وہیں شہادت پائی۔ خواجہ قاضی سلطان المشائخ کے روضے کے قریب چبوترۂ یاراں میں دفن ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ کمال الدین بن شیخ نصیر الدین جو شیخ فرید الدین گنج شکر کے پوتے تھے بہت سخی اور عالی ہمت بزرگ تھے چنانچہ سیر و سفر کے دوران اپنے ساتھ کھانا رکھتے تھے اور کسی فقیر کو اس کھانے سے محروم نہ رکھتے تھے۔ اس ایثار میں برکت اس وجہ سے تھی کہ ابتدا میں آپ سلطان المشائخ کے لنگر خانے کی دیگ دھونے پر مامور تھے۔ وہ بھی کسی وجہ سے مالوہ چلے گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

مولانا عزیز الدین بن خواجہ ابراہیم بن خواجہ نظام الدین شیخ فرید الدین گنج شکر کے پوتوں میں سب سے زیادہ بزرگ ہستی تھے۔ سلطان المشائخ بھی انھیں بے حد چاہتے تھے۔ آپ نے خود مولانا عزیز الدین کی پرورش اور تربیت کی تھی۔ جب ان کی وفات ہوئی تو سلطان المشائخ کی پائینتی دفن کیے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

میں پھر اصل موضوع یعنی مشائخ چشت کے شجرے کی مختصر تفصیل کی طرف آتا ہوں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بن خواجہ کمال الدین احمد بن موسیٰ اوشی (اوش میں پیدا

ہوئے) اوش ماورالنہر کے قصبات میں ایک قصبہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اوش ریاست فرغانہ میں واقع ہے۔ آپ کا لقب بختیار اور کاکی ہے۔ ان دونوں لفظوں کی وجہ تسمیہ آگے تحریر کی جائے گی آپ خواجۂ بزرگ معین الدّین چشتی کے خلیفہ اکبر ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہما

چشتیہ بہشتیہ کے مصنف نے آپ کا سلسلۂ نسب امیرالمومنین[۳] حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے۔ آپ قصبہ [۱۹۳] اوش میں پیدا ہوئے۔ جب آپ ڈھائی سال کے تھے تو آپ کے والد خواجہ کمال الدّین احمد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی والدہ نے آپ کی پرورش و تربیت کی۔ پانچ سال کی عمر میں خواجہ خضر علیہ السلام کے توسط سے مولانا ابو حفص سے جو اپنے زمانے کے قطب اور متبحر عالم تھے علم حاصل کرنے لگے۔

خیر المجالس میں ہے کہ مولانا ابو حفص کی صحبت (کے فیض) سے آپ کے ظاہری اور باطنی اخلاق آراستہ اور پیراستہ ہوئے۔

سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے کہ قطب الاسلام نے ماہ رجب الرجب سن پانچ سو بارہ[۴] (ہجری) میں مسجد امام ابواللیث سمرقندی میں جو بغداد میں ہے شیخ شہاب سہروردی، شیخ اوحد الدّین کرمانی، شیخ برہان الدّین چشتی اور شیخ محمود اصفہانی کی موجودگی میں خواجہ بزرگ معین الدّین چشتی سے شرف بیعت حاصل کیا[۵] خواجہ بزرگ کے حکم سے آپ نے بغداد میں سخت ریاضتیں کیں جب خواجۂ بزرگ بغداد سے اجمیر آئے تو اجمیر کو اپنی قیام گاہ قرار دیا۔ قطب الاسلام نے جب یہ خبر سنی تو خواجۂ بزرگ کی خدمت میں رہنے کے لیے بغداد سے اجمیر روانہ ہوئے۔ جب ملتان میں تشریف لائے تو شیخ بہاء الدّین زکریا اور شیخ جلال الدّین تبریزی سے تعلق پیدا ہوا انھوں نے چند روز آپ کو مہمان رکھا اور میزبانی کی۔ جب ملتان سے دہلی آئے تو ایک عریضہ جس میں دہلی پہنچنے اور خواجۂ بزرگ کی قدم بوسی کے اشتیاق کا ذکر تھا اجمیر ارسال کیا۔ خواجۂ بزرگ نے جب یہ عرض داشت ملاحظہ فرمائی تو کہا کہ بابا بختیار کو دہلی ہی میں رہنا چاہیے اور وہیں آرام کرنا چاہیے۔ چنانچہ قطب الاسلام نے خواجۂ بزرگ کے حکم سے [۱۹۴] شہر دہلی میں سکونت اختیار کی، البتہ دو تین بار خواجۂ بزرگ سے ملاقات کے لیے اجمیر ضرور گئے لیکن واپس آ گئے۔

دلیل العارفین میں بیان کیا گیا ہے کہ سلطان شمس الدّین (التمش) نے (دہلی میں) آپ کے ورود کو سعادت خیال کیا اور بر بنائے اعتقاد آپ کا مرید ہو گیا۔

سیر العارفین سے منقول ہے کہ حضرت قطب الاسلام نے دہلی میں نکاح کیا۔ آپ کے دو فرزند تھے ایک شیخ احمد جن کی قبر آپ کے پہلو میں ہے انھیں خواجہ احمد تماجی بھی کہتے ہیں۔ وہ حضرت سلطان المشایخ کے زمانے تک حیات تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ دوسرے شیخ محمد تھے جو بچپن ہی میں وفات پا چکے تھے۔ سلطان المشایخ نے فواید الفواد میں فرمایا ہے کہ دونوں بھائی جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ قدس اللہ سرہما۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ جب قطب الاسلام کے گھر میں دو تین فاقے ہو جاتے تو اس وقت آپ کی اہلیہ صاحبہ شرف الدین بقال کی بیوی سے جو آپ کے پڑوس میں تھا ناگزیر ضرورت کی حد تک قرض لے کر متعلقین پر خرچ کرتی تھیں۔ اس باب میں خواجۂ بزرگ نے خواجہ قطب الاسلام کو اجازت دے دی تھی کہ اپنے لیے پانچ سو درم تک قرض لے سکتے ہیں۔ ایک روز بقال کی بیوی نے آپ کی اہلیہ صاحبہ سے غرور کے طور پر کہا کہ اگر ہم تمھارے ہمسایے نہ ہوتے تو تم لوگ کہاں سے کھاتے اور زندگی کس طرح بسر کرتے۔ اس کی یہ بات خواجہ نے سنی تو اپنی اہلیہ کو قرض لینے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ تمھارے حجرے میں جو طاق ہے اس کی جانب اشارہ بھی کیا جب ضرورت ہو کھانے کی چیز اس میں سے لے لیا کرو (لیکن) یہ ضروری ہے کہ بسم اللہ کہہ کر طاق میں ہاتھ ڈالو اور گھر والوں کی خوراک کے موافق کاک نکالا کرو۔ چنانچہ اہلیہ صاحبہ بوقت ضرورت طاق میں ہاتھ ڈال کر گرم گرم کاک نکال لیتی تھیں۔ ایک مدت [۱۹۵] اسی طرح کام چلتا رہا اور کسی غیر کی محتاجی نہ رہی[۶]

سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے کہ (جس روز) آپ کے مصلّے کے نیچے کاک (نان) نکلے تھے اس روز سے آپ کا لقب کاکی ہو گیا۔

مرات الاسرار میں تحریر کیا گیا ہے کہ خواجۂ بزرگ، شفقت و مہربانی کی بنا پر قطب الاسلام کو بختیار کہتے تھے اس سبب سے لوگ آپ کو بختیار کہتے ہیں۔

افضل الفواید سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت امیر خسرو نے سلطان المشایخ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت خواجہ قطب الدین کو کس باعث "کاکی" کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ حوض شمسی پر بیٹھے تھے اور مریدین آپ کو حلقہ کیے ہوئے تھے کہ اتنے میں فرحت بخش ہوا چلنے لگی۔ مریدین نے عرض کیا یا حضرت ایسی خوش کن ہوا میں اگر گرم گرم کاک مل جائیں تو کیا اچھا ہو۔ خواجہ قطب الدین نے فرمایا کیا کرو

گے۔ عرض کیا کہ کھائیں گے۔ خواجہ قطب الدین اپنی جگہ سے اٹھے اور حوض پر آئے اور پانی کے اندر سے گرم نان نکال کر مریدین کے سامنے رکھ دیے اور ان میں سے خود بھی تناول کیا۔ اس روز سے آپ کو کاکی کہتے ہیں۔

قدسیہ فردوسیہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ کے باورچی سے (بادشاہ کے) نان جل گئے۔ وہ اس واقعے سے سخت پریشان تھا کہ خواجہ قطب الدین اس کے پاس آئے اور اس پر شفقت کرتے ہوئے فرمایا، اے دوست کس انتظار میں ہو۔ بسم اللہ کہہ کر ہاتھ تنور میں ڈالو۔ نانبائی نے تنور میں ہاتھ ڈالا اور نان نکالنے شروع کر دیے جو سب پاک صاف پکے ہوئے تھے۔ چنانچہ نانبائی کاک اٹھا کر بادشاہ (کے محل) کی جانب دوڑا اور حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر سخت حیران ہوا۔

کاک فارسی لفظ ہے اس کے معنی "تنوری نان" اور "کلچے" کے ہیں۔ اسے عربی میں کعک کہتے ہیں جیسا کہ لغات میں بیان کیا گیا ہے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ عید کا دن تھا [۱۹۶] خواجہ قطب الدین نماز عید ادا کرنے کے بعد خانقاہ واپس آ رہے تھے، راستے میں آپ اس مقام سے گزرے جہاں آپ کا مزارِ منور ہے۔ آپ وہاں کھڑے ہو گئے اور غور کرنے لگے۔ خدام نے عرض کیا کہ آج عید کا دن ہے خلقت آپ سے ملاقات کی سعادت حاصل کرنے کی منتظر ہے مناسب ہے کہ جلد دولت خانے تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس زمین سے اہل دل کی خوشبو آ رہی ہے اور اس جگہ راحت کا احساس ہو رہا ہے۔ آپ نے اسی وقت زمین کے مالک کو طلب فرمایا اور زمین کی قیمت ادا کر دی اور خرید کردہ زمین کو اپنا مدفن قرار دیا۔ بعد ازاں آپ خانقاہ تشریف لائے۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ شیخ علی سگزی کی خانقاہ میں سماع کی مجلس تھی۔ خواجہ قطب الدین بھی اس مجلس میں تشریف لے گئے قوالوں نے شیخ احمد جام کی غزل گانی شروع کی جب اس شعر پر پہنچے

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگراست

(ترجمہ) تسلیم و رضا کے مقتولوں کو عالم غیب سے ہر دم ایک نئی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

اس شعر نے خواجہ پر زبردست اثر کیا اور از خود رفتہ ہو گئے۔ مجلس ختم ہونے کے بعد آپ کو گھر لے آئے۔ چار دن اور رات اسی کیفیت میں رہے اور قوالوں کو اسی شعر کی تکرار کا حکم دیا۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ ہوش میں آجاتے اور نماز ادا فرماتے اسی کیفیت میں شبِ دوشنبہ چودہ ربیع الاوّل چھ سو تینتیس ہجری شمس الدّین التتمش کے عہد حکومت میں اس عالم سے رحلت فرمائی۔

آپ کی عمر شریف کے بارے میں بے حد اختلاف ہے۔ اس بندہ کمترین نے تاریخ کی کتابوں سے جو تحقیق کی ہے اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں البتّہ اس کے مطابق آپ کی عمر چوہتر سال ہوتی ہے۔ جن حضرات نے آپ کی عمر اس سے کم گمان کی ہے وہ غلطی پر ہیں۔[۱۹۷] سیر الاولیا کے مصنف نے ایک حساب سے آپ کی عمر ایک سو اور کچھ سال تحریر کی ہے وہ اس طرح سے ہے کہ حضرت قطب الاسلام نے ماہ رجب المرجب پانچ سو بارہ ہجری میں بیعت کی اور چودہ ربیع الاوّل چھ سو تینتیس میں عالم بقا کی جانب تشریف لے گئے، اس صورت میں بیعت اور وفات کا درمیانی عرصہ ایک سو اکیس سال ہوتا ہے جب کہ بیعت سے قبل کی عمر اس کے علاوہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ آپ کا مزار مبارک قدیم دہلی میں سلطان شمس الدّین کے حوض کے نزدیک ہے اور مخلوق کی زیارت گاہ ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدّین چشتی قدس سرہ، بن غیاث الدّین چشتی سجزی، خواجہ عثمان ہروَنی کے مرید اور خلیفۂ ارشد تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ آپ کے اجداد کا نسبی سلسلہ امیر المومنین حسن بن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر ختم ہوتا ہے۔ آپ کی ولادت صوبۂ سجستان، جسے سیستان بھی کہتے ہیں، کے قصبۂ سجز میں ہوئی۔ خراسان میں نشوونما پائی۔

سیر العارفین میں بیان کیا گیا ہے کہ جب خواجۂ بزرگ پندرہ سال کے ہوئے تو آپ کے والد غیاث الدّین حسن نے جو نہایت بزرگ ہستی تھے نیز مال و اسباب اور ایک سرسبز باغ کے مالک تھے، وفات پائی۔ یہ تمام ترکہ خواجۂ بزرگ کے حصے میں آیا۔ ایک روز آپ اپنے موروثی باغ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ خواجہ ابراہیم مجذوب وہاں آگئے۔ خواجۂ بزرگ نے اٹھ کر ان کی تعظیم کی اور بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو خواجۂ بزرگ نے انگور کے گچھوں سے بھرا ہوا ایک طباق ان کے سامنے رکھا۔ انھوں نے رغبت کے ساتھ طباق سے انگور لے کر کھائے۔ اس کے بعد خواجہ ابراہیم مجذوب نے کھلی کا ایک ٹکڑا اپنی

گٹھڑی میں سے نکالا [۱۹۸] اور اپنے لعابِ دہن سے تر کر کے خواجہ کے منہ میں رکھا اسی لمحے خواجہ کے باطن میں نور پیدا ہوا، طبیعت جائیداد، اسباب اور گھر سے متنفر ہو گئی۔ سارا مال و متاع درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ وہاں سے خلوت اختیار کرنے کے لیے قدم نکالے اور سفر پر روانہ ہوئے۔ جب شہر بخارا آئے تو وہاں قرآن کریم حفظ کیا اور ظاہری علوم کی تحصیل کی لیکن آپ نے یہ محسوس کیا کہ ان باتوں سے مقصود حقیقی حاصل نہیں ہوا اس لیے بخارا سے تلاشِ مرشد کے لیے نکلے، جب قصبہ ہروَن پہنچے جو نیشاپور کے نواح میں ہے تو خواجہ عثمان ہروَنی سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے خواجہ عثمان کی خدمت میں اڑھائی سال رہ کر تربیت حاصل کی۔

خواجہ بزرگ نے اپنی تصنیف، انیس الارواح میں اس سارے قصے کو اس طرح تحریر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ سیر العارفین کے مصنف کو یہ تصنیف نہ ملی ہو:

> "جب یہ دعا گو طویل سفر کرنے کے بعد بغداد پہنچا تو خواجہ عثمان ہروَنی کو مسجد خواجہ جنید بغدادی میں تشریف فرما پایا۔ میں اسی وقت ان کے پلڑے میں بیٹھ گیا اور مرید ہوا۔ خواجہ نے دعا فرمائی اور قینچی سے میرے بال کاٹے۔ اپنے سرِ مبارک سے کلاہ اتار کر میرے سر پر رکھی اور جو نعمت مجھے دینی تھی ازراہِ کرم عطا کی اور فرمایا کہ تمھیں کچھ مدت میرے ساتھ رہنا ہے۔ اس دوران خواجہ حج کے لیے روانہ ہوئے مجھے بھی ساتھ لے لیا۔ جب ہم خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے تو خواجہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر حق تعالیٰ کے سپرد کیا اور میزابِ رحمت کے نیچے میرے لیے دعا کی۔ غیب سے آواز آئی کہ ہم نے معین الدّین کو قبول کیا۔ ہم وہاں سے لوٹے اور مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر حاضری دی [۱۹۹]. سلام پیش کیا۔ رسول علیہ السلام کے روضۂ اقدس سے آواز آئی، "علیک السلام یا قطب المشائخ" خواجہ عثمان ہروونی نے میرے حق میں یہ کلمات سنے تو فرمایا جاؤ اب تم درجۂ کمال تک پہنچ گئے ہو، لیکن یہ فقیر اس زمانے میں بیس سال تک خواجہ کی خدمت میں رہا آپ کے وضو کا لوٹا اور بستر وغیرہ

سر پر رکھے ہوئے آپ کے ساتھ رہتا تھا۔ الغرض خواجہ سفر سے
لوٹے تو بغداد تشریف لائے اور خلوت میں بیٹھے اور بندے کو رسول
علیہ السلام کے ارشاد کے بموجب اشاعتِ دین کے لیے ہندوستان
روانہ کیا۔"

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ جس زمانے میں خواجۂ بزرگ معین الدین چشتی قدس سرہ، اپنے چالیس مریدوں کے ساتھ دہلی آئے۔ اس وقت دہلی میں رائے پتھورا چوہان کی حکومت تھی اور چوہان ایسی قوم تھی جو مسلمانوں کا چہرہ تک دیکھنا گوارا نہ کرتی تھی۔ اگر اتفاقاً کسی مسلمان کو دیکھ لیتے تو اسے تکلیف پہنچاتے۔ سیر الاولیا کے مصنف کہتے ہیں کہ خواجہ بزرگ چند مہینے دہلی میں رہے۔ آپ کا مبارک قیام ایک مکان میں تھا۔ (لوگوں کو) خبر ملی کہ شیخ فلاں مکان میں ہیں اور بلند آواز سے اذان دیتے ہیں اور ہرگز دل میں جان کا خوف نہیں آنے دیتے۔ کافروں نے جب یہ سنا تو (عداوت کی آگ میں) جل گئے اور دشمنی پر اتر آئے۔ ایک روز ایک کافر بغل میں خنجر دبائے خواجہ کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے چاہا کہ آپ پر وار کرے آپ نے نور باطن سے اس کی نیت معلوم کر لی۔ فرمایا اے شخص خنجر سے وار کیوں نہیں کرتا اور ہاتھ کیوں دراز نہیں کرتا آپ کی یہ بات سن کر اس کا بدن کانپنے لگا۔ بغل سے خنجر نکال کر ایک طرف پھینک دیا اور اپنا سر [۲۰۰] خواجہ کے قدموں میں ڈال دیا اور مسلمان ہو گیا" اس روز سے خلقت خواجہ کی جانب مایل ہونے لگی اور آپ پر جان فدا کرنے لگی۔ چونکہ آپ خلقت کی بھیڑ بھاڑ اور لوگوں کی آمد و رفت سے خوش نہ تھے اور یہ بات آپ کی طبیعت کے خلاف تھی اس لیے آپ اجمیر تشریف لے گئے اور آخر عمر تک وہیں رہے۔

مرات الاسرار سے منقول ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتی قدس سرہ دہلی سے اجمیر تشریف لے گئے اور رائے پتھورا نے جب وہاں آپ کی کرامات دیکھیں تو سخت حیران ہوا اور اپنے دل میں دشمنی ٹھالی، لیکن اس نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے اپنی دشمنی کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور باطن میں اسی دن سے جس دن سے خواجۂ بزرگ واردِ ہند ہوئے تھے اسے اپنی سلطنت سے محروم ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی بے چینی کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اجے پال جوگی نے جو اس کا پیر و مرشد تھا کچھ نشانیاں دیکھ کر خواجہ بزرگ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا اور آپ کا مرید ہو گیا تھا۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدّین چشتی نے ایک مسلمان کو تکلیف نہ دینے سے متعلق رائے پتھورا کو کہلوایا تھا لیکن اس نے عداوت کی بنا پر اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ خواجہ کی (درویشانہ) غیرت حرکت میں آ گئی آپ کی زبان سے جو تقدیری فیصلے جاری کرتی تھی، نکلا کہ ہم نے رائے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے دے دیا ہے اسی زمانے میں سلطان معز الدّین سام جو شہاب الدّین غوری کے لقب سے مشہور ہے، غزنین سے لشکرِ جرار لے کر حملہ آور ہوا۔ رائے پتھورا اس کے مقابلے پر آیا اور شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہوا۔ سلطان نے اسے قتل کر کے جہنم رسید کیا۔

طالبین پر واضح ہو کہ اکبر نامہ اور اقبال نامۂ جہانگیری کی یہ تحریر کہ خواجۂ بزرگ کے کوئی اولاد نہ تھی سب کے علم میں ہے [۲۰۱] لیکن مشایخ چشت کے ملفوظات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ صاحبِ اہل و عیال تھے جیسا کہ سلطان التارکین مولانا حمید الدّین سوالی نے جو خواجۂ بزرگ کے خلیفۂ اعظم تھے، اپنے ملفوظات میں بیان کیا ہے کہ ایک شب خواب میں رسول علیہ السلام نے خواجہ سے فرمایا اے معین الدّین تم میرے دین کے معین (مددگار) ہو۔ حیرت ہے کہ میری سنّتوں میں سے ایک سنّت کو تم نے چھوڑ رکھا ہے یعنی نکاح نہیں کرتے۔ جب صبح ہوئی تو خواجہ کے مریدوں میں سے ایک سردار نے جس کا خطاب قلعہ دار گڈھ بٹیلی تھا کفرستان کے راجاؤں میں سے ایک راجا کی لڑکی کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ خواجہ نے اسے نکاح کی شرط کے ساتھ قبول کر لیا۔ بی بی حافظ جمال ان حرم کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ (اس نکاح کے بعد) کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ سیّد حسین مشہدی کے چچا سیّد وجیہہ الدّین کو امام جعفر صادق نے خواب میں حکم دیا کہ اپنی بیٹی عصمت بی بی کا نکاح خواجہ معین الدّین سے کر دو۔ جب انھوں نے یہ خواب خواجہ بزرگ پر ظاہر کیا تو خواجہ نے انھیں بھی اپنے نکاح میں قبول کیا۔ ان کے بطن سے دو فرزند ایک شیخ فخر الدّین اور دوسرے شیخ حسام الدّین پیدا ہوئے شیخ حسام الدّین کم عمری ہی میں ابدالوں میں شامل ہو گئے تھے۔ ان سے خاندان آگے نہیں چلا۔ البتہ شیخ فخر الدّین صاحبِ اولاد ہوئے وہ خواجہ کی وفات کے بعد بیس سال زندہ رہے۔ انھوں نے قصبہ سرواڑ میں جو اجمیر سے سولہ کوس پر ہے وفات پائی اور اس قصبے میں جو حوض ہے اس کے نزدیک مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ شیخ فخر الدّین کے ایک فرزند تھے جن کا نام حسام الدّین سوختہ تھا۔ وہ اکثر سلطان المشایخ کی خدمت میں رہتے تھے۔ ان کی قبر قصبہ ساور میں ہے [۲۰۲]

جو اجمیر کے راستے میں مغرب کی جانب واقع ہے۔ طالب کو چاہیے کو ان کے مزار کی زیارت کرے۔ بی بی حافظ جمال کا مزار اپنے والد حضرت خواجہ معین الدین کے روضے کی پائینتی میں ہے۔ خلقت اُن کے مزار سے فیض حاصل کرتی ہے۔ رحمتہ اللہ علیہا

سلطان المشایخ فواید الفواد میں فرماتے ہیں کہ خواجہؒ بزرگ کے پوتوں میں سے خواجہ احمد نام کے ایک بزرگ تھے۔ میں نے انھیں دیکھا ہے وہ کامل استعداد رکھتے تھے۔ ان کے بھائی خواجہ وحید الدین، حضرت شیخ الاسلام گنج شکر کے مرید ہو گئے تھے۔

بعض حضرات جو خواجہؒ بزرگ کے صاحب اولاد ہونے کے منکر ہیں، انھیں مشایخ چشت کے ملفوظات پر (کامل) عبور حاصل نہیں ہے۔ بعض مورخین نے خواجہؒ بزرگ کی وفات کے سن میں اختلاف کیا ہے اور تحریر کیا ہے کہ خواجہؒ بزرگ نے خواجہ قطب الدین کی وفات کے چند ماہ بعد اس عالم سے رحلت فرمائی یہ محض افترا ہے، کیوں کہ خواجہ قطب الدین نے دلیل العارفین میں جو ان کی تصنیف ہے اس شک کو اس طرح دور کر دیا ہے۔

> "اس دعا گو کو بروز جمعرات جامع مسجد اجمیر میں خواجہ معین الحق والدین کی قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ بہت سے اہل باطن درویش اس مجلس میں حاضر تھے۔ ملک الموت کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ اس گفتگو کے دوران خواجہ پر گریہ طاری ہو گیا۔ الغرض جب یہ گفتگو ختم ہوئی تو خواجہ نے دعا گو کی جانب دیکھا اور فرمایا اے درویش اچھی طرح سمجھ لو کہ (حق تعالیٰ) مجھے اس سرزمین میں لائے ہیں اور اسی جگہ میرا مدفن ہوگا۔ کچھ عرصے بعد میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا چنانچہ آپ نے خواجہ علی سجزی سے فرمایا کہ خلافت نامے کا فرمان تحریر کرو کہ میں نے قطب الدین بختیار کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور مشایخ چشت کے سجادے کی سند ان کے [۲۰۳] سپرد کی۔ جب فرمان تحریر ہو چکا تو خواجہ نے اس دعا گو کو عنایت فرمایا۔ دعا گو تعظیم بجا لایا۔ حکم ہوا کہ قریب آؤ میں قریب گیا آپ نے اس عمامے کو جو سرِ مبارک پر تھا، بندے کے سر پر رکھا۔ خواجہ عثمان ہروَنی کا عصا، قرآن، مصلی اور جوتے بھی مجھے عطا کیے اور فرمایا کہ رسول علیہ السلام کی یہ امانت (جو شیخ بہ شیخ مجھ تک پہنچی

ہے) میں تمھارے سپرد کر رہا ہوں۔ جاؤ ہم نے تمھیں خدا کے سپرد کیا۔ میں وہاں سے دہلی واپس آ گیا۔ ابھی چالیس روز نہ گزرے تھے کہ اجمیر سے ایک آنے والے شخص نے بتایا کہ بندے کو رخصت کرنے کے بعد خواجہ بیس دن زندہ رہے بعد ازاں رحلت فرما گئے۔"

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ خواجہ معین الدّین چشتی نے، خواجہ قطب الدّین سے قبل وفات پائی نہ کہ بعد میں۔ آپ کی وفات اتوار کی رات کو چھ رجب المرجب چھ سو بتیس ہجری [8] میں ہوئی اور خواجہ قطب الدّین کی وفات چند ماہ بعد چودہ ربیع الاوّل چھ سو تیتیس ہجری میں ہوئی۔ رحمتہ اللہ علیہما

حضرت خواجہ عثمان ہروَنی قدس سرّہ۔ آپ حاجی شریف زندنی کے مرید تھے۔ آپ کی جائے ولادت ہروَن ہے جو شہر خراسان کے مضافات میں ایک قصبہ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہروَن ریاست فرغانہ میں جو ماورالنہر کا ایک حصّہ ہے واقع ہے۔ آپ سے بہت سی کرامات اور خرق عادت واقعات ظہور میں آئے۔ آپ اعلیٰ تصرفات کے حامل تھے۔ ان تصرفات میں سے سب سے کم تصرف یہ ہے کہ آپ نے حضرت خواجہ معین الدّین چشتی جیسے شاہباز کو اسیر کیا اور خود ان کی تربیت کی اور ان کے ظاہر و باطن کو خدا کے سپرد کیا۔ حضرت خواجہ عثمان نے بارہا [۲۰۴] فرمایا کہ معین الدّین اللہ کا محبوب ہے اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ وہ میرا مرید ہوا۔ گنج الاسرار [9] کے مصنف نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی حضرت خواجہ معین الدّین چشتی سے ملاقات کے لیے دہلی آئے تھے لیکن یہ روایت ضعیف ہے صحیح روایت یہ ہے کہ خواجہ عثمان طویل سیر و سیاحت کے بعد واپس ہوئے تو مکہ معظمہ میں آئے اور وہاں اعتکاف میں بیٹھ گئے وہیں چھ یا سولہ شوال چھ سو سات ہجری میں آپ کا وصال ہوا اور مکہ معظمہ کے جوار میں مدفون ہوئے چنانچہ آج بھی آپ کا مزار مبارک مخلوق کی زیارت گاہ ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی قدس سرّہ۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدّین مودود چشتی کے مرید اور خلیفہ تھے آپ بہت زیادہ ظاہری اور باطنی تصرفات کے مالک تھے۔ سیر الاولیا کے مصنف نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے سلطان سنجر سلجوقی کو خواب میں دیکھا۔ اس نے سلطان سے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اس نے جواب دیا کہ جب عذاب کے فرشتے مجھے دوزخ میں ڈالنے کے لیے لے جا رہے تھے تو حکم

صادر ہوا کہ اس شخص نے (سلطان سنجر نے) ایک بار حاجی شریف زندنی کی قدم بوسی کی تھی ہم نے اس قدم بوسی کے طفیل اسے بخش دیا اور اپنے دوستوں میں شامل کیا۔ الغرض آپ پیشوائے زمانہ تھے۔ آپ کا وصال تین یا چھ رجب کو ہوا۔ آپ کی وفات کے بارے میں زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ملک شام میں آپ کا مزار مخلوق کی زیارت گاہ ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس سرہ۔ آپ اپنے والد [۲۰۵] حضرت خواجہ ابو یوسف ناصر چشتی کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ سے ظاہری کرامات ظہور میں آئیں۔ سیر الاولیا کے مصنف نے بیان کیا ہے کہ جب خواجہ مرض الموت میں تھے تو ایک دن ایک رعب دار شخص آپ کے پاس آیا اور محبوبِ حقیقی کی طرف سے باریک کاغذ پر لکھا ہوا خط آپ کو دیا۔ آپ نے اسے پڑھا اور فرمایا زہے نصیب کس قدر خوش بختی ہے۔ پھر اس کاغذ کو آنکھوں سے لگایا اور اپنی جان عزیز کو محبوب کے مشاہدے کے سپرد کر دی۔ جب آپ کا جنازہ تیار ہو گیا اور اسے اٹھانے لگے تو جنازہ نہیں اٹھا اسی اثنا میں لوگوں نے غیب سے آواز سنی کہ تم لوگ یہاں سے ہٹ جاؤ لوگ وہاں سے ہٹ گئے پس مردان غیب آئے اور انھوں نے خواجہ کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد جنازہ ہوا میں اڑتا ہوا مدفن پہنچا آپ کی وفات یکم رجب المرجب پانچ سو ستائیس ہجری[۱۰] میں ہوئی، چشت میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔ آپ کے والد گرامی کا نام محمد سمعان تھا۔ نفحات الانس کے مصنف کہتے ہیں کہ آپ حضرت خواجہ ابو محمد چشتی کے بھانجے، مرید اور خلیفہ تھے۔ بہت زیادہ ظاہری اور باطنی تصرفات کے مالک تھے۔ جب آپ کی وفات کے دن قریب آئے تو آپ نے اپنے بڑے بیٹے خواجہ قطب الدین مودود چشتی کو اپنا جانشین مقرر کیا اور قصبۂ چشت میں جو ہرات سے تیس کوس پر ہے، بتاریخ چار ربیع الثانی چار سو انسٹھ ہجری میں عالم بقا میں تشریف لے گئے اور چشت میں مدفون ہوئے۔ آپ کی عمر چوراسی سال تھی۔ رحمتہ اللہ علیہ [۲۰۶]

حضرت خواجہ ابو محمد چشتی قدس اللہ سرہ۔ آپ اپنے والد حضرت خواجہ ابو احمد چشتی کے مرید، خلیفہ اور جانشین تھے۔ اس مختصر رسالے میں آپ کے کمالات بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ نے یکم رجب المرجب چار سو چودہ ہجری میں وفات پائی اور قصبۂ

چشت میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابواحمد چشتی قدس اللہ سرہ۔ نفحات الانس کے مصنف کہتے ہیں کہ آپ سلطان فرسنافد کے فرزند تھے۔ فرسنافد چشت کے شرفا اور مالکِ ولایت امرا میں سے تھے۔ خواجہ ابو احمد خواجہ ابواسحاق شامی کے مرید اور خلیفہ تھے اور بالاتفاق مشایخ چشت کے سردار اور قطب الابدال تھے۔ تمام عمر زمین کا آباد حصہ آپ کے تصرف میں تھا۔ آپ نے طویل عمر پائی چنانچہ معتصم باللہ کے زمانہ خلافت میں جو بنی عباس کا آٹھواں خلیفہ تھا تاریخ تین جمادی الثانی دو سو ساٹھ ہجری میں آپ کی ولادت ہوئی اور تاریخ دس جمادی الثانی تین سو پچپن ہجری میں وفات پائی چشت میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابواسحٰق شامی قدس اللہ سرہ۔ آپ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری کے مرید اور خلیفہ تھے لطایف اشرفی میں بیان کیا گیا ہے کہ جب خواجہ ابواسحاق شامی، خواجہ ممشاد سے بیعت کرنے کی نیت سے بغداد آئے تو خواجہ ممشاد نے آپ سے دریافت کیا کہ وطن میں لوگ تمھیں کس نام سے جانتے تھے، آپ نے عرض کیا، "ابواسحٰق شامی" فرمایا آج سے تمھیں ابواسحٰق [۲۰۷] چشتی کہا جائے گا کہ قصبہ چشت اور اس کے نواح کے لوگ تم سے ہدایت پائیں گے اور تمھارے سلسلے کے مرید تا قیام قیامت چشتی کہلائیں گے۔ الغرض آپ اپنے شیخ کے حکم کے مطابق قصبہ چشت میں جو ہرات کے علاقے میں ہے، قیام کیا۔ آپ کی ذات سے خاندان چشتیہ وجود میں آیا۔ بہت مدتوں بعد آپ وہاں سے شام آئے۔ تاریخ چودہ ربیع الثانی کو اس عالم فانی سے شہر جاودانی میں تشریف لے گئے اور عکہ میں جو شام کا ایک قصبہ ہے مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ممشاد علو دینوری قدس سرہ۔ آپ خواجہ ہبیرہ بصری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

سیر الاولیا کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ آپ جب تک زندہ رہے، دن میں نہ کوئی چیز کھاتے تھے نہ پیتے تھے۔ ولادت کے بعد ماں کا دودھ صرف رات میں پیتے تھے گویا آپ صایم الدہر مادر زاد ولی تھے۔ سماع سننے سے خوش ہوتے تھے اسی باعث مشایخ چشت کے ملفوظات اور شجروں میں آپ کو ممشاد علو دینوری تحریر کرتے ہیں۔ نفحات الانس اور بعض دوسری تصانیف کے مندرجات کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ ممشاد علو دینوری نام کے ایک بزرگ سلسلۂ عالیہ سہروردیہ میں بھی گزرے ہیں" آپ کو لوگ علو دینوری کہتے ہیں۔

آپ کی وفات کی تاریخ چودہ محرم ہے۔ سن اور سال کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ہبیرہ بصری قدس اللہ تعالیٰ سرّہ۔ آپ حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی کے مرید اور خلیفہ تھے رحمتہ اللہ علیہ۔ آپ نے بے حد ریاضتیں کی تھیں اور بے حد کمالات کے حامل تھے آپ سے خاندان ہبیری [۲۰۸] وجود میں آیا۔ اس سلسلے کے مریدوں کو ہبیریاں کہتے ہیں۔ یہ حضرات ہمیشہ باوضو اور حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ حضورِ قلب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور فقر و فاقے کے ذریعے اپنے احوال لوگوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں۔ تین چار روز کے بعد جنگل کی چیزوں سے افطار کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ ہبیرہ بصری کی وفات سات شوال کو ہوئی۔ سفینتہ الاولیا کے مصنف (شہزادہ داراشکوہ) کا قول ہے کہ آپ کی وفات اٹھارہ شوال کو ہوئی[۱۲] رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی قدس اللہ سرّہ۔ آپ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم کے مرید اور خلیفہ تھے مرعش شام کے علاقے میں ایک شہر ہے۔ خواجہ ابراہیم بن ادہم نے وہ نعمت جو خضر علیہ السلام، امام محمد باقر اور حضرت خواجہ فضیل عیاض سے حاصل کی تھی، وہ آپ کو عنایت فرمائی۔ آپ کے تمام احوال روضتہ الاحباب[۱۳] اور روضتہ الریاحین[۱۴] میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس مختصر رسالے میں اُن احوال کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ کی وفات چودہ شوال کو ہوئی۔ سالِ وفات کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا[۱۵] رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم قدس اللہ سرّہ۔ آپ کی کنیت ابواسحٰق ہے۔ آپ کے والد ادہم بن سلیمان بن منصور بلخی تھے۔ آپ کا تعلق بلخ کے شاہی خاندان سے تھا۔ حضرت خواجہ ابراہیم کو ارادت و خلافت کا خرقہ حضرت خواجہ فضیل عیاض سے حاصل ہوا تھا۔ آپ نے پوشیدہ طور پر ریاضت، گوشہ نشینی اور (اسباب کے) ترک کی اس حد تک کوشش کی کہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوئے۔ تذکرۃ الاولیا اور لطائف اشرفی میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے محمد باقر رضی اللہ عنہ سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا [۲۰۹] اور ابوحنیفہ کوفی کی صحبت میں بھی رہے تھے۔ یہاں آپ کے حالات، کمالات اور کشف و کرامات کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ شیخ فریدالدین عطار نے بیان کیا ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ غائب ہوگئے۔ آپ کی قبر کے بارے میں کسی کو علم نہیں کہ

کہاں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ بغداد میں امام احمد حنبل کے پہلو میں آسودہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی قبر شام میں اس جگہ ہے جہاں حضرت لوط علیہ السلام کا مزار ہے۔ آپ کی وفات یکم شوال سن ایک سو اکسٹھ ہجری میں تیسرے عباسی خلیفہ ابوعبداللہ کے عہدِ خلافت میں ہوئی۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض قدس اللہ سرہ۔ آپ خواجہ عبدالواحد بن زید کے مرید و خلیفہ تھے۔ نفحات الانس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی کنیت ابوعلی تھی۔ آپ کی ولادت کوفے میں ہوئی، پرورش اور نشوونما ماورد میں ہوئی۔ تذکرۃ الاولیا میں تحریر کیا گیا ہے کہ خواجہ فضیل ابتدائی زمانے میں لٹیروں کے سردار تھے۔ جہاں کہیں ڈاکہ ڈالتے، وہیں لوٹ کے مال سے مسجد تعمیر کراتے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک قافلہ لوٹنے کے لیے نکلے جب قافلے کے نزدیک پہنچے تو اہلِ قافلہ میں سے ایک شخص نے اس آیتِ پاک کی تلاوت کی

اَلَم یَانِ لِلَّذِینَ اٰمَنُوا اَن تَخشَعَ قُلُوبُهُم لِذِکرِ اللّٰهِ [16]

کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے سامنے جھک جائیں

اس آیتِ پاک نے آپ کے قلب پر بے حد اثر کیا اور اسی وقت رہزنی سے توبہ کی۔ جس جس شخص کا مال لوٹا تھا اسے واپس لوٹا دیا اور کوفے چلے آئے۔[۲۱۰] کوفے میں آپ نے امام ابوحنیفہ کی صحبت اختیار کی، اس کے علاوہ بہت سے بزرگوں سے ملاقات کی بعد ازاں آپ مکہ معظمہ میں حاضر ہوئے اور گوشہ نشین ہو گئے مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ ایک قاری نے سورۃ القارعہ کی تلاوت شروع کی تو آپ نے ایک دلدوز نعرہ لگایا اور دوست کی یاد میں جان نثار کر دی۔ یہ واقعہ محرم الحرام سن ایک سو ستاسی ہجری میں رونما ہوا آپ مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید قدس سرہ۔ آپ حضرت خواجہ حسن بصری کے مرید اور خلیفہ تھے آپ نے خواجہ کمیل بن زیاد سے بھی خرقۂ ارادت پہنا تھا۔ آپ کی ولادت شہر بصرہ میں ہوئی۔ امام عبداللہ نے تاریخ یافعی میں تحریر کیا ہے کہ آپ نے چالیس سال تک نمازِ عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کی اور اس حد تک ریاضتیں کیں کہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول قرار دیے گئے۔ آپ کے کمالات کی کوئی انتہا نہیں ہے آپ کی وفات ستائیس صفر سن

ایک سو ستر ہجری میں شہر بصرہ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ حسن بصری قدس اللہ سرہ۔ آپ کی ایک کنیت ابو سعید اور دوسری ابو محمد ہے۔ چونکہ آپ ابتدائی زندگی میں موتیوں کی تجارت کرتے تھے اس لیے آپ کو حسن لولوئی بھی کہتے ہیں۔ آپ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے مرید اور خلیفہ تھے نیز امام حسن بن علی اور خواجہ کمیل بن زیاد کی صحبت میں بھی رہے۔

روضتہ الاحباب کی آخری جلد میں تحریر ہے کہ آپ کے والد سن بارہ ہجری میں امیر المومنین ابوبکر صدیق [۲۱۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے چونکہ خوبرو تھے اس لیے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا نام حسن رکھا۔ منتخب التواریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ خواجہ ابو سعید حسن بصری نے یکم رجب المرجب سن ایک سو دس ہجری میں ہشام بن عبدالملک مروان کے عہد خلافت میں رحلت فرمائی۔ آپ کی مدت حیات نواسی سال تھی شہر بصرہ سے باہر ایک کوس کے فاصلے پر دفن کیے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب، بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھیں۔ آپ کی ولادت واقعۂ فیل سے تیس سال بعد جمعہ اٹھارہ رجب المرجب کو خانہ کعبہ کے اندر ہوئی۔ جب بڑے ہوئے تو حضرت رسول علیہ السلام کے دستِ مبارک سے ارادت و خلافت کا خرقہ پہنا۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور ابو تراب ہے اور القاب مرتضیٰ، خاتم الاولیا، حیدر، مظہر العجائب، اسد اللہ اور ولی اللہ ہیں۔ جب آپ کی عمر شریف پندرہ سال تھی تو لوگوں میں سب سے پہلے آپ اسلام لائے[۱۷] سن دو ہجری میں رسول علیہ السلام نے حضرت بی بی فاطمہ زہرا کو آپ کے عقدِ نکاح میں دیا اور قربت و یگانگی کی بنیاد رکھی۔ عقدِ نکاح کے وقت حضرت علی کی عمر پچیس سال اور حضرت فاطمہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ روضتہ الشہدا میں بیان کیا گیا ہے کہ جس رات امیر المومنین علی نے شربت شہادت نوش فرمایا، اس رات معبود حقیقی کی عبادت [۲۱۲] کرتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو تجدید وضو کیا اور نماز ادا کی۔ نماز ہی کے دوران عبدالرحمٰن بن ملجم نے زہر آلود تلوار آپ کے سر پر اس طرح ماری کہ مغز تک شگاف پڑ گیا۔ سیر الاولیا کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ عبدالرحمٰن ملجم نے یہ کام حضرت معاویہ کے حکم سے انجام دیا اور اس باب میں کوشش کی۔ آپ کی وفات کے بارے میں اکثر ارباب تاریخ و سیر کا اختلاف ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ انیس رمضان سن چالیس ہجری

کو آپ کے سر مبارک کو زخمی کیا گیا اور اکیس رمضان کو آپ عالم بقا میں تشریف لے گئے۔ آپ نجف میں مدفون ہیں۔ آپ کی مدت خلافت چار سال نو ماہ اور عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔ آپ کی نو بیویاں تھیں لیکن حضرت فاطمہ کی حیات میں آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا حضرت فاطمہ نے سن گیارہ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی تمام ازواج سے اٹھارہ فرزند اور ایک دوسرے قول کے مطابق بارہ فرزند اور پندرہ صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ آپ کے پانچ فرزند صاحب اولاد تھے باقی فرزندوں سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ جو فرزند صاحبِ اولاد تھے ان کی تفصیل یہ ہے۔ امام حسن، امام حسین، محمد حنفیہ، عمرو اور عباس۔ امام حسن اور امام حسین حضرت فاطمہ کے بطن سے تھے۔ محمد حنفیہ بی بی اسماء کے بطن سے عمرو بی بی خولہ اور عباس ام البنین کے بطن سے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب، بن ہاشم بن عبدمناف، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ بنت وہب بن عبدمناف مذکور تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک [۲۱۳] توریت میں احمد، انجیل میں حامد، لوحِ محفوظ میں محمود و محمد تحریر کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ آپ کے اجداد کا سلسلۂ نسب حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے۔ روضتہ الاحباب اور دوسری کتب تواریخ میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بروز پیر ربیع الاوّل کے مہینے میں صبح صادق کے بعد اور طلوعِ آفتاب سے قبل ہوئی یہ سالِ فیل کی ابتدا اور کسریٰ یعنی نوشیرواں کی سلطنت کا زمانہ تھا۔ معارج النبوت[18] میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے چھ ہزار سات سو پچاس سال اور عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے چھ سو سال بعد ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو ماہ کے تھے کہ آپ کے والد عبداللہ کی وفات ہو گئی اور چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ بی بی آمنہ رحمت حق سے جا ملیں۔ ان کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی تربیت اور پرورش کی ذمہ داری ادا کی۔ جب آپ آٹھ سال کے تھے تو بعضے فرشتے اور مردانِ غیب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی اطاعت کا اقرار کیا۔ جب پچیس سال کے ہوئے تو بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا جب آپ کی عمر شریف تیس سال تھی تو اہلِ قریش نے متفقہ طور پر خانہ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کی جسے کفار نے منہدم کر دیا تھا۔ آپ نے

حجرِ اسود کو اپنے دست مبارک سے نصب فرمایا اور بہت جلد اس کام سے فارغ ہوئے۔ چالیس سال کی عمر میں آپ پر وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ جب اکتالیس سال کے ہوئے تو شرف نبوت سے مشرف ہوئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام [۲۱۴] اقرا باسم ربک الذی کی سورہ کے ساتھ غارِ حرا میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے، نازل ہوئے آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتایا، اس کے بعد جبریل علیہ السلام آگے بڑھے اور دو رکعت نماز ادا کرنی شروع کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیروی کی۔ سلام کے بعد جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا حضرت اب وضو اور نماز کی ترتیب جیسا کہ آپ کر چکے ہیں یہی ہوگی۔ (چنانچہ) آج تک اسی سنتِ قدیم کے مطابق مشائخ کرام کے گروہ میں یہ طریقہ رائج ہے کہ تلقین کے وقت شیخ کو چاہیے کہ وہ مرید کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے اور سنت کے مطابق وضو کی ترتیب سکھائے۔ نبوت کے دسویں سال بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابوطالب نے اس دارِفانی سے عالم بقا کی جانب رحلت کی۔ اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ بنت ربیعہ رضی اللہ عنہا کو اپنے نکاح میں قبول کیا اور اپنے خانۂ مبارک میں لائے۔ نبوت کے تیرہویں سال آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینۂ طیبہ ہجرت فرمائی۔ ہجرت کے گیارہویں سال دس ربیع الاول بروز پیر آپ نے اس مقام فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔ اس فن کے طالبین پر واضح ہو کہ اکثر اربابِ تاریخ و سیر نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات کے باب میں اختلاف کیا ہے، لیکن حضرت سلطان المشائخ نے شیخ فریدالدین گنج شکر کی زبانی راحت القلوب میں صحیح احادیث سے ثابت کیا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دوم ربیع الاول بروز پیر ہوئی اور بروز بدھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جہاں آپ کی روحِ پاک قبض ہوئی تھی دفن کیا گیا [۲۱۵] وفات کے وقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تریسٹھ سال تھی۔

اصل چار پیر اور چودہ خانوادوں کا اجمالی ذکر

پختہ اعتقاد رکھنے والے طالبوں پر واضح ہو کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے چار بزرگوں کو خرقۂ خلافت حاصل ہوا۔ حق تعالیٰ نے ان بزرگوں کو "چار پیر" کے نام سے مشہور کیا۔ (چار پیر یہ ہیں) پہلے امام حسن، دوسرے امام حسین، تیسرے خواجہ حسن بصری اور چوتھے خواجہ کمیل بن زیاد، لیکن بعض کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی کا خرقہ

صرف ایک بزرگ، خواجہ حسن بصری کو حاصل ہوا۔ بعض کتابوں میں یہ بھی تحریر ہے کہ خواجہ حسن بصری نے یہ خرقہ حضرت امام حسن بن علی کرم اللہ وجہہ سے پہنا۔ بہر صورت دونوں روایتیں قبول کی گئی ہیں۔ نفحات الانس کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ حضرت علی کا خرقہ دو بزرگوں یعنی خواجہ حسن بصری اور خواجہ کمیل بن زیاد کو حاصل ہوا۔ لطایف اشرفی، تذکرہ الاولیا اور اوراد غوثیہ کے مصنف اور دیگر مورخوں نے جن کے نام لکھنے کی گنجائش نہیں ہے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت علی سے چار بزرگوں کو خرقۂ خلافت حاصل ہوا۔ پہلے امام حسن، دوسرے امام حسین، تیسرے خواجہ حسن بصری اور چوتھے خواجہ کمیل بن زیاد رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

جان لیں کہ خواجہ حسن بصری کی ولایت عالم گیر تھی، کیوں کہ سارے عالم میں، اصل چودہ خانوادے ان کے مریدوں کے توسط سے ظہور میں آئے۔ چنانچہ پانچ خانوادے خواجہ عبدالواحد بن زید سے اور نو خانوادے حبیب عجمی سے وجود میں آئے اور یہ دونوں بزرگ خواجہ حسن بصری کے مرید تھے [۲۱۶] ان بنیادی چودہ خانوادوں کی تفصیل یہ ہے۔

اوّل خانوادہ زیدیاں ہے جو خواجہ عبدالواحد بن زید سے منسوب ہے جن کا ذکر اسی باب میں مشایخ چشت کے شجرے میں آچکا ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

دوسرے خانوادہ عیاضیاں ہے جو خواجہ فضیل بن عیاض سے پیوست ہے۔ خواجہ فضیل بن عیاض حضرت عبدالواحد بن زید کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا ذکر زیر نظر باب میں کیا جا چکا ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

تیسرا خانوادہ ادہمیاں ہے، جس کا الحاق حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم سے ہے۔ یہ خواجہ فضیل بن عیاض کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا ذکر بھی اسی باب میں ہو چکا ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

چوتھا خانوادہ ہبیریاں ہے جو حضرت خواجہ ہبیرہ بصری سے منسوب ہے۔ یہ حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی کے مرید و خلیفہ اور حذیفہ مرعشی خواجہ ابراہیم ادہم کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا اجمالی ذکر بھی اسی باب میں ہو چکا ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

پانچواں خانوادہ چشتیاں ہے جو خواجہ ممشاد علو دینوری تک پہنچتا ہے۔ یہ خواجہ ہبیرہ بصری کے مرید و خلیفہ تھے اور وہ خواجہ حذیفہ مرعشی کے مرید و خلیفہ تھے۔ خواجہ حذیفہ مرعشی خواجہ ابراہیم ادہم کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان میں سے ہر بزرگ کے حالات اور خاندان

چشتیہ کہلانے کی وجہ اسی باب میں مشایخ چشت کی تفصیل اور خواجہ ابواسحٰق شامی کے حالات کے ساتھ بیان کیے جا چکے ہیں۔ خواجہ ابواسحٰق شامی خواجہ ممشاد علو دینوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ اگر طالب چاہتا ہے تو مذکورہ مقامات کا مطالعہ کرے۔

چھٹا خانوادہ عجمیاں ہے۔ اس خانوادے کی ابتدا خواجہ حبیب عجمی سے ہوئی جو [۲۱۷] خواجہ حسن بصری کے خلیفہ اور خواجہ عبدالواحد بن زید کے ہم خرقہ تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

ساتواں خانوادہ طیفوریاں ہے۔ اس خانوادے کی ابتدا خواجہ بایزید بسطامی سے ہوئی چونکہ خواجہ مذکور (کا نام) طیفور تھا اس لیے یہ خانوادہ ان کے نام سے مشہور ہوا۔ خواجہ بایزید بسطامی خواجہ حبیب عجمی کے خلیفۂ ارشد تھے، انھوں نے امام (صادق) سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ رحمتہ اللہ علیہ

آٹھواں خانوادہ کرخیاں ہے۔ اس خانوادے کا ظہور خواجہ معروف کرخی کی ذات سے ہوا۔ خواجہ معروف کرخی خواجہ داؤد طائی کے مرید و خلیفہ تھے اور خواجہ داؤد طائی حضرت خواجہ حبیب عجمی کے مرید تھے۔ انھوں نے حضرت امام علی موسی رضا رضی اللہ عنہ سے بھی خرقۂ خلافت پایا تھا اور اس پر فخر کرتے تھے۔ اکثر مریدوں کو اس خلافت سے بھی مشرف فرماتے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

نواں خانوادہ سقطیان ہے۔ اس خانوادے کا وجود خواجہ سرّی سقطی کی ذات سے ظہور میں آیا۔ خواجہ سرّی سقطی خواجہ معروف کرخی کے مرید و خلیفہ تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

دسواں خانوادہ جنیدیاں ہے۔ اس خانوادے کی ابتدا خواجہ جنید بغدادی سے ہوئی۔ وہ خواجہ سرّی سقطی کے مرید و خلیفہ تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

گیارہواں خانوادہ گازرونیاں ہے۔ اس خانوادے کا ظہور خواجہ ابواسحٰق گازرونی سے ہوا، جو ابوعبداللہ خفیف کے مرید و خلیفہ تھے۔ ابوعبداللہ خفیف خواجہ محمد رویم کے اور محمد رویم خواجہ جنید بغدادی کے مرید تھے آخر تک۔ رحمتہ اللہ علیہم

بارہواں خانوادہ طوسیاں ہے، یہ خانوادہ شیخ علاء الدین طوسی [۲۱۸] سے منسوب ہے جو شیخ وجیہہ الدین ابوحفص کے مرید و خلیفہ تھے اور چار واسطوں سے خواجہ جنید بغدادی سے نسبت رکھتے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

تیرھواں خانوادہ سہروردیاں ہے۔ اس خانوادے کی ابتدا شیخ ضیا الدین ابونجیب سہروردی سے ہوئی یہ شیخ وجیہہ الدین ابوحفص کے مرید و خلیفہ تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

چودھواں خانوادہ فردوسیاں ہے۔ اس کا ظہور شیخ نجم الدّین کبریٰ سے ہوا ہے۔ جو فردوسیوں کے اکابر میں سے تھے اور شیخ ابو نجیب سہروردی [۱۹] کے مرید و خلیفہ تھے ابو نجیب سہروردی شیخ وجیہہ الدّین ابو حفص کے مرید و خلیفہ تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

چودہ اصلی خانوادوں کی چودہ شاخیں

پہلا خاندان قادریہ غوثیہ ہے۔ یہ خاندان حضرت غوث صمدانی سیّد محی الدّین عبدالقادر گیلانی سے منسوب ہے۔ قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔ آپ خواجہ ابوسعید مخزومی کے مرید و خلیفہ تھے۔ خواجہ ابوسعید مخزومی چند واسطوں سے حضرت خواجہ جنید بغدادی تک پہنچتے ہیں۔ پھر یہ سلسلہ آخر تک آگے جاتا ہے۔ (اس کے علاوہ) حضرت غوث صمدانی کو اپنے آبا و اجداد کے توسط سے ایک خرقۂ خلافت امام حسن مثنّٰی بن امام حسن بن حضرت علی سے بھی ملا ہے آپ اس طریق کی بہت زیادہ رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے سلسلے کے اکثر شجرے امام حسن بن علی پر منتہی ہوتے ہیں۔ سلسلۂ قادریہ کا ایک شجرہ امام حسین پر بھی ختم ہوتا ہے۔ چونکہ سلسلۂ قادریہ غوثیہ کے ہر شجرے کی تفصیل باعث طوالت ہوگی جس کی فی الحال گنجائش نہیں ہے اس لیے اختصار پر اکتفا کیا گیا۔

دوسرا خاندان یسویہ ہے۔ اس کا تعلق [۲۱۹] خواجہ احمد یسوی سے ہے۔ یسی ترکستان کے علاقے کا ایک قصبہ ہے۔ اہل ترکستان آپ کو اتا یسوی بھی کہتے ہیں۔ اتا ترکی زبان میں چاند کو کہتے ہیں۔ خواجہ احمد خواجہ یوسف ہمدانی کے مرید و خلیفہ تھے اور خواجہ یوسف ہمدانی چند واسطوں کے بعد خواجہ جنید بغدادی سے پیوست ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سلسلہ آخر تک آگے جاتا ہے۔ خواجہ احمد کا سلسلۂ نسب حضرت محمد حنفیہ بن حضرت علی پر ختم ہوتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

تیسرا خاندان نقشبندیہ ہے۔ جس کی ابتدا حضرت خواجہ بہاء الدّین نقشبند سے ہوئی۔ آپ سیّد علی کلال کے مرید و خلیفہ تھے اور سیّد علی کلال چند واسطوں سے خواجہ جنید بغدادی تک پہنچتے ہیں۔ پھر یہ سلسلہ آخر تک آگے جاتا ہے۔ نقشبندیہ کا ایک شجرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم ہوتا ہے۔

چوتھا خاندان نوریہ ہے۔ جو حضرت شیخ ابوالحسن نوری سے ظاہر ہوا۔ شیخ ابوالحسن نوری خواجہ سری سقطی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

پانچواں خاندان خضرویہ ہے۔ اس خاندان کی شہرت حضرت خواجہ احمد خضرویہ کی

ذات سے ہوئی خواجہ احمد خضرویہ خواجہ حاتم اصم کے مرید اور خلیفہ تھے اور خواجہ حاتم اصم چند واسطوں سے حضرت امام محمد باقر سے جاملتے ہیں۔ امام محمد باقر اپنے والد حضرت امام زین العابدین کے مرید و خلیفہ تھے اور وہ اپنے والد حضرت امام حسین کے مرید و خلیفہ تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

چھٹا خاندان شطاریہ ہے۔ ہندوستان میں اس خاندان کی ابتدا عبداللہ شطاری سے ہوئی۔ آپ شیخ محمد عارف کے مرید و خلیفہ تھے جو چند واسطوں سے خواجہ بایزید بسطامی تک پہنچتے ہیں۔ خواجہ بایزید بسطامی کا (روحانی) تعلق حضرت جعفر صادق سے تھا۔ پھر یہ سلسلہ آخر تک آگے جاتا ہے [۲۲۰] رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

ساتواں خاندان چشتیہ بخاریہ ہے۔ جو سادات چشت کے واسطے سے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ پر منتہی ہوتا ہے۔ لطائفِ اشرفی میں اس کی تفصیل اس طرح دی ہے۔

"حضرت علی علیہ السلام نے جو رسول علیہ السلام کے حقیقی خلیفہ تھے اپنی خلافت کا خرقہ اپنے فرزند امام حسین کو مرحمت فرمایا انھوں نے امام زین العابدین کو، انھوں نے امام محمد باقر کو، انھوں نے امام جعفر صادق کو، انھوں نے امام موسیٰ کاظم کو، انھوں نے امام موسیٰ رضا کو، انھوں نے امام محمد تقی کو، انھوں نے امام علی نقی کو، انھوں نے سیّد جعفر مرتضیٰ کو، انھوں نے سیّد علی اصغر کو، انھوں نے سیّد عبداللہ کو، انھوں نے سیّد احمد کو، انھوں نے سیّد محمود بخاری کو، انھوں نے سیّد جعفر بخاری کو، انھوں نے سیّد ابوالمزید بخاری کو، انھوں نے سیّد اعظم بخاری کو، انھوں نے سیّد احمد کبیر بخاری کو، انھوں نے سیّد جلال مخدوم جہانیاں بخاری قدس اسرارہم کو مرحمت فرمایا۔ سیّد جلال مخدوم جہانیاں کو ایک سو چالیس اور کچھ مشایخ کبار سے خرقۂ خلافت حاصل ہوا تھا۔ آپ نے حضرت سلطان المشایخ کے چار خلفا سے فیض حاصل کیا تھا اور آپ نے چاروں بزرگوں سے اجازت حاصل کی تھی لیکن (عملی طور پر) آپ نے تین خلافتوں کو روا رکھا۔ ایک شیخ نصیرالدین محمود کی خلافت، دوسری شیخ رکن الدین سہروردی کی خلافت اور تیسری موروثی خلافت چشتیہ بخاریہ[۲۱] جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی۔ مخدوم جہانیاں مادر زاد ولی تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

آٹھواں خاندان زاہدیہ ہے۔ اس خاندان کے سربراہ خواجہ بدرالدین زاہد ہیں۔ جو شیخ فخرالدین زاہد کے مرید و خلیفہ تھے [۲۲۱] شیخ فخر الدین زاہد چند واسطوں سے خواجہ جنید بغدادی تک پہنچتے ہیں۔

نواں خاندان انصاریہ ہے۔ اس کے بانی شیخ عبداللہ انصاری (ہروی) پیر ہرات ہیں۔ آپ خواجہ ابوالحسن خرقانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ باطنی طور پر آپ نے خواجہ بایزید بسطامی کی روح سے فیض حاصل کیا تھا۔ ظاہری طور پر شیخ ابوالعباس قصاب سے بھی آپ کو ارادت و خلافت حاصل تھی۔ شیخ ابوالعباس قصاب چند واسطوں سے خواجہ جنید بغدادی سے جاملتے ہیں۔ قدس سرہم

دسواں خاندان صفویہ ہے۔ اس کی ابتدا شیخ صفی الدّین اسحاق اردبیلی سے ہوئی۔ آپ شیخ زاہد ابراہیم گیلانی کے مرید، خلیفہ اور داماد تھے۔ شیخ زاہد گیلانی چند واسطوں سے شیخ ابوالنجیب سہروردی تک پہنچتے ہیں اور ابوالنجیب سہروردی بھی چند واسطوں سے خواجہ جنید بغدادی سے جاملتے ہیں۔ یہ سب اہل بیت [۲۲] (سے منسلک ہو جاتے ہیں) رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

گیارہواں خاندان عید روسیہ ہے۔ اس خاندان کی ابتدا سیّد عبداللہ عیدروسی سے ہوئی۔ آپ شیخ ابوبکر کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شیخ ابوبکر چند واسطوں سے خواجہ جنید بغدادی قدس سرّہ تک پہنچتے ہیں۔ سیّد عبداللہ عیدروسی سلسلۂ سہروردیہ سے بھی خلافت رکھتے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

بارہواں خاندان قلندریہ ہے۔ اس خاندان کے بانی شاہ حیدر قلندر شاہ حسین قلندر بلخی ہیں۔ ہر سلسلے کا جو شخص ابدال کے مرتبے پر پہنچتا ہے۔ اسے قلندر ہونے کا شرف بھی حاصل ہوتا ہے۔ جیسے کہ شمس الدّین تبریزی، مولوی رومی (حضرت جلال الدّین رومی) شیخ فخر الدّین عراقی، خواجہ حافظ شیرازی اور مسعود بک اپنے اپنے سلسلے کے قلندر تھے۔ اخبار الاخیار میں بیان کیا گیا ہے [۲۲۲] کہ ہندوستان میں قلندریہ مشرب شاہ خضر رومی کے سبب ظہور میں آیا، جو قلندرانہ لباس میں روم سے یہاں آئے تھے۔ وہ خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی کے مرید و خلیفہ تھے لیکن انھوں نے اپنی قلندرانہ وضع میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اس خانوادے کو چشتیہ قلندریہ بھی کہتے ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ

تیرہواں خاندان اویسیہ ہے۔ اس سلسلے کی پیدائش خواجہ اویس قرنی سے ہوئی۔ خواجہ نظام گنجوری وغیرہ اس سلسلے کے مشایخ کبار میں سے ہیں۔ جو شخص رسول علیہ السلام کی روح مطہر یا مشایخ کرام (کی ارواح مقدسہ) سے بلاواسطہ تربیت اور خلافت حاصل کرتا ہے اسے اویسی کہتے ہیں کیوں کہ اسے ظاہر میں کسی شیخ کی ضرورت نہیں ہے رسول علیہ السلام

کی روحِ پاک اپنے حجرۂ عنایت میں اس کی تربیت کرتی ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے خواجہ اویس قرنی کے موجود نہ ہونے کے باوجود مکہ مکرمہ سے قرن میں تربیت فرمائی۔ یہ مقام جسے حاصل ہو جائے وہ بہت مرتبے والا ہے۔

چودھواں خاندان مداریہ ہے۔ اس خاندان کی ابتدا حضرت بدیع الدّین مدار سے ہوئی۔

رسالہ ایمانِ محمودی میں جو بدیع الدّین مدار کے مرید شیخ محمود کی تصنیف ہے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت بدیع الدّین مدار بن ابواسحٰق سنانی موسیٰ علیہ السلام کی ملت میں ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ وہ خلیفہ سنانی کے شاگرد تھے۔ توریت، انجیل اور زبور کا درس دیتے تھے۔ انھیں مدار اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کے قطب مدار تھے۔ تمام عالم میں قطب مدار ایک ہی ہوتا ہے اور دنیا کا انتظام اس کے سپرد ہوتا ہے۔ اسے قطب عالم اور قطبِ اکبر بھی کہتے ہیں۔ اس کو ہدایت اور کمال [۲۲۳] امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی روح سے حاصل ہوتا ہے۔ بعض حضرات ان کی نسبت ارادت طیفور شامی سے بیان کرتے ہیں لیکن یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ طیفور شامی اور بدیع الدّین مدار کے زمانے میں بہت فرق ہے۔ ہو سکتا ہے روحانی تربیت حاصل ہوئی ہو۔ بہر صورت بدیع الدّین مدار، اویسی مشایخ کبار میں سے تھے اور خاندان مداریہ ان ہی سے ظہور میں آیا۔ مداریہ کو اویسیہ بھی کہتے ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ

حواشی مطلب پانزدہم

۱۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) میں یہ عبارت منقول ہے۔

"پوشیدہ نماند کہ تولد حضرت شیخ الشیوخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر در ۵۶۹ھ پانصد وشصت و نہ بود، و وفات حضرتِ ایشاں در شش صد و شصت و چہار بود۔ عمر حضرت ایشاں نود و پنج باشد، واللہ اعلم۔ ارادت آوردن حضرت گنج شکر بہ حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہما العزیز پانصدو ہشتاد وچہار بود، بعد ارادت آوردن ہشتاد سال در عقد حیات بود طیب اللہ مرقدہ و جعل حظیرہ القدس مثواہ۔ از حضرت سلطان المشایخ پرسیدند کہ عمر شریف حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ، العزیز چند سال بود فرمودند کہ نود و پنج سال۔" (ص ۱۰۱)

(ترجمہ) واضح ہو کہ حضرت شیخ الشیوخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر کی ولادت ۵۶۹ پانچ سو انہتر میں ہوئی اور حضرت کی وفات چھ سو چونسٹھ میں ہوئی۔ حضرت کی عمر پچانوے سال ہوئی اور اللہ بہتر جاننے والا ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین سے حضرت گنج شکر قدس سرہما العزیز سے بیعت ہونے کا سال پانچ سو چوراسی ہجری تھا۔ بیعت ہونے کے بعد حضرت گنج شکر طیب اللہ مرقدہ، وجعل حظیرہ القدس اسی سال زندہ رہے۔ حضرت سلطان المشایخ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز کی عمر شریف کتنی تھی۔ فرمایا پچانوے سال۔"

علامہ اخلاق حسین دہلوی نے (افسوس اب مرحوم ہو چکے ہیں) حضرت محبوب الٰہی میں اس عبارت کو الحاقی اور تحریفی قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں صص ۳۵ تا ۳۷ حاشیہ۔ فواید الفواد (فارسی) میں حضرت بابا صاحب قدس سرہ کی عمر شریف ترانوے سال بتائی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں جلد دوم مجلس ہشتم ص ۸۹

۲۔ مطلوب الطالبین کے زیر ترجمہ خطی نسخے میں غالباً سہو کتابت کے باعث حضرت گنج شکر قدس سرہ کا سال وفات "ستمائہ و ستین وثمان" (چھ سو اڑسٹھ) نقل ہو گیا ہے یہاں قاضی محمد بلاق مرحوم کی تحقیق کے مطابق "ستمائہ و ستین واربع" (چھ سو چونسٹھ) نقل ہونا چاہیے۔ احقر مترجم نے خطی نسخے کی نقل کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

۳۔ غالباً حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو برسنائے عقیدت "امیر المومنین" تحریر کیا ہے۔ واللہ اعلم

۴۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) میں ص ۵۸ پر ماہ رجب پانچ سو بائیس "اثنی و عشرین و خمسماۃ" نقل کیا گیا ہے پانچ سو بارہ درج نہیں ہے جیسا کہ مطلوب الطالبین میں تحریر کیا گیا ہے۔ یہ غلطی تو سہو کتابت کے باعث ہے لیکن سن پانچ سو بارہ ہو یا پانچ سو بائیس دونوں از روئے تحقیق درست نہیں ہیں۔ تفصیلی

بحث حاشیہ ۵ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۵۔ کہا گیا ہے کہ خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی قدس سرّہ بغداد میں ۵۱۲ھ یا ۵۲۲ھ میں، شیخ شہاب الدّین سہروردی شیخ اوحد الدّین کرمانی، شیخ برہان الدّین چشتی اور شیخ محمود اصفہانی کی موجودگی میں حضرت خواجہ معین الدّین چشتی قدس سرّہ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ یہاں شیخ برہان الدّین چشتی اور شیخ محمود اصفہانی کو چھوڑ کر دیگر بزرگوں کے سنین ولادت و وفات کا ایک نقشہ پیش کیا جاتا ہے، جس سے مترشح ہوتا ہے کہ ۵۱۲ یا ۵۲۲ھ میں بغداد میں ان بزرگوں کی یکجائی تو کجا ولادت بھی ظہور میں نہیں آئی تھی۔

خواجہ معین الدّین چشتی	ولادت ۵۳۷ھ یا ۵۳۱ھ	ملاحظہ فرمائیں طریقہ چشتیہ در ہند و پاکستان، ڈاکٹر غلام علی آریا، تہران ۱۳۶۵ ش ص ۸۴
	وفات ۶۳۳ھ	ایضاً ص ۹۴
شیخ شہاب الدّین سہروردی	ولادت ۵۳۹ھ	ملاحظہ فرمائیں دائرہ المعارف اسلامیہ جلد ۱۱ ص ۴۶۹
	وفات ۶۳۲ھ	ایضاً
شیخ اوحد الدّین کرمانی	ولادت (سال ولادت معلوم نہ ہو سکا)	
	وفات ۶۳۵ھ	ملاحظہ فرمائیں تاریخ تصوف در اسلام ڈاکٹر قاسم غنی جلد دوم چاپ دوم تہران ۱۳۴۰ ش ص ۵۰۲
	وفات ۶۳۴ھ	ملاحظہ فرمائیں سرچشمۂ تصوف در ایران پروفیسر نفیسی تہران ۱۳۴۳ ش ص ۲۰۵
خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی	ولادت ۵۸۲ھ	ملاحظہ فرمائیں طریقۂ چشتیہ در ہند و پاکستان ص ۱۰۴
	وفات ۶۳۳ھ	ملاحظہ فرمائیں کلمات الصادقین (فارسی متن) مصنفہ محمد صادق دہلوی مرتبہ ڈاکٹر محمد سلیم اختر اسلام آباد ۱۹۸۸ء ص ۱۲

آئندہ صفحات میں مطلوب الطالبین کے مصنف نے سیر الاولیا کی اس روایت کی کہ حضرت خواجہ قطب الدّین قدس سرّہ نے بغداد میں حضرت خواجہ معین الدّین چشتی قدس سرّہ سے ۵۱۲ھ میں بیعت کی اور ۶۳۳ھ میں آپ کا وصال ہوا، تنقیح کرنے کی کوشش کی ہے لیکن مسئلے کو منقح نہ کر سکے۔ بہرحال مذکورہ بالا سنین کے پیش نظر قیاس ہے کہ بیعت کا واقعہ (خواہ بغداد میں ہوا ہو یا کسی اور جگہ) ۶۰۰ھ یا ۶۰۲ھ کا ہو سکتا ہے جب خواجہ قطب الدّین قدس سرّہ کی عمر اٹھارہ یا بیس سال ہوگی۔

۶۔ سیر الاولیا میں پڑوسی بنیے سے قرض لینے کی یہ روایت دو واسطوں سے بیان کی گئی ہے۔ پہلے راوی بابا

فرید گنج شکر اور دوسرے راوی سلطان المشائخ قدس سرہما ہیں۔ روایت کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ ایک مسلمان بقال سے ضرورتاً قرض لیتے تھے اور اسے یہ کہہ رکھا تھا کہ کبھی تین سو درم سے زیادہ قرض نہ دینا۔ جب کہیں سے ہدایا آتے تو آپ بقال کا قرض ادا کر دیتے بعد میں آپ نے قرض لینا بند کر دیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کو ہر روز ایک نان مصلے کے نیچے سے مل جاتی تھی۔ اس روایت میں نہ پڑوسی کا نام شرف الدین بقال بیان کیا گیا ہے، نہ یہ منقول ہے کہ بقال کی بیوی نے خواجہ قطب الدین قدس سرہ کی اہلیہ محترمہ کو طعنے دیے اور نہ طاق سے کاک حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ مطلوب الطالبین میں یہ روایت تحریف کی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) نکتۂ اول صص ۵۸۔۵۹ (اردو ترجمہ) نکتۂ اول ص ۱۳۲

۷۔ یہ واقعہ سیر الاولیا میں مرقوم نہیں ہے۔ کسی دوسری کتاب میں منقول ہوگا۔ یہاں کاتب صاحب نے غالباً سہو کتابت کے باعث "سیر الاولیا کا حوالہ تحریر کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ذکر حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ صص ۵۵ تا ۵۸ (اردو ترجمہ) صص ۱۲۷ تا ۱۳۱

۸۔ از روئے تقویم ۶۳۲ھ میں چھ رجب کو اتوار کا دن نہ تھا بلکہ منگل کا دن تھا البتہ ۶۳۳ھ میں چھ رجب کو اتوار تھا ملاحظہ فرمائیں تقویم ہجری و عیسوی ص ۳۲ ان تاریخوں اور دنوں سے یہ متحقق ہوتا ہے کہ چودہ ربیع الاول ۶۳۳ھ میں حضرت خواجہ قطب الدین کا وصال ہوا اور ان کے بعد اتوار چھ رجب ۶۳۳ھ میں حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہ نے رحلت فرمائی۔

۹۔ گنج الاسرار یہ تذکرہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ گنج بخش، جلد دوم ص ۷۷۰ مرتبہ احمد منزوی۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص نے یہ تذکرہ تحریر کر کے حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ سے منسوب کر دیا ہے حضرت قدس سرہ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی۔ ملاحہ فرمائیں خیر المجالس (فارسی) مجلس یازدہم صص ۵۲۔۵۳

۱۰۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں یہ عبارت ہے۔

"وفاتش در غرۂ رجب المرجب سنہ تسع عشرین و خمسمائۃ یعنی در سال پانصد بست و ہفت واقع گردید"

غالباً عربی میں تحریر کردہ سن میں سہو کتابت ہے اس لیے فارسی میں مرقومہ سن کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

۱۱۔ ابی الحسن علی بن الحسین المسعودی متوفی ۳۴۶ھ کی تصنیف، مروج الذہب اور تذکرۃ الاولیا عطارؒ کے مطالعے سے قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ ممشاد نام کے دو بزرگ تھے۔ مسعودی نے جن ممشاد کا ذکر کیا ہے غالباً ان کا تعلق سلسلۂ چشتیہ سے ہے۔ انھیں ۳۱۹ھ میں ابن علان قزوینی کے حکم سے شہر دینور میں شہید کیا گیا۔ خواجہ فرید الدین عطارؒ نے جن ممشاد کا ذکر کیا ہے ان کی وفات ۲۹۹ھ میں طبعی طور پر ہوئی یہ سہروردیہ سلسلے کے بزرگ تھے۔ مسعودی نے مروج الذہب میں جو معلومات بہم پہنچائی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

"(سردار مرداویج نے) اپنے سپہ سالاروں میں سے ایک سپہ سالار ابن علان قزوینی

کو جس کا لقب خواجہ تھا، شہر دینور کی طرف بھیجا۔ ابن علان قزوینی کو تعظیماً خواجہ کہتے تھے کیوں کہ اہل خراسان جس شخص کو تعظیم دیتے ہیں اسے خواجہ کا لقب دیتے ہیں پس (ابن علان) تلوار لے کر (دینور میں) داخل ہوا، اور وہاں کے رہنے والوں کو قتل کیا۔ ایک قول کے مطابق پہلے دن سترہ ہزار اور دوسرے قول کے مطابق پچیس ہزار آدمی قتل کیے۔ اہل دینور کے صوفیہ اور زہاد میں ایک بزرگ تھے جنھیں ابن ممشاد کہتے تھے۔ وہ اپنی پناہ گاہ سے اپنے ہاتھ میں کھلا ہوا قرآن کریم لے کر نکلے اور ابن علان عرف خواجہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ اے سردار اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی تلوار ان مسلمانوں سے ہٹالو۔ ان کا نہ کوئی گناہ ہے اور نہ قصور ہے اور یہ (قرآن میں) نازل شدہ احکامات کے مستحق ہیں۔ پس ابن علان نے حکم دیا تو قرآن ان کے ہاتھ سے چھین کر ان کے منہ پر دے مارا پھر ان کے قتل کا حکم دیا اور اہل شہر کو قید کیا ان کا مال لوٹا، ان کا خون مباح کیا اور ان کی عورتیں جائز کر لیں۔"

ملاحظہ فرمائیں مروج الذہب، جلد چہارم مطبوعہ قاہرہ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء صص ۳۸۰-۳۸۱ نیز دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۹ ص ۵۷۵ عنوان دینور

دوسرے بزرگ خواجہ ممشادؒ کے بارے میں عطارؒ فرماتے ہیں

"پھر (ممشاد دینوری نے) فرمایا تیس سال سے میرے سامنے جنت پیش کی جاتی رہی لیکن میں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور تیس سال سے میں نے اپنے قلب کو گم کر دیا ہے لیکن آج تک اس کو پانے کی تمنا نہیں ہوئی کیوں کہ صدیقین کی یہی خواہش ہوا کرتی ہے کہ قلب کو ذات الٰہی میں فنا کر دیں یہ فرمانے کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔"

ملاحظہ فرمائیں تذکرۃ الاولیا مترجمہ مولانا زبیر افضل عثمانی طبع سوم کراچی ۱۹۷۵ء ص ۳۳۵ نیز تذکرۃ الاولیا (فارسی) جلد دوم اشاعتِ پنجم ۱۳۳۶ش تہران ص ۱۳۵

شاہ محمد ذوقی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مرتب کردہ شجرے میں اول الذکر بزرگ کا اسم گرامی "خواجہ ممشاد علی دینوری" تحریر کیا ہے اور چشتیہ سلسلے میں شامل کیا ہے۔ آپ کے جانشین خواجہ ابواسحٰق شامی تھے۔ ثانی الذکر کو سلسلۂ سہروردیہ میں شامل کیا ہے اور اسم گرامی "ممشاد علو دینوری" تحریر کیا ہے۔ آپ کے خلیفہ شیخ احمد دینوری تھے (شجرہ مطبوعہ علوی برقی پریس بھوپال، سال ندارد) اس سلسلے میں قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ مسعودی نے دینور میں شہید کیے جانے والے بزرگ کا نام "ابن ممشاد" تحریر کیا ہے۔ اس اطلاع سے قیاس اس طرف جاتا ہے کہ شاید ابن ممشاد تذکرۃ الاولیا میں مذکور خواجہ ممشاد دینوری متوفی ۲۹۹ھ کے فرزند ہوں اور دینور میں "ابن ممشاد" کے نام سے معروف ہوں۔ ۳۱۹ھ میں جب دینور پر باغی سردار مرداویج اور ابن علان قزوینی کا تصرف قائم ہوا تو ان کی شہادت واقع ہوئی۔ بعد

میں اولیائے کرام کے تذکروں کے خطی نسخوں میں سہو کتابت کے باعث خواجہ ممشاد دینوری اور ابن ممشاد دینوری کو "ممشاد دینوری" اور "علو ممشاد دینوری" نقل کیا گیا ہو، اسی طرح سلسلۂ چشتیہ اور سہروردیہ کے شجروں میں اسمی اشتراک کے باعث یہ اشتباہ پیدا ہوا کہ "ممشاد دینوری" ایک بزرگ تھے یا دو علاحدہ علاحدہ سلسلوں کے شیخ طریقت تھے۔

دوسرا قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ سلاسل کے شجروں میں حضرت جنید بغدادی قدس سرہ آگے پہنچنے کے لیے اہم واسطہ ہیں، لیکن سلسلۂ چشتیہ کے شجرے میں آپ قطعی طور پر واسطہ نہیں ہیں اس لیے سلسلۂ چشتیہ میں ممشاد دینوری نام کے جو بزرگ حضرت علی تک پہنچنے کا واسطہ ہیں وہ سوائے ممشاد (یا ابن ممشاد) شہید ۳۱۹ھ کے اور کوئی بزرگ نہیں ہوسکتے۔

قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلاسل کے شجروں کے لیے ملاحظہ فرمائیں شجرہ مرتبہ حضرت شاہ محمد ذوقی رحمتہ اللہ علیہ۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ تاریخی شواہد اور سلاسلِ تصوف کی روایات کی بناء پر استنباط کیا جاسکتا ہے کہ خواجہ ممشاد دینوری متوفی ۲۹۹ھ کا تعلق سہروردیہ سلسلے سے ہے اور ابن ممشاد دینوری شہید ۳۱۹ھ کا تعلق سلسلۂ چشتیہ سے ہے۔ یہ دونوں بزرگ باپ بیٹے تھے یا نہیں اس سلسلے میں حتمی طور پر کوئی رائے نہیں دی جاسکتی البتہ قیاس کی گنجائش ہے جس کا اظہار ان گزارشات کے دوران کیا جاچکا ہے۔

۱۲۔ حضرت خواجہ ہبیرہ بصری رحمتہ اللہ علیہ کا سال وصال ۲۸۷ھ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اسناد مرتبہ مرشدی مولانا ڈاکٹر غلام محمد قدس اللہ سرہ کراچی ۱۹۷۹ء ص ۵

۱۳۔ روضتہ الاحباب فی سیرت النبی والآل والاصحاب۔ عطاء اللہ بن فضل اللہ دشتکی، شیرازی، ہراتی متوفی ۹۲۰ تا ۹۳۹ھ کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ گنج بخش جلد چہارم ص ۱۹۷۰ مرتبہ احمد منزوی

۱۴۔ روضتہ الریاحین۔ اس کے مولف کا نام معلوم نہیں اور نہ سالِ تصنیف معلوم ہوسکا۔ اس رسالے میں بیان کیا گیا ہے کہ شیخ الاسلام قطب الانام شیخ عبداللہ یافعیؒ نے یہ رسالہ روض الریاحین فی حکایات الصالحین کے تکملہ کے طور پر تحریر کیا اور اس میں بہت سے علماء فقہا، محدثین اور مشائخ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ گنج بخش جلد دوم ص ۲۳۳۔ ۲۳۵ مرتبہ محمد حسین تسبیحی

۱۵۔ حضرت حذیفہ مرعشی کا سال وفات ۲۵۲ھ ہے ملاحظہ فرمائیں اسناد ص ۵

۱۶۔ الحدید، آیت ۱۶

۱۷۔ مطلوب الطالبین کے خطی نسخے میں یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

"چوں عمر شریف وے بپانزدہم رسید از ہمہ کس اول او بشرف اسلام مشرف شد و در سال دوم از ہجرت رسول علیہ السلام حضرت بی بی فاطمہ زہرا بعقدِ نکاح او، در داد۔ رجاد بنیاد خویشی درمیاں نہاد، اما در آں وقت کہ ایں واقعہ رو نمود، حضرت علی بیست و پنج سالہ و حضرت فاطمہ ہژدہ سالہ بود۔"

(ترجمہ) جب آپ کی عمر شریف پندرہ سال ہوئی تو لوگوں میں سب سے پہلے آپ اسلام لائے سن دو ہجری میں رسول علیہ السلام نے حضرت بی بی فاطمہ زہرا کو آپ کے عقد نکاح میں دیا اور قربت و یگانگی کی بنیاد رکھی۔ عقد نکاح کے وقت حضرت علی کی عمر پچیس سال اور حضرت فاطمہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

اس اقتباس میں مطلوب الطالبین کے مصنف نے حضرت علیؓ کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں اس کے اعتبار سے اسلام لانے کے وقت حضرت علی کی عمر زیادہ سے زیادہ گیارہ سال ہونی چاہیے۔ ۲ھ میں آپ کی عمر پچیس سال تھی تیرہ سال مکی زندگی کے ہوئے۔ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے فوراً بعد آپ نے اسلام قبول فرمایا تو اس وقت آپ کی عمر گیارہ سال ہو گی (۱۱+۱۳+۱=۲۵ سال) نقل روایت میں درایت کے اصول شامل نہ کرنے کے باعث اس نوعیت کے، اشتباہات پیدا ہوتے ہیں۔ بہرحال مطلوب الطالبین کی یہ روایت صرف اسی صورت میں درست قرار دی جاسکتی ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبوت کے پانچویں سال پندرہ سال کی عمر میں ایمان لائے۔ (۱۵+۹+۱=۲۵) یعنی مکہ مکرمہ میں قبل اسلام ۱۵ سال، مکہ مکرمہ میں بعد اسلام ۹ سال اور ہجرت کے بعد ایک سال کل ۲۵ سال۔ اس صورت میں یہ دعویٰ ترک کرنا پڑے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے پہلے ایمان لائے یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت آپ کی عمر تیس انتیس سال تھی۔ واللہ اعلم

۱۸۔ معارج النبوت ملا معین واعظ کاشفی الہروی م ۹۰۷ھ کی تصنیف ہے۔

۱۹۔ یہاں سہو کتابت کے باعث ابوالنجیب فردوسی تحریر کیا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔ یہاں ابوالنجیب سہروردی ہونا چاہیے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ ابوالنجیب سہروردی کے خلفائے کبار میں سے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم مصنفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کراچی ۱۹۷۹ء ص ۱۸۶ ترجمہ کے متن میں تصحیح کر دی گئی ہے۔

۲۰۔ یہاں بھی زیر ترجمہ مخطوطے میں ابوالنجیب فردوسی نقل ہوا ہے جو درست نہیں ہے۔ ترجمے کے متن میں تصحیح کر دی گئی ہے حاشیہ ۱۹ میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

۲۱۔ زیر ترجمہ مخطوطے میں "چشتیہ بخاریہ" سہو کتابت کے باعث نقل ہوا ہے۔ دراصل خانوادوں کی یہ شاخ "حسینیہ بخاریہ" ہے۔ لطائف اشرفی میں اس کا ذکر حضرت جہانگیر اشرف سمنانیؒ کے شجروں کے سلسلے میں آیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں لطائف اشرفی حصہ دوم مصنفہ نظام یمنی مترجمہ مشیر احمد کاکوروی لکھنوی، مطبوعہ کراچی سال اشاعت ندارد ص ۸۵

۲۲۔ زیر ترجمہ مخطوطے میں یہ عبارت نقل ہوئی ہے:

"و ابوالنجیب سہروردی می پیوندد بچند واسطہ بخواجہ جنید بغدادی و این ہمہ اہل بیت رحمتہ اللہ علیہم اجمعین"

چونکہ یہ عبارت واضح نہیں ہے اس لیے ابہام پیدا ہو گیا ہے۔ احقر مترجم نے ترجمے کے متن میں قوسین میں چند الفاظ کا اضافہ کر کے عبارت کو قابل فہم بنانے کی کوشش کی ہے۔ واللہ اعلم

مطلب شانزدہم

سلطان المشایخ کے صالح اقربا، ہدایت یافتہ خلفا اور بعض مریدوں کے مختصر حالات نیز راقم اوراق کے شجرے کی تفصیل کے بیان میں جو سلطان المشایخ پر ختم ہوتا ہے۔

سیر الاولیا کے اس نکتے میں جس میں بعض احادیث کی باریک باتوں کا ذکر ہے، بیان کیا گیا ہے کہ مولانا خواجہ محمد قدس سرّہ سلطان المشایخ کی ہمشیرہ بی بی جنت کے بیٹے اور سلطان المشایخ کے بھانجے تھے[1] سلطان المشایخ نے بیٹے کی طرح ان کی پرورش فرمائی۔ آخر میں وہ (دہلی سے) سیاحت کے لیے نکلے اور دوران سفر کسی نامعلوم مقام پر دنیا سے رحلت فرما گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

سیر الاولیا کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے بی بی جنت کے سلطان المشایخ کی کوئی اور بہن یا بھائی پیدا نہ ہوا تھا۔ بی بی مذکورہ کے بطن سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ جب بی بی جنت نے وفات پائی تو اپنی والدہ بی بی زلیخا کی قبر کے پہلو میں دروازۂ مندہ کے نزدیک مدفون ہوئیں۔ رحمتہ اللہ علیہم

خواجہ رفیع الدّین ہارون قدس سرّہ۔ آپ سلطان المشایخ کے بھانجے خواجہ محمد کے بیٹے تھے [۲۲۴] ۔ آپ تمام اقربا میں سلطان المشایخ کے محبوب ترین فرد تھے۔ سلطان المشایخ نے آپ کو اپنی گود میں بیٹوں کی طرح پرورش کیا اور آپ کی تربیت کی۔ حضرت قدس سرہ آپ کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتے تھے۔ اگر اتفاقاً خواجہ رفیع الدّین دسترخوان پر موجود نہ ہوتے تو سلطان المشایخ کھانا تناول نہ فرماتے۔ سلطان المشایخ نے اپنی حیات ہی میں اوقاف خانہ آپ کی تحویل میں دے دیا تھا۔ آپ نے اس کام کو نہایت دیانت اور امانت کے ساتھ سرانجام دیا کہتے ہیں کہ آپ سلطان المشایخ کے خاص مرید اور خلیفہ تھے[2] سلطان المشایخ کی وفات کے چند سال بعد آپ کا انتقال ہوا اور سلطان المشایخ کے روضے کے پائیں دفن کیے گئے۔ آپ کی تاریخ وفات نظر سے نہیں گزری[3]

خواجہ تقی الدّین نوح بن خواجہ محمد۔ آپ خواجہ رفیع الدّین ہارون قدس سرہ کے

چھوٹے بھائی اور سلطان المشائخ کے مرید و خلیفۂ خاص تھے۔ سلطان المشائخ نے فرزندوں جیسی محبت سے آپ کی پرورش و تربیت کی۔ آخر میں آپ کو جوانی میں تپِ دق کا مرض ہو گیا تھا۔ بہت سے علاج معالجے کیے لیکن رو بصحت نہ ہوئے اسی مرض میں سلطان المشائخ کی حیات میں آپ کی وفات ہوئی۔ سلطان المشائخ کے مزار کے سرہانے چبوترۂ یاراں کے سرے پر آپ کو دفن کیا گیا۔ رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ ابوبکر مصلی بردار قدس سرہ۔ آپ سلطان المشائخ کی قرابت اور ارادت کا شرف رکھتے تھے آپ کے ذمے سلطان المشائخ کی مصلے برداری کی خدمت تھی۔ آپ اپنے اوقات سلطان المشائخ کی خدمت میں صرف کرتے تھے۔ سماع میں سلطان المشائخ کا ساتھ دیتے اور عاشقوں کی مانند رقص کرتے تھے آپ کے ذوق اور جگر سوز نعروں سے حاضرینِ مجلس کو [۲۲۵] ذوق کامل حاصل ہوتا تھا اور مجلس میں آپ کے ذوق اور نعروں کی تاثیر محیط ہو جاتی تھی، یہ برکت سلطان المشائخ کی موافقت کی وجہ سے تھی کیوں کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ سماع کے وقت تم رقص میں میرے نزدیک رہ کر موافقت کیا کرو چنانچہ ابوبکر مصلے بردار اس حکم کی پابجائی کرتے تھے۔ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد آپ چند سال تک حضرت قدس سرہ کے روضے میں سکونت پذیر رہے۔ بعض مریدوں نے سلطان المشائخ کے وصال کے بعد سرکاری وظیفے اور جاگیریں قبول کر لیں لیکن آپ ان چیزوں سے لاتعلق رہے اور سلطان المشائخ کی برکت سے اپنے متعلقین کے ساتھ بہت اچھی طرح زندگی بسر کی۔ جب آپ کی عمر شریف پوری ہو گئی تو سلطان المشائخ کے روضے کی پائنتی مدفون ہوئے۔

گلزار ابرار[۴] میں بیان کیا گیا ہے کہ خواجہ ابوبکر مصلی بردار شیخ نظام الدین قدس سرہ کے قرابت دار، عزت و کرم کے خزینہ دار اور ذوق و شوق کی کان تھے۔ آپ کے سماع کے وقت خانقاہ کے در و دیوار ہل جاتے اور حاضرین کے نعرے آسمان تک پہنچ جاتے تھے۔ آپ نے توکل اور بے نیازی کے دائرے سے ہرگز قدم باہر نہ نکالا اور کبھی امیروں کے آستانوں پر نہیں گئے۔ اپنے متعلقین کے ساتھ بہت اچھی زندگی بسر کی۔ آپ کی قبر روضۂ نظامیہ کی پائنتی میں ہے۔

مجمع الاولیا[۵] سے منقول ہے کہ خواجہ ابوبکر مصلی بردار اہل توکل کا خلاصہ، پرہیزگاروں کے سردار، اہلِ ذوق کے سربراہ، اہلِ شوق کا سرچشمہ اور مدارِ عالم کی جلوہ گاہ تھے۔ آپ نظام الدین اولیا کے اقربا میں سے تھے اور حضرت قدس سرہ کی مصلی برداری کی خدمت انجام

دیتے تھے۔ ذوق و شوق، عشق و محبت اور سخاوت و بخشش کے حامل تھے سماع و وجد کو بے حد پسند کرتے تھے۔ آپ کے سماع کے وقت خانقاہ کے در و دیوار ہلنے لگتے، آپ کے ذوق کی تاثیر حاضرین مجلس میں سرایت کر جاتی تھی [۲۲۶] اور ان کے نعرے آسمان تک پہنچ جاتے۔ توکل اور بے نیازی کے درجہ کمال پر فائز تھے۔ فقر و فاقے سے ہرگز قدم باہر نہ نکالا۔ اہل دولت کے آستانوں پر کبھی جبہ سائی نہیں کی۔ ساری زندگی اپنے متعلقین کے ساتھ عمدگی سے بسر کی۔ آپ کی قبر روضۂ نظامیہ کی پائینتی کی جانب ہے۔

خواجہ عزیز الدین قدس سرہ بن خواجہ ابوبکر مصلی بردار۔ سلطان المشایخ کی قرابت داری سے مشرف تھے۔ یہ یگانۂ روزگار بزرگ سلطان المشایخ کے وصال کے بعد جادۂ طریقت پر قائم رہے۔ آپ نے سلطان المشایخ کے چند ملفوظات ایک کتاب میں جمع کیے تھے اور ان کا نام مجموع الفواید رکھا۔ اس (کے دیباچے) میں خود کو عبدالعزیز بن ابوبکر خواہر زادۂ سلطان المشایخ تحریر کیا ہے۔ چھوٹی عمر سے بڑھاپے تک آپ کی کسی فرض نماز کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ آپ سلطان المشایخ کے جماعت خانے میں پانچوں وقت نماز کی امامت کرتے تھے اور لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔ جو کچھ غیب سے حاصل ہوتا اسے آنے جانے والوں پر خرچ کرتے۔ آپ کی کوئی مقررہ آمدنی نہ تھی نہ کسی کے ہاں جاتے تھے تاہم اپنے متعلقین کے ساتھ آسودگی سے زندگی بسر کی۔ ایک مرتبہ خواجہ مبشر کے فرزند نور الدین آپ کو سلطان المشایخ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا، مخدوم خواجہ عزیز آپ کے مرید ہیں؟

حضرت نے فرمایا ہاں یہ میرے مرید ہیں اور خلیفہ ہیں[۶]۔ رحمتہ اللہ علیہ

اگرچہ سیر الاولیا کے مصنف اور دیگر حضرات نے (اپنی تصانیف میں) خواجہ ابوبکر مصلی بردار اور ان کی فرزند خواجہ عزیز الدین کو سلطان المشایخ کے قرابت داروں میں شمار کیا ہے لیکن قرابت داری کی نوعیت کا تعین نہیں کیا ہے خواجہ عزیز الدین ابوبکر مصلی بردار نے اپنی تصنیف مجموع الفواید میں اپنے آپ کو سلطان المشایخ کا خواہر زادہ تحریر کیا ہے اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ خواجہ ابوبکر کو [۲۲۷] جو ان کے والد تھے سلطان المشایخ کی ہمشیرہ کی کسی اولاد سے دامادی کی نسبت حاصل تھی۔ قدس سرہ

سیر الاولیا کے مصنف نے سلطان المشایخ کے مندرجہ ذیل خلفائے راشدین کے حالات تحریر کیے ہیں۔

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی بن شیخ یحییٰ اودھی قدس سرہ۔ آپ

حضرت سلطان المشائخ کے مرید اور خلیفۂ اعظم ہیں۔ فردوسیہ قدسیہ کے مصنف نے آپ کا سلسلۂ نسب امیرالمومنین حسین بن علی مرتضیٰ پر منتہی کیا ہے۔

چشتیہ بہشتیہ سے منقول ہے کہ ایک دن چند سیاح درویش سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت قدس سرہ نے (ان کے لیے) مجلس منعقد کی۔ اس دوران میں شیخ نصیرالدین کسی کام سے مجلس میں حاضر ہوئے اور کھڑے رہے۔ سلطان المشائخ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ آپ نے عرض کی کہ درویشوں کی طرف پیٹھ ہو جائے گی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا چراغ کا منہ اور پیٹھ نہیں ہوتی بیٹھ جاؤ۔ آپ آداب بجالا کر بیٹھ گئے۔ اس وقت سے آپ کے لیے آگا پیچھا یکساں ہو گیا یعنی جس طرح آپ سامنے کی چیز دیکھتے اسی طرح پس پشت چیز کو بھی دیکھ لیتے تھے۔ اس روز سے آپ کو چراغ دہلی کہتے ہیں۔ سیر العارفین سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے گئے۔ وہاں انھیں امام یافعی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت میسر ہوئی۔ انھوں نے مخدوم جہانیاں سے کہا، اس سے پیشتر دہلی میں بہت سے بزرگ تھے لیکن فی زمانہ نصیرالدین محمود نے دہلی میں چراغ روشن کیا۔ اس روز سے آپ چراغِ دہلی کے نام سے مشہور ہوئے۔

مراد المریدین میں بیان کیا گیا ہے ایک مرتبہ سلطان المشائخ کے عرس کی رات بادشاہِ وقت نے حسد کی بنا پر بازار میں تیل کی فروخت پر پابندی عاید کر دی شیخ نصیرالدین نے اُس شب (تیل کے بجائے) پانی سے چراغاں کیا اس روز سے آپ کا خطاب چراغ دہلی [۲۲۸] ہو گیا۔ سیر العارفین سے منقول ہے کہ شیخ نصیرالدین کے دادا جنھیں شیخ عبدالطلب یزدی کہتے تھے خراسان سے ہجرت کر کے لاہور آئے اور وہاں کی سکونت اختیار کی۔ لاہور میں ان کے ایک فرزند شیخ یحییٰ نام کے پیدا ہوئے۔ جب شیخ یحییٰ ذرا بڑے ہوئے تو لاہور سے نکلے اور اودھ کو اپنا وطن بنالیا۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے ان کے ہاں شیخ نصیرالدین محمود کو پیدا فرمایا۔

جب شیخ نصیرالدین نو سال کے تھے تو آپ کے والد شیخ یحییٰ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی والدہ نے آپ کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری پوری کی۔ جب آپ کی عمر بیس سال ہوئی تو آپ ظاہری علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔ آپ ایک درویش کے پاس آنے جانے لگے جو اس علاقے کے ایک ویرانے میں قیام پذیر تھے۔ (اس زمانے میں) آپ سنبھالو اور کریل پر گزارا کرتے تھے اور دنیا کی اچھائی برائی سے بے تعلق ہو گئے تھے۔ تینتالیس سال کی عمر میں دہلی آئے اور سلطان المشائخ کی ارادت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ ایک مدت تک

شیخ کی خدمت میں رہے۔ مراۃ الاسرار سے منقول ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود سلطان المشایخ کے دس خلفا میں، جو عشرۂ مبشرہ کے مانند تھے۔ امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ ظاہر و باطن میں سلطان المشایخ کی پیروی کے سوا آپ کے دل میں کوئی خیال پیدا نہ ہوتا تھا جب سلطان المشایخ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو آپ ان کی جگہ مسند ارشاد پر بیٹھے اور بتیس سال تک سجادۂ شیخ کا حق ادا کیا اور کسی غیر کے دروازے پر نہیں گئے۔ مراۃ الاسرار میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سلطان محمد بن تغلق نے ٹھٹھے کی جانب کوچ کیا، دہلی کے مشایخ اور اکابر کی ایک جماعت کو جبراً اپنے ساتھ لیا اور شیخ نصیرالدین کو بھی زحمت دی آپ نے انتہائی تحمل اور بردباری سے کام لیتے ہوئے بادشاہ کے حکم کی [۲۲۹] تعمیل کی اور فرمایا کہ اس سفر میں مجھے ساتھ لے جانا بادشاہ کو راس نہ آئے گا اور وہ صحیح سلامت واپس نہ ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جب ٹھٹھہ چودہ کوس رہ گیا تو بادشاہ کی وفات ہو گئی۔ اس کی جگہ فیروز شاہ نے شیخ نصیرالدین محمود کے ایما سے سلطنت کے کام انجام دیے۔ سلطان فیروز شاہ نے سلطان محمد تغلق کے برعکس رعایا کو عدل و انصاف سے آباد و دلشاد"۔۔۔۔۔ رکھا۔

سیر العارفین سے منقول ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود "ایک دن ظہر کی نماز کے بعد جماعت خانے میں اپنے خاص حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت کا کوئی دربان نہ تھا۔ ان کے خاص خادم (ان کے بھانجے) شیخ زین الدین علی تھے وہ بھی خلوت کے وقت کبھی حاضر ہوتے کبھی نہ ہوتے۔ خاص مشغولی کے وقت ایک ناپاک قلندر تراب نامی حضرت (چراغ دہلیؒ) کی خلوت میں داخل ہو گیا۔ چھری اس کے پاس تھی وہ اس نے نکالی" اور آپ کے جسم مبارک پر گیارہ کاری زخم لگائے چنانچہ خون حجرے کی نالی سے بہنے لگا اور آپ اس قدر استغراق میں تھے کہ نظر اٹھا کر بھی قاتل کی طرف نہیں دیکھا تاہم (نالی سے بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر) مریدین حجرے میں داخل ہوئے اور قلندر کو پکڑ لیا۔ اسے قتل کرنا چاہتے تھے لیکن شیخ نصیرالدین محمود نے قلندر کو سونے کے بیس تنکے عنایت فرمائے اور رخصت کر دیا اور فرمایا کہ اگر مجھے زخم لگانے میں تیرے ہاتھ کو آزار پہنچا ہے تو معاف کر دینا اور پھر کبھی یہاں نہ آنا کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص تجھے آزار پہنچائے اور اسے میری خوشنودی خیال کرے۔ مراۃ الاسرار سے منقول ہے کہ جب شیخ نصیرالدین محمود کی وفات کا وقت قریب پہنچا تو آپ نے اپنے بھانجوں، شیخ زین الدین اور شیخ کمال الدین کو طلب کیا اور انھیں وصیت کی کہ جب مجھے قبر میں رکھ دیں تو میرے شیخ کا خرقہ میرے سینے پر ڈال

دیں، لکڑی کے پیالے کو اینٹ کی بجائے میرے سر کے نیچے رکھ دیں، تسبیح کو میری انگلی میں لپیٹ دیں، نعلین اور عصا کو میرے پہلو میں رکھ دیں۔ آپ کے انتقال کے بعد دونوں نے آپ کی وصیت پر عمل کیا۔ حضرت شیخ نصیر الدّین محمود کی وفات شب جمعہ اٹھارہ رمضان سن سات سو ستاون ہجری میں [۲۳۰] فیروز شاہ کے عہد حکومت میں ہوئی۔ اپنے حجرۂ خاص میں مدفون ہوئے آپ کے پیروں کی خاک مخلوقِ خدا کی زیارت گاہ ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ شمس الدّین محمد بن یحییٰ قدس سرہ۔ سیر الاولیا کے مصنف نے سلطان المشایخ کے دس خلفا میں آپ کا ذکر بہ حیثیت سر حلقہ کے کیا ہے۔ سیر الاولیا میں آپ سے متعلق بہت سی حکایتیں اور آپ کے بہت سے کمالات بیان کیے گئے ہیں یہاں ان کے اعادے کی گنجائش نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ آپ صوری و معنوی کمالات سے آراستہ اور ظاہری و باطنی علوم سے پیراستہ تھے۔ سلطان المشایخ کی پیروی میں آپ بھی اہل و عیال کی جھنجھٹ سے دور رہے (یعنی نکاح نہیں کیا) مخلوق سے بے نیاز ہو کر اپنے اوقات شریفہ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں بسر کیے جب اس دنیا سے رحلت کی تو سلطان المشایخ کے روضے کے قریب اپنے دوست اور ہم سبق مولانا علاء الدّین کی قبر کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ قطب الدّین منور قدس سرہ بن شیخ برہان الدّین بن شیخ جمال الدّین ہانسوی۔ آپ سلطان المشایخ کے دس خلفا کے زمرے میں تیسرے خلیفہ ہیں۔ ابتدائے حال سے انتہائے کمال تک سلطان المشایخ کی نظرِ تربیت میں رہے اور طرح طرح کی نوازشیں آپ کے حال پر ہوتی رہیں۔ حضرت قدس سرہ کی محبت میں آپ کا یہ حال تھا کہ جب آپ سلطان المشایخ کا نام سنتے تو آپ پر گریہ طاری ہو جاتا۔ بیت:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

(ترجمہ) جذبۂ عشق نہ صرف محبوب کے دیدار ہی سے پیدا ہوتا ہے
بلکہ اکثر محبوب سے متعلق باتوں سے بھی جذبۂ عشق متحرک ہو جاتا ہے

الغرض جب آپ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹے نور الدّین کو اپنا جانشین مقرر کیا اور خود عالم بقا کی جانب کوچ کر گئے۔ اپنے دادا شیخ جمال الدّین ہانسوی کے گنبد میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ حسام الدین ملتانی قدس سرہ۔ آپ سلطان المشائخ کے دس خلفا کے زمرے میں چوتھے خلیفہ ہیں۔ [۲۳۱] سلطان المشائخ نے اپنی رحمت کے سائے میں آپ کی تربیت کی۔ جب سلطان المشائخ کا وصال ہوا تو آپ کسی سبب سے گجرات چلے گئے۔ وہیں آپ کی وفات ہوئی۔ گجرات کے شہر پٹن میں مدفون ہوئے۔ اس علاقے میں آپ کا مزار مخلوق خدا کی زیارت گاہ ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ فخر الدین زرادی قدس سرہ۔ آپ سلطان المشائخ کے دس خلفا کے زمرے میں پانچویں خلیفہ ہیں۔ سلطان المشائخ کی پیروی میں عشق و سماع کے گرویدہ تھے۔ خلوت میں رہنا پسند تھا۔ مخلوق سے بے تعلق ہو کر یادِالٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ اہل و عیال کی زندگی سے کنارہ کش رہے۔ تمام عمر نکاح نہ کیا۔ ایک مرتبہ آپ حج کے لیے مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے۔ حج ادا کر کے واپس ہوئے راستے میں جہاز کو طوفان نے گھیر لیا آخر جہاز کے ساتھ آپ پانی میں ڈوب گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ علاء الدین نیلی قدس سرہ۔ آپ سلطان المشائخ کے دس خلفا میں چھٹے خلیفہ تھے۔ تمام زندگی سلطان المشائخ کی محبت میں بسر کی۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو سلطان المشائخ کے حظیرے میں دوسرے مریدوں کے قریب مدفون ہوئے۔

شیخ برہان الدین غریب قدس سرہ۔ آپ سلطان المشائخ کے دس خلفا کے زمرے میں ساتویں خلیفہ تھے۔ سلطان المشائخ کے تمام خلفا میں آپ نے سب سے پہلے حضرت قدس سرہ سے بیعت کی تھی۔ اپنے شیخ کا حد درجے ادب کرتے تھے حتی کہ آپ نے کبھی اپنے شیخ کی جانب پشت نہیں کی۔ اگر بے وضو ہوتے تو غیاث پور سے جو سلطان المشائخ کی قیام گاہ اور مدفن ہے باہر رہتے، وضو کر کے موضع میں داخل ہوتے۔ بزرگی اور اقبال کے باوجود عاجزی اور انکساری سے پیش آتے اور خود کو کمترین خلائق خیال کرتے تھے۔ چنانچہ سید محمد کرمانی نے جو سلطان المشائخ کے ہم خرقہ [۸] تھے آپ کی تعریف میں کہا ہے

غریب ست ایں محبِ حق بہ دنیا

حبیب اللہ فی الدنیا غریب

(ترجمہ) حق تعالیٰ سے محبت کرنے والا یہ شخص دنیا میں پردیسی ہے (واقعی) دنیا میں اللہ کا دوست اجنبی ہوتا ہے۔

الغرض آپ [۲۳۲] سلطان المشایخ کے وصال کے بعد چند سال زندہ رہے اور لوگوں کو تلقین وہدایت فرماتے رہے آخر میں آپ دیوگیر عرف دولت آباد تشریف لے گئے اور اپنی جان دوست کے سپرد کی۔ آپ کی وفات بارہ ماہ صفر سن سات سو بتیس ہجری میں ہوئی اور دیوگیر میں مدفون ہوئے۔ شہر برہان پور آپ کے نام پر آباد کیا گیا۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ وجیہ الدین یوسف ثانی قدس سرہ۔ بعض حضرات آپ کو جائے قیام کی نسبت سے شیخ وجیہہ الدین یوسف کلاکھری اور بعض پیری وال بھی کہتے ہیں۔ آپ سلطان المشایخ کے آٹھویں خلیفہ ہیں۔ آپ کو سلطان المشایخ سے عجب طرح کا عشق اور محبت و الفت تھی۔ ایک مرتبہ آپ سرائے دہاری سے جو دہلی سے چھ کوس پر ہے سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چلے۔ چند قدم چلنے کے بعد آپ کے دل میں خیال گزرا کہ شیخ کی خدمت میں سر کے بل جانا چاہیے۔ آپ سر کے بل چلنے لگے۔ تیسرے قدم پر آپ سلطان المشایخ کے آستانے پر پہنچ گئے اور قدم بوسی سے مشرف ہوئے ایک مرتبہ (حق تعالیٰ نے) آپ کو حسنِ عقیدت کی بنا پر چندیری سے سلطان المشایخ کی خدمت میں اڑا کر پہنچایا یہ تمام حالات سیر الاولیا میں منقول ہیں۔ یہاں ان کے اعادے کی گنجائش نہیں ہے۔ چندیری میں آپ کا مزار مبارک مخلوق کی زیارت گاہ ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ شہاب الدین امام قدس سرہ۔ آپ بھی سلطان المشایخ کے خلفا میں سے ہیں۔ آپ سلطان المشایخ کی امامت کرتے تھے اور اپنی خوش الحانی سے حضرت قدس سرہ کے دل کو لبھاتے تھے۔ سلطان المشایخ آپ پر شفقت فرماتے اور (گاہے بگاہے) لباس بھی عنایت فرماتے تھے جیسا کہ سیر الاولیا میں بیان کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ [۲۳۳] سلطان المشایخ کی وفات کے بعد طویل عرصے تک زندہ رہے اور دہلی میں لوگوں کو داخل بیعت کرتے تھے جب آپ کا وصال ہوا تو اپنے گھر کے قریب مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ آپ کی پاک طینت اولاد جدید دہلی میں قلعے کی شہر پناہ کی دیوار کے نیچے آج تک سکونت پذیر ہے اور اپنے بزرگوں کے طور طریقوں پر سختی سے عمل پیرا ہے۔ حق تعالیٰ انھیں زیادہ سے زیادہ ریاضت کی توفیق عطا فرمائے اور مقصود دلی تک پہنچائے۔

شیخ سراج الدین عثمان قدس سرہ۔ آپ سلطان المشایخ کے دسویں خلیفہ ہیں۔ آپ کو اخی سراج بھی کہتے ہیں۔ سلطان المشایخ نے آپ کو "آئینۂ ہند" کا لقب عطا فرمایا تھا۔ آپ یقیناً آئینۂ ہند تھے کیوں کہ آپ کی ذات سے تمام ہندوستان میں ارشاد و ہدایت کی

رونق میں اضافہ ہوا اور معرفت و ولایت کے طریقے کو عروج حاصل ہوا اگرچہ سلطان المشایخ کے تمام خلفا بلند مقامات کے حامل تھے لیکن ان سب میں شیخ نصیر الدین محمود جو "چراغ دہلی" اور شیخ سراج الدین عثمان جو "آئینۂ ہند" ہیں دوسرا ہی ذوق رکھتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے توسط سے بہت سے سالک تکمیل و ارشاد کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ چونکہ یہ دونوں ازلی سعادت سے بہرہ مند بزرگ سلطان المشایخ کے خلفا میں عالی مرتبہ تھے اس لیے ان اوراق کے لکھنے والے نے سلطان المشایخ کے خلفا کے ذکر کی ابتدا نصیر الدین محمود سے کی اور اس کا اختتام شیخ سراج الدین عثمان کے مختصر حالات بیان کرنے پر کیا۔ اس کے علاوہ شیخ سراج الدین عثمان کے حالات کے ذیل میں اپنے شجرے کو، جو شیخ سراج الدین عثمان پر منتہی ہوتا ہے۔ تفصیل سے تحریر کر دیا ہے۔ اس کے بعد سلطان المشایخ کے مریدوں میں ہر ایک کے مختصر حالات درج کیے ہیں۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ جب سلطان المشایخ اپنے پیر شیخ فرید الدین گنج شکر سے خلافت کی نعمت [۲۳۴] لے کر شہر دہلی واپس ہوئے تو ان لوگوں میں جو حضرت قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے سب سے پہلے شیخ سراج الدین عثمان نے آپ سے بیعت کی اور چونکہ خلوص نیت کے ساتھ سلطان المشایخ سے تعلق قائم کیا تھا اس لیے خلافت کے شرف سے بھی مشرف ہوئے۔ سلطان المشایخ نے آپ کو "آئینۂ ہند" کا خطاب مرحمت فرمایا جب سلطان المشایخ کا وصال ہوا تو آپ تین سال تک حضرت قدس سرہ کے روضے میں مقیم رہے اور درس و تدریس میں مشغول رہے پھر اس زمانے میں جب سلطان محمد تغلق بن غیاث الدین تغلق نے دہلی کے بزرگوں پر دستِ ظلم دراز کیا اور سب کو دہلی سے دیوگیر جانے پر مجبور کر دیا تو آپ خوش بختی کے ساتھ اپنے وطن لکھنوتی چلے آئے۔ چند کتابیں اور سلطان المشایخ کے عنایت کردہ کپڑے اپنے پاس رکھے۔ ان کے دیدار سے اپنے جمال جہاں آرا کو منور کرتے تھے۔ جب آپؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے سلطان المشایخ کے پہنے ہوئے کپڑوں کو لکھنوتی میں ایک جگہ دفن کرا دیا۔ وفات کے بعد آپ کو اُن دفن کردہ کپڑوں کی پائینتی میں دفن کیا گیا۔ رحمتہ اللہ علیہ

پختہ اعتقاد اور یقین رکھنے والے طالبین پر واضح ہو چونکہ ان اوراق کے تحریر کرنے والے کا شجرہ شیخ سراج الدین عثمان پر منتہی ہوتا ہے اس لیے مشایخ شجرہ میں سے ہر بزرگ کا مختصر حال یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ ان اوراق کو تحریر کرنے والا، فقیر حقیر محمد بلاق، ارشاد پناہ، ہدایت دستگاہ، حضرت مخدوم شاہ خوب اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کا مرید و خلیفہ ہے۔ جب حضرت مخدوم بلخ و بخارا کی سیاحت کرنے اور وہاں کے اقطاب و اولیا سے فیض حاصل کرنے کے بعد شہر دہلی تشریف لائے تو اس ناتواں کے والد کے حجرۂ شریف میں [۲۳۵] جو سلطان المشائخ کے روضے کے قریب ہے قیام فرمایا۔ اگرچہ یہ فقیر اس وقت کم عمر تھا، تاہم اس نے حضرت مخدوم کے لیے استنجے کے ڈھیلے رکھنے اور آپ کی جوتیاں سیدھی کرنے کی خدمت سرانجام دی۔ جب حضرت مخدوم دو سال کے بعد وہاں سے اٹھ کر حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ میں جو موضع غیاث پور میں دریا کنارے واقع ہے قیام پذیر ہوئے تو وہاں بھی اس فقیر نے حضرت مخدوم، جن کی مسند فیض بخش ہے خدمت انجام دی۔ حضرت مخدوم چالیس سال تک سلطان المشائخ کی خانقاہ میں سکونت پذیر رہے۔ حضرت مخدوم نے اس راحت بخش مقام پر ہر سال مشائخ چشتیہ عالیہ اور قادریہ غوثیہ کی بہت سی مجالسِ عرس منعقد کیں۔ ان تمام مجلسوں میں انواع اقسام کے کھانے اور حلوہ جات پکوائے گئے، کثیر مقدار میں عطر استعمال کیا گیا، قوالوں، صوفیوں اور فقیروں کو روپے انعام دیے گئے۔ چنانچہ فقیروں اور امیروں میں سے جو بھی ان مجلسوں میں حاضر تھا اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ دنیا میں اہلِ سلوک اور سلاطین میں سے کسی نے ایسی پُر رونق مجالس ترتیب نہیں دیں اور نہ آئندہ کوئی ترتیب دے سکے گا۔ بے شک و شبہ شاہانِ وقت ان مجلسوں کی رونق کا حال سن کر رشک و حسد اور پیچ و تاب میں مبتلا ہوئے۔

حضرت مخدوم کو اس قدر زیادہ ظاہری اور باطنی تصرفات حاصل تھے کہ گروہ صوفیہ میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوئے الغرض جب حضرت مخدوم کی عمر شریف چوراسی سال اور اس ناتواں کی عمر پچاس سال تھی تو اس فقیر نے کامل یقین کے ساتھ آپ سے بیعت کی۔ اسی سال حضرت مخدوم نے اس ذرّہ بے مثقال کو "کمال الحق والدین" کے خطاب سے مخاطب فرمایا اور اپنی خلافت عطا فرمائی اور اپنا جانشین مقرر کیا [۲۳۶] اور خود اپنے وطن قدیم تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں کو ہدایت بخشی۔

حضرت مخدوم شاہ خوب اللہ اپنے والد شاہ احمد اسد اللہ کے مرید اور خلیفۂ اعظم تھے۔ اگرچہ حضرت مخدوم کی کرامت اور بزرگی کا ذکر تحریر اور تقریر کے احاطے سے باہر ہے، نیز اس مختصر رسالے میں بیان کرنے کی گنجایش نہیں ہے تاہم دو تین واقعات تبرکاً تحریر کیے

جاتے ہیں تاکہ طالبین کو اس سے منفعت حاصل ہو۔

منقول ہے کہ ایک روز حضرت مخدوم زوال [۹] کے وقت، حضرت سلطان المشائخ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے تشریف لائے۔ چاہتے تھے کہ قدم بوسی کریں (یکایک) دروازے کا پردہ جو خلوت کے لیے ڈالا گیا تھا کسی کے ہاتھ لگائے بغیر از خود بلند ہو گیا۔ حضرت مخدوم نے یہ حال دیکھا تو حقائق آگاہ میر امیر اللہ کو جو آپ کے عالی مرتبہ خلفا میں سے تھے اشارہ کیا۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے پردے کو (دکھاوے کے طور پر) تھامے رکھا تاکہ حضرت مخدوم کی یہ کرامت مخفی رہے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ محبوب مرغوب خواجہ محمد مطلوب کو، جو ان اوراق کو تحریر کرنے والے کے مرید ہیں موتی جھارے (ٹائیفائڈ) کا بخار ہو گیا۔ وہ اس بخار کی تکلیف سے ہلاکت کے قریب پہنچ گئے چنانچہ ایک ماہ تک ایک دانہ بھی منہ میں نہ گیا نیز قبض کے سبب دوا بھی نہ کھائی جا سکی۔ تمام طبیبوں نے ان کی دوا اور علاج سے ہاتھ اٹھا لیا بندے نے جب یہ صورتحال دیکھی تو حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بے چینی اور پریشانی ظاہر کی حضرت مخدوم اس وقت بیر تناول فرما رہے تھے اور اپنے موجود اور غائب مریدوں کو تقسیم کر رہے تھے۔ بندے کو بھی چالیس اور کچھ دانے عنایت فرمائے۔ بندہ اس عنایت پر تسلیمات بجالایا [۲۳۷] اور چاہا کہ کھانا شروع کر دے حضرت مخدوم نے فرمایا کہ ایک بیر اپنے اس دوست کے لیے جو بیمار ہے بچا لینا اور اسے کھلانا کہ اس کی صحت اس ایک بیر کے کھانے پر منحصر ہے۔ بندے نے عرض کی اگر دعا گو یہ تمام دانے لے جائے اور مریض کو کھلائے تو کیسا رہے گا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ یہی ہوگا کہ (مریض) جلد شفایاب ہوگا۔ آپ کی اس بشارت سے بندے کے دل کو خوشی ہوئی اور اس یار جانی کے جینے کی آس دل میں پیدا ہوئی۔ چنانچہ بندے نے تمام بیر سمیٹے اور خواجہ مجید مطلوب کے پاس آیا اور تمام واقعہ بیان کیا۔ اگرچہ بیر کے دانے ترش اور صحت کے لیے مضر تھے لیکن خواجہ مطلوب نے اعتقاد اور یقین کے ساتھ تمام بیر کھا لیے۔ حق تعالیٰ نے اسے فوراً شفائے کامل عطا فرمائی۔ مختصر یہ کہ حضرت مخدوم کی کرامات اور آپ کے تصرفات کے واقعات بہت زیادہ ہیں یہاں اس سے زیادہ بیان کرنے کی گنجایش نہیں ہے۔ نور اللہ قلبہ بنور معرفتک و سلمہ بکرمک (اللہ تعالیٰ اپنے نورِ معرفت سے ان کے قلب کو منور فرمائے اور اپنے کرم سے انھیں سلامت رکھے)

حضرت شاہ احمد اسد اللہ قدس سرہ۔ آپ حضرت شیخ بہاء الدین شاہ آبادی کے مرید اور خلیفہ اکبر ہیں آپ کا نسبی سلسلہ حضرت خواجہ مودود چشتی قدس سرہ تک پہنچتا ہے اور خواجہ چشت کا سلسلہ امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔
حضرت شاہ احمد اسد اللہ ابتدا میں صاحب مال و منال، منصب دار اور اپنے زمانے کے امرا میں سے تھے۔ رات دن عیش میں گزارتے اور شراب میں مدہوش رہتے۔ ایک رات آپ نے رسول علیہ السلام کو خواب میں دیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بیٹے اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس کام کے لیے جو تم کر رہے ہو پیدا نہیں فرمایا۔ تم میرے ہاتھ پر توبہ کرو۔ (پھر) خواب ہی میں آپ کو شیخ بہاء الدین کا چہرہ مبارک دکھایا اور فرمایا کہ اپنے آپ کو اس درویش کے پلے سے باندھ لو جو تمھاری تربیت کرے گا [۲۳۸] اور تم کو مراتب عالی تک پہنچائے گا۔ تم اس درویش کے کامل خلفا میں شامل ہو گے۔ الغرض جب آپ خواب سے بیدار ہوئے تو جو کچھ (مال و اسباب) آپ کے گھر میں تھا سب درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد گھر سے باہر آ گئے اور اپنے مرشد شیخ بہاء الدین کی تلاش میں چل کھڑے ہوئے۔ شہر بہ شہر، قریہ بہ قریہ جستجو میں لگے رہے جب شاہ آباد کے قریب جو مضافات کرنال میں ہے پہنچے تو آپ نے محسوس کیا کہ بوئے دوست آ رہی ہے۔ فوراً قصبے میں آئے اور شیخ بہاء الدین کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی۔ آپ نے پہچان لیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جن کا حلیہ خواب میں دکھایا گیا تھا، چنانچہ اسی روز آپ نے شیخ سے بیعت کی چونکہ آپ کی ذات میں کامل استعداد کا جوہر تھا۔ شیخ بہاء الدین نے صرف چند روز آپ کی تربیت کی اور مرتبۂ کمال تک پہنچا دیا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا نیز شہر کڑہ (الہ آباد) کی ولایت آپ کے سپرد کی۔ اپنے چاروں فرزندوں کو آپ کا مرید کرایا۔ الغرض آپ اپنے وطن کڑہ واپس آ گئے اور وہاں کے لوگوں کو ہدایت دینے لگے۔ آپ نے یکم ذالحجہ کو اس عالم سے سفر کیا اور شہر مذکور میں دریائے گنگا کے کنارے مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ
شیخ بہاء الدین شاہ آبادی قدس سرہ۔ آپ حضرت شاہ نجم الحق والدین عرف چاہن لدھا کے مرید و خلیفہ تھے اگرچہ آپ عام لوگوں جیسے تھے لیکن آپ کا پاکیزہ سینہ حق تعالیٰ کے عطا کردہ علوم (علوم لدنی) سے لبریز تھا۔ آپ کے مرشد شاہ نجم الحق نے جب آپ کو قصبہ شاہ آباد بھیجا تو بہت کم عرصے میں آپ کی کرامات اور آپ کے تصرفات کی وہاں شہرت ہو گئی خلقت ایک دم آپ کے آستانے پر ٹوٹ پڑی اور مرید ہو گئی۔ یہ مقبولیت دیکھ کر

اس علاقے کے علماء آپ سے [۲۳۹] حسد کرنے لگے اور باہمی مشورے سے طے کیا چونکہ شیخ ظاہری علوم میں دستگاہ نہیں رکھتے اس لیے وہاں چل کر مختلف علوم سے چند مسئلے ان سے دریافت کریں اور انھیں شرمندہ کریں۔ نیز جس طرح دوسرے لوگ آپ کی تعظیم کرتے ہیں ہم نہیں کریں گے۔ جب وہ علما آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے جمال باکمال کو دیکھتے ہی تعظیم بجالائے اور اپنی پیشانیاں زمین پر رکھ دیں شیخ نے خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ آپ حضرات کس غرض سے فقیر کے پاس آئے ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم کو مختلف علوم میں کچھ مشکلات ہیں، شیخ انھیں حل فرمادیں، ورنہ ہمارا شہر چھوڑ دیں کہ علما کے شہر میں ایسے جاہل شخص کی مشیخت کی ضرورت نہیں ہے۔ شیخ کی غیرت ولایت جوش میں آگئی اپنے حجرے میں چلے گئے اسے اندر سے بند کر دیا اور فرمایا حقیقی جاہلو، جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو۔ علما نے آپ سے مختلف سوالات کیے آپ نے ہر سوال کا شافی اور واضح جواب دیا۔ وہ لوگ شرمندہ ہو کر واپس چلے گئے۔ شیخ بہاء الدین کی کرامات اور خرق عادت واقعات کی حد و انتہا نہیں ہے۔ آپ کی وفات یکم شعبان کو ہوئی اور قصبہ شاہ آباد میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شاہ نجم الحق والدین چاین لدھا قدس سرہ۔ آپ شیخ عبدالعزیز کُشکی [۱] کے مرید اور خلیفہ ہیں شیخ عبدالعزیز نے آپ کے بارے میں بارہا فرمایا کہ حق تعالیٰ نے شیخ لدھا کو عالم گیر ولایت عطا فرمائی ہے اور اپنی معرفت کا دروازہ ان پر کھول دیا ہے۔ اس سے زیادہ آپ کی کیا بزرگی ہوگی کہ آپ کے پیر نے آپ کے بارے میں اتنی عظیم بات فرمائی۔ جب شاہ عبدالعزیز کا وصال ہو گیا تو آپ دہلی سے چلے آئے اور قصبہ شہنہ میں سکونت پذیر ہوئے جو دہلی کے قریب ہے اور یادِ حق میں مشغول ہو گئے اور ایک مدت تک وہاں رہے [۲۴۰] آپ کی وفات انیس محرم الحرام کو ہوئی اور پرگنہ شہنہ میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شاہ عبدالعزیز کُشکی قدس سرہ۔ آپ شیخ حسن طاہر کے چھوٹے فرزند، شاہ خیالی کے بھائی اور قاضی خاں یوسف ناصحی کے مرید اور خلیفۂ خاص ہیں۔ قاضی خاں نے آپ کو جمال الحق کا خطاب دیا تھا اور آپ کے مرید ہونے پر فخر کرتے تھے۔ آپ کی ولادت پرگنہ جونپور میں ہوئی۔ جب بلوغت کی عمر کو پہنچے تو اپنے والد کے حکم سے قاضی خاں کے مرید ہوئے، جوان کے خلفا میں سے تھے۔ اپنے شیخ کے ایما پر جونپور سے دہلی آگئے۔ ستر سال تک اس شہر کے لوگوں کی رہنمائی فرمائی۔ چھ جمادی الثانی کو اس دنیا سے سفر کیا اور شہر دہلی کے

نزدیک اپنی خانقاہ کے صحن میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

قاضی خاں یوسف ناصحی قدس سرہ۔ آپ شیخ حسن طاہر کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کی ولادت ظفر آباد میں ہوئی اور ظفر آباد ہی میں سکونت پذیر رہے۔ ماہِ صفر کی پندرہ تاریخ کو رحلت فرمائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ حسن طاہر قدس سرہ۔ آپ سید راجی حامد کے مرید و خلیفہ اور جونپور کے مشایخ میں سے ہیں۔ سلطان سکندر کے عہد سلطنت میں بزرگانِ دہلی کی زیارت کے لیے دہلی تشریف لائے اور بجے منڈل کے محل میں جہاں آج تک آپ کی اور آپ کی اکثر اولاد کی قبریں موجود ہیں، قیام فرمایا۔ اسی جگہ چوبیس ربیع الاوّل کو عالم بقامیں تشریف لے گئے اور اسی نواح میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

سیّد راجی حامد شاہ قدس سرہ۔ آپ مخدوم شیخ حسام الدّین کے مرید و خلیفہ ہیں [۲۴۱]۔ شیخ حسام الدین نماز جمعہ سے فارغ ہو کر گھر لوٹ رہے تھے کہ انھوں نے سیّد راجی حامد شاہ کو جن کی عمر اس وقت سولہ سال تھی اور نہایت خوبرو تھے، اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا ہوا دیکھا۔ بے اختیار آپ کے جمال پر فریفتہ ہو گئے، حیرت اور مدہوشی کے عالم میں اپنی خانقاہ میں آئے۔ جب سیّد راجی حامد شاہ کے والد نے یہ خبر سنی تو خوش دل ہوئے اور بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر شیخ حسام الدّین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو شیخ کے سپرد کر دیا۔ شیخ کا دل خوش ہوا اور آپ کی تربیت میں اس حد تک سعی کی کہ چند ہی دنوں میں آپ کو عارف کامل بنا دیا اور اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ الغرض آپ نے ماہِ شعبان کی پچیسویں تاریخ کو اس جہان سے رحلت فرمائی اور اپنے شیخ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مخدوم شیخ حسام الدّین مانک پوری قدس سرہ۔ آپ شیخ نور قطب عالم کے مرید و خلیفہ ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد آپ قطبیت کی مسند پر بیٹھے اور مدتوں مخلوق خدا کی رہنمائی فرمائی۔ شیخ نور قطب عالم کے فرزند اور جانشین نے اپنے والد کے حکم کی تعمیل میں آپ کے ہاتھ سے خرقۂ خلافت پہنا اور آپ کے معتقد ہوئے (چنانچہ) آج تک شیخ نور قطب عالم کی اولاد شیخ حسام کی اولاد سے خرقہ حاصل کرتی اور ان کے مخلصین میں شامل ہوتی ہے۔ شیخ حسام الدین کی کرامات اس قدر زیادہ ہیں کہ انھیں تحریر یا تقریر میں لانا ممکن نہیں ہے۔ الغرض آپ نے پندرہ رمضان کو وفات پائی چونکہ مانک پور آپ کا وطن قدیم تھا وہیں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ نور قطب عالم قدس سرّہ العزیز۔ آپ اپنے والد شیخ علاء الحق الدّین بنگالی کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اگرچہ شیخ علاء الحق کے بہت سے فرزند تھے اور اپنے والد کی خدمت بھی بجا لاتے تھے لیکن وہ نور قطب عالم کو سب سے زیادہ چاہتے تھے [۲۴۲] اور اپنے سے جدا نہ کرتے تھے۔ انھوں نے جان و دل سے آپ کی تربیت فرما کر مرتبۂ کمال تک پہنچایا اور اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کیا۔ مدتوں تک مخلوق خدا کی رہنمائی فرمائی۔ دس ذی قعدہ کو اس عالم فانی سے سرائے جاودانی کی طرف سفر کیا۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ علاء الحق والدّین بنگالی قدس سرّہ۔ آپ شیخ سراج الدّین عثمان کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ کے والد عمر بن اسعد لاہوری فرمانروائے بنگال کے وزیر تھے اور انتہائی دانائی کے ساتھ ملک کا انتظام چلاتے تھے۔ بقول مصنف لطایفِ اشرفی، شیخ علاء الحق والدّین) کا سلسلۂ نسب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ کے القاب شیخ علاء الدّین گنج نبات اور شیخ علاء الدّین شل ہیں۔ یہ حکایت تو مشہور ہی ہے کہ آپ نے شیخ اخی سراج کے مرید ہونے سے پہلے غرور علم کے غلبے اور دنیاوی مرتبے کے باعث اپنا لقب گنج نبات رکھ لیا تھا۔ جب حضرت سلطان المشایخ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو آپ کی غیرت جوش میں آئی اور فرمایا کہ میرے شیخ "گنج شکر" اور "گنج نبات" عجب نہیں کہ اس کی زبان شل ہو جائے۔ سلطان المشایخ کا یہ فرمانا تھا کہ شیخ علاء الدّین کی زبان شل ہو گئی" ایک مدت کے بعد جب آپ اخی سراج کے مریدوں کے سلسلے میں شامل ہوئے تو آپ کو شفا حاصل ہوئی۔ آپ کی وفات یکم رجب المرجب کو واقع ہوئی۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ سراج الدّین عثمان کے مختصر حالات۔ اس سے قبل سلطان المشایخ کے خلفا کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ طالب اُس جگہ آپ کے احوال کا مطالعہ کرے۔ اب میں پھر اصل موضوع کی طرف آتا ہوں جو سلطان المشایخ کے راسخ مریدین کے مختصر احوال پر مشتمل ہے۔ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین

پختہ اعتقاد اور یقین رکھنے والے طالبین پر [۲۴۳] واضح ہو کہ حضرت سلطان المشایخ کے ہر ایک مرید کے فضایل، کرامت، احوال اور تصرفات، سیر الاولیا کے مصنف نے اپنی تصنیف میں تفصیل سے علاحدہ علاحدہ بیان کر دیے ہیں۔ ان اوراق کے تحریر کرنے والے نے طے کیا ہے کہ سلطان المشایخ کے اُن خاص مریدوں کے اجمالی حالات اس رسالے

میں تحریر کرے جو حضرت قدس سرہ کی ارادت اور قرابت کے شرف سے مشرف تھے، تاکہ یہ رسالہ اس فائدے سے خالی نہ رہے۔

خواجہ ابوبکر مندہ قدس اللہ سرہ۔ آپ سلطان المشایخ کے پاک اعتقاد مریدوں میں سے ہیں۔ آپ دیگر مریدوں سے پہلے سلطان المشایخ کے مرید ہوئے۔ جب سلطان المشایخ، شیخ فریدالدین گنج شکر سے خلافت حاصل کر کے شہر دہلی واپس لوٹے، خواجہ ابوبکر مندہ نے دلیل طلب کی، پھر نہ جانے کیا دیکھا کہ اسی وقت مرید ہو گئے۔ آپ کے تمام حالات سیرالاولیا میں مذکور ہیں۔ اگر طالب معلوم کرنا چاہتے ہیں تو مذکورہ کتاب میں مطالعہ کریں۔ الغرض جب آپ کا انتقال ہوا تو سلطان المشایخ کے خطیرے میں یاروں کے چبوترے کے درمیان مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

قاضی محی الدین کاشانی قدس سرہ۔ سلطان المشایخ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ سلطان المشایخ کی نظر میں آپ کی بہت عزت و حرمت تھی۔ جب آپ سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت قدس سرہ آپ کے لیے کھڑے ہو جاتے اور مسرت و دلداری کا اظہار فرماتے تھے۔ سلطان المشایخ کے اعلیٰ مریدوں میں سے کسی کو یہ قدر و منزلت حاصل نہ تھی جو آپ کو حاصل تھی۔ سیرالاولیا سے منقول ہے کہ جب قاضی محی الدین کاشانی نے سلطان المشایخ سے بیعت کی تو ایک دم دنیاوی تعلقات سے دست بردار ہو گئے اور وظایف کا پروانہ جو عالموں کا سرمایہ ہوتا ہے سلطان المشایخ کی خدمت میں پارہ پارہ کر دیا اور فقر و فاقے کی راہ [۲۴۴] اور سخت مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔ سلطان المشایخ نے جب آپ کی استعداد دیکھی تو آپ کو اپنی خلافت سے نوازا اور اپنا جانشین مقرر کیا۔ الغرض جب قاضی صاحب کے بچوں پر جنھوں نے ناز و نعمت کے ساتھ پرورش پائی تھی فقر و فاقے کی حالت گزری تو قاضی صاحب کے معتقدوں میں ایک شخص نے آپ کے کہے بغیر سلطان علاء الدین کی خدمت میں آپ کا حال بیان کیا۔ اس نے حکم دیا کہ اودھ کی قضات [۱۲] جو قاضی صاحب کی موروثی ہے وہ اور چند گاؤں ان کے سپرد کیے جائیں۔ جب قاضی صاحب کو یہ خبر ملی تو آپ کانپ گئے اور دوڑے ہوئے سلطان المشایخ کی خدمت میں پہنچے اور سارا ماجرا عرض کیا کہ بادشاہ نے بغیر میری درخواست کے یہ حکم دیا ہے لیکن مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ سلطان المشایخ یہ بات سن کر آزردہ ہوئے اور فرمایا پہلے تمھارے دل میں اس کی خواہش پیدا ہوئی ہوگی۔ تب سلطان نے اودھ کی قضات کا کام تمھارے سپرد کیا۔ بیان کرتے

ہیں کہ وہ خلافت نامہ جو سلطان المشایخ نے آپ کو عطا کیا تھا آپ سے واپس لے لیا اور ایک گوشے میں ڈال دیا۔ سلطان المشایخ آپ سے ایک سال تک رنجیدہ رہے۔ جب رنجش دور ہوئی تو آپ سے خوش ہو گئے اور خلافت نامہ آپ کو واپس کر دیا آپ نے (اس عنایت پر) تجدید بیعت کی۔ سلطان المشایخ کی حیات میں آپ کی وفات ہوئی اور حظیرے میں دفن کیے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حضرت امیر خسرو دہلوی قدس سرہ۔ سلطان المشایخ کے پاک اعتقاد مرید اور محرم راز تھے۔ خلوت و جلوت میں حضرت قدس سرہ کی صحبت میں رہتے تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود اودھی، شیخ برہان الدین غریب جیسے حضرات آپ سے محبت کرتے تھے۔ علما آپ کے گرویدہ تھے۔ سیر الاولیا سے منقول ہے کہ جس دن امیر خسرو کی ولادت ہوئی، آپ کے والد امیر سیف الدین جو ترک لاچین تھے [۲۴۵] آپ کو کپڑے میں لپیٹ کر ایک صاحب نعمت مجذوب کے پاس لے گئے جو ان کے ہمسائے میں رہتا تھا۔ اس مجذوب نے کہا تم ایک ایسے بچے کو لائے ہو جو خاقانی سے قدم آگے بڑھ جائے گا۔ آپ کی ولادت قصبہ مومن آباد عرف پٹیالی میں جو دریائے گنگا کے کنارے آباد ہے ہوئی لیکن پرورش دہلی میں ہوئی سیر العارفین کے مصنف کے بقول جب آپ آٹھ سال کے ہوئے تو اپنے والد کے توسط سے سلطان المشایخ کے مرید ہوئے۔ جب بڑے ہوئے تو سلاطین کی نگاہ میں عزت و حرمت حاصل کی اور ان کے محرم راز ہوئے۔ آپ نے ان میں سے کسی سے کہا تھا[۱۲] کہ کہتے ہیں۔

کر بخدمت سلطاں بہ بندو صوفی باش

سلطان کی نوکری بھی کر، اور صوفی کی زندگی بھی بسر کر

اسی سے آپ کے کمالات کا اندازہ کرنا چاہیے کہ تمام تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ سلطان المشایخ کے پاک اعتقاد، دو مرید تھے ایک شیخ نصیر الدین محمود اودھی، دوسرے امیر خسرو دہلوی۔ آپ سارے عالم میں عقلی اور نقلی علوم میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے چنانچہ آپ کے فضایل آپ کی تصانیف سے عیاں ہیں۔ آپ علم موسیقی میں بھی یکتائے روزگار تھے، کیوں کہ عالم میں آج تک اس فن کے جو اصول ہیں وہ آپ ہی نے ترتیب دیے ہیں۔ فن قوالی کے موجد بھی آپ ہی ہیں۔ سلطان المشایخ آپ کی اہلیت اور قابلیت کو بہ نظر تحسین دیکھتے تھے۔ اکثر آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ میں اپنے آپ سے تنگ آجاتا ہوں لیکن خسرو سے تنگ نہیں ہوتا۔ سلطان المشایخ تمام معاملات میں آپ سے مشورہ کرتے تھے۔ وہ جب

چاہتے، سلطان المشائخ کی خدمت میں جاسکتے تھے خلوت و جلوت میں ساتھ ہوتے جو شعر کہتے پہلے سلطان المشائخ کی خدمت میں پیش کرتے۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت قدس سرہٗ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا اور سلطان المشائخ کو سنایا۔ حضرت قدس سرہٗ کو پسند آیا، فرمایا خسرو جو چاہتے ہو طلب کرو آپ نے شیریں کلامی کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا اگر شیریں سخنی کی خواہش ہے تو شکر سے بھرا ہوا یہ طشت جو [۲۴۶] میری چارپائی کے نیچے ہے اپنے اوپر سے نچھاور کرو اور اس میں سے تھوڑی سی کھاؤ تاکہ تمھارے کلام میں شیرینی پیدا ہو جائے۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی اس روز سے آپ کے کلام میں ایسی مٹھاس پیدا ہوئی کہ تمام عالم کو اپنا گرویدہ کر لیا سیر الاولیا سے منقول ہے کہ امیر خسرو کے اوقاتِ اوراد وظایف منقسم (اور مقرر) تھے۔ ہر شب نمازِ تہجد کے بعد قرآن مجید کے سات پارے تلاوت کرتے تھے اور آخرِ شب تک جاگتے رہتے تھے۔ ایک بار سلطان المشائخ نے آپ سے دریافت کیا اے ترک تمھارا کیا حال ہے۔ عرض کیا مخدوم کے صدقے میں رات کا وقت ہاتھ سے جانے نہیں دیتا فرمایا الحمد للہ تمھارا کام خوش انجامی تک پہنچ گیا۔ سیر الاولیا سے منقول ہے ایک مرتبہ سلطان المشائخ نے امیر خسرو سے فرمایا اے ترک اگر دو شخصوں کا ایک قبر میں دفن کرنا جائز ہوتا تو تم کو میری قبر میں دفن کیا جاتا لیکن تم میرے قریب اور قیامت تک میری نظر کے سامنے رہو گے۔ سلطان المشائخ اکثر اپنا یہ شعر امیر خسرو کے لیے پڑھتے اور مہربانی فرماتے تھے۔ بیت

گر برائے ترکِ تُرکم آرہ بر تارک نہند
ترکِ تارک گیرم و ہر گز نہ گیرم ترکِ تُرک

(ترجمہ) اگر تُرک (امیر خسرو) سے جدا ہونے کے لیے میرے سر پر آرہ چلائیں تو میں اپنے سر سے جدا ہونا قبول کر لوں گا لیکن تُرک کو ہرگز ہرگز ترک نہیں کروں گا۔

یہ رباعی بھی سلطان المشائخ کی تخلیق ہے جسے حضرت قدس سرہٗ اکثر دہراتے تھے

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خواست — ملکیتِ ملک سخن خسرو راست
ایں خسرو ماست خسرو ناصر نیست — زیرا کہ خدائے ناصرِ خسرو ماست

(ترجمہ) نظم و نثر (کی دنیا) میں خسرو کی مثل بہت کم لوگ پیدا

ہوئے، بے شک ملک سخن کی جاگیر خسرو ہی کی ہے، یہ ہمارا خسرو
ہے ناصر کا خسرو نہیں ہے کیوں کہ حق تعالیٰ ہمارے خسرو کا مددگار ہے

ایک مرتبہ مراقبے میں سلطان المشائخ کو غیب سے کہا گیا کہ خسرو درویشوں کا نام نہیں ہے۔ اب سے اسے "محمد کاسہ لیس" کے نام سے پکارو۔ حضرت قدس سرہ نے اس روز سے "محمد کاسہ لیس" کا خطاب آپ کو بخشا، اور آپ کو اسی نام سے یاد کرتے تھے۔ سلطان المشائخ اپنے باطنی احوال آپ سے پوشیدہ نہ رکھتے تھے۔ الغرض [۲۴۷] آپ تغلق شاہ کے ہمراہ لکھنوتی میں تھے کہ سلطان المشائخ رحمت حق سے جا ملے۔ آپ نے اپنے نورِ باطن سے معلوم کر لیا کہ اب میں جلد عالم بقا کی طرف چلا جاؤں گا وہاں سے غم زدہ حالت میں روتے ہوئے شہر دہلی آئے۔ سلطان المشائخ کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اسی روضے میں گوشہ نشین ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد چھ ماہ زندہ رہے اور اٹھارہ شوال بروز بدھ سات سو پچیس ہجری میں رحمت حق سے جا ملے اور سلطان المشائخ کے روضے کی پائینتی میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

امیر حسن شاعر قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ آپ سلطان المشائخ کے صحبت یافتہ، اطاعت گزار اور پاک اعتقاد مرید تھے۔ سیر العارفین کے مصنف نے آپ کی توبہ کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کے مزار مبارک کی زیارت کو گئے، واپسی پر حوض شمسی کے کنارے سے گزرے۔ اس وقت امیر حسن شاعر اپنے دوستوں کے ساتھ حوض کے کنارے پر بیٹھے ہوئے شراب نوشی میں مشغول تھے۔ جیسے ہی امیر حسن نے سلطان المشائخ کو دیکھا تو قدیم واقفیت اور آشنائی کے باعث وہاں سے اٹھ کر حضرت قدس سرہ کی خدمت میں آئے اور یہ رباعی پیش کی۔

سالہا باشد کہ ماہم صحبتیم — گر بہ صحبت ہا اثر بودے کجاست
زہدِ تاں فسق از دلِ ما کم نہ کرد — فسقِ ما بل بہتر از زہدِ شماست

(ترجمہ) برسوں گزر گئے کہ ہم ایک دوسرے کے ہم صحبت ہیں اگر صحبت کا اثر ہوتا ہے تو نظر کیوں نہیں آتا۔ آپ کے زہد نے ہمارے دل کی بداعمالی کو کم نہ کیا شاید ہمارا فسق آپ کے زہد سے بہتر ہے۔

سلطان المشایخ نے یہ اشعار سن کر فرمایا (ایسا نہیں ہے) ہماری صحبت میں اثر ہے اس جملے نے امیر حسن پر بے حد اثر کیا۔ آپ اسی وقت سلطان المشایخ کے قدموں میں گر پڑے توبہ کی اور مرید ہو گئے اور فی البدیہہ[15] یہ شعر پڑھا۔

اے حسن توبہ آں زماں کردی

کہ ترا طاقتِ گناہ نہ ماند

(ترجمہ) اے حسن تو نے اس وقت توبہ کی جب تجھ میں گناہ کرنے کی طاقت ہی نہ رہی تھی

جب آپ کے دوستوں نے آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو انھوں نے بھی شراب نوشی ترک کر دی [۲۴۸] اور سلطان المشایخ کے مرید ہو گئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے سلطان المشایخ کی نگاہِ مرحمت کی بدولت قبولیت اور شیریں کلامی نصیب فرمائی۔ آپ نظم و نثر میں ہر خیال کو سچے موتی کی مانند پروتے، فرحت انگیز لطیفے سناتے اور فی البدیہہ شعر کہتے تھے۔ دہلی کے اکثر سلاطین آپ کے لطیفوں اور کتابوں کو توجہ سے سنتے اور پڑھتے تھے اور آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپ نے ایک کتاب فواید الفواد کے نام سے تحریر کی ہے جس میں سلطان المشایخ کے ملفوظات کو جمع کیا ہے اور (ان میں) حضرت قدس سرّہ کی تقریر کے لہجے کو سمو دیا ہے (چنانچہ) آج تک یہ کتاب اربابِ معرفت اور اصحابِ حقیقت میں مقبول ہے۔ اس کے مطالعے سے دل کو راحت اور روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے اور (سلطان المشایخ کی) کرامت و عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ امیر خسرو نے بارہا (حسرت سے) کہا کہ کاش میرے بھائی حسن میری تمام تصانیف مجھ سے لے لیتے اور مجھے ان کے بدلے فواید الفواد عنایت کر دیتے تو میں اس ایک کتاب پر دنیا اور آخرت میں فخر کرتا اور اسے اپنی بخشش کا وسیلہ بنا کر اپنے ساتھ لے جاتا۔ سیر الاولیا میں ہے کہ جس زمانے میں محمد تغلق شاہ نے دہلی کے بزرگوں کو دیوگیر روانہ کیا، امیر حسن بھی اُن کے ساتھ دیوگیر چلے گئے۔ وہیں ان کی وفات ہوئی اور مدفون ہوئے۔ اس علاقے کے رہنے والے آپ کو حسن شیر (شاعر) کہتے ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا وجیہہ الدّین پایلی قدس سرّہ۔ آپ سلطان المشایخ کے خاص مرید تھے۔ آپ کی خضر علیہ السلام سے ملاقات تھی اور اُن ہی کے حکم سے سلطان المشایخ کے مرید ہوئے۔ ایک مرتبہ آپ شیخ فرید الدّین گنج شکر کی زیارت کے لیے اجودھن گئے تو شیخ قدس سرّہ کے روضے سے آواز آئی۔ "خوش آمدید اے ابو حنیفہ پایلی" آپ بہت بڑے عالم اور صاحبِ دانش فرد

تھے [۲۴۹] سیر الاولیا سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشایخ کی مجلس میں مولانا وجیہہ الدین پایلی کے جوتے گم ہو گئے۔ حضرت قدس سرہ نے اپنے جوتے آپ کو عنایت فرمائے آپ نے ازراہ ادب وہ جوتے اپنے سر پر رکھے اور ننگے پاؤں اپنے گھر گئے۔ جب سلطان المشایخ کو یہ واقعہ سنایا گیا تو حضرت قدس سرہ آپ کے ادب سے خوش دل ہوئے اور فرمایا وجیہہ الدین سے کہو کہ وہ حضرت خواجہ قطب الدین اوشی قدس سرہ کی زیارت کے لیے جائیں جب آپ خواجہ کے روضے پر حاضر ہوئے تو آپ نے اپنے گم شدہ جوتے ایک جگہ پر رکھے ہوئے دیکھے۔ آپ نے انھیں اٹھا لیا اور واپس آ گئے۔ آپ سے متعلق بہت سی حکایتوں اور کمالات کا ذکر ملتا ہے۔ الغرض جب آپ کا وصال ہوا تو حوض شمسی کے کنارے قاضی کمال الدین صدر جہاں کے حظیرے میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا فخر الدین مروزی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔ آپ سلطان المشایخ کے اولین مریدوں اور صحبت نشینوں میں سے تھے۔ آپ نے قرآن کریم کو سات قرائتوں میں حفظ کیا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے سلطان المشایخ کے حضور عرض کیا کہ ایک بار مجھے پیاس لگی اس وقت کوئی شخص موجود نہ تھا جس سے پانی مانگتا۔ اچانک پانی کا کوزہ غیب سے نمودار ہوا میں نے وہ کوزہ توڑ دیا اور پانی زمین پر بکھیر دیا۔ میں اس طرح کی کرامات والے پانی کو پینا نہیں چاہتا تھا۔ سلطان المشایخ نے فرمایا تمھیں وہ پانی پی لینا چاہیے تھا۔ ایک مرتبہ میں بھی چاہتا تھا کہ بالوں میں کنگھا کروں، اس وقت کوئی خادم موجود نہ تھا جو مجھے کنگھا لا کر دے۔ اس دوران یکایک دیوار میں شگاف ہوا اور کنگھا میرے سامنے آ گیا۔ میں نے اسے لے کر بالوں میں کنگھا کیا مولانا فخر الدین مروزی سے متعلق حکایات و کرامات حد شمار سے باہر ہیں۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو سلطان المشایخ کے حظیرے میں یاران اعلیٰ کے چبوترے میں دفن کیے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا فصیح الدین قدس اللہ سرہ۔ آپ بھی سلطان المشایخ کے اولین مریدوں میں سے ہیں [۲۵۰] آپ اکثر سلطان المشایخ کی مجلس میں علمی مسایل پر گفتگو کرتے اور حقایق بیان فرماتے تھے اور سلطان المشایخ کے جواب اور مخاطبت سے مشرف ہوتے تھے۔ سلطان المشایخ سے آپ کے بیعت ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز قاضی محی الدین کاشانی آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آج میں نے علم سلوک سے متعلق ایک کتاب کا مطالعہ کیا اس میں لکھا تھا کہ قیامت کے دن مخلوق میں سے ہر شخص اس بزرگ کے جھنڈے تلے ہوگا جس سے

اس نے تعلق قایم کیا تھا۔ اس بزرگ کی حمایت سے اسے آسودگی حاصل ہوگی پس مجھ پر اور آپ پر لازم ہے کہ مشایخ کبار میں سے کسی کے مرید ہو جائیں چنانچہ دونوں حضرات باہم متفق ہو کر وہاں سے چلے اور سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرت قدس سرہ نے قاضی محی الدین کاشانی کو اسی وقت مرید کر لیا اور آپ سے فرمایا کہ تمھیں شیخ فریدالدین گنج شکر سے معلوم کر کے مرید کروں گا۔ آپ حیران ہوئے کہ شیخ کا تو انتقال ہو چکا ہے حضرت کس طور سے یہ بات معلوم کریں گے۔ سلطان المشایخ نے فرمایا مولانا مجھے جب کوئی مشکل آن پڑتی ہے تو اس کے حل کے لیے شیخ فرید الدین گنج شکر ہی سے دریافت کرتا ہوں اور شیخ کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہوں۔ غرض یہ کہ سلطان المشایخ نے دوسرے دن آپ کو بیعت کر لیا اور بتدریج درجہ کمال تک پہنچایا۔ آپ کی وفات سلطان المشایخ کی حیات میں ہوئی۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا جمال الدین قدس سرہ۔ آپ حق تعالیٰ کے واصل بندوں اور سلطان المشایخ کے خاص مرید تھے۔ رات دن معرفت کے سمندر میں غرق رہتے تھے۔ چنانچہ سلطان المشایخ نے بارہا آپ کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے جمال، دریائے وحدت میں اس قدر غرق رہتے ہیں کہ بجز یاد حق کے کوئی شخص انھیں یاد نہیں رہتا اور وہ کسی غیر سے [۲۵۱] سروکار نہیں رکھتے آپ کے کمالات کثرت سے ہیں۔ آپ نے بھی سلطان المشایخ کی حیات میں وفات پائی۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا جلال الدین قدس سرہ۔ آپ تمام مریدوں میں سب سے زیادہ دنیا سے بے تعلق ہستی تھے۔ سلطان المشایخ کے اولین ارادت مندوں میں بہت عظیم اور محترم بزرگ تھے۔ آپ نے بھی سلطان المشایخ کی حیاتِ مبارکہ میں انتقال فرمایا۔ رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ محمد امام بن مولانا بدرالدین اسحق قدس سرہ۔ آپ سلطان المشایخ کے مرید و خلیفہ اور شیخ فریدالدین گنج شکر کے حقیقی نواسے تھے۔ بچپن ہی سے آپ کی پرورش و تربیت سلطان المشایخ کی نگرانی میں ہوئی۔ بڑے صاحبِ علم اور حافظِ قرآن تھے۔ علم موسیقی میں بھی درک رکھتے تھے۔ سلطان المشایخ کی زندگی میں لوگوں کو بیعت کرتے اور ان کی رہنمائی فرماتے تھے۔ آپ حضرت قدس سرہ کی ہر نماز کی امامت کرتے اور اپنی خوش الحانی اور قرأت سے سلطان المشایخ کے دل کو مسرور کرتے تھے اور انعام میں حضرت قدس سرہ کی خلعتوں سے مشرف ہوتے۔ سلطان المشایخ کی مجلس میں آپ حضرت قدس

سرّہ کے نزدیک بلند جگہ پر بیٹھتے اور رقص میں حضرت قدس سرّہ کا ساتھ دیتے تھے۔ عاشقانہ انداز میں سماع کرتے تھے۔ آپ طویل مدت تک سلطان المشایخ کی صحبت میں رہے اور حضرت قدس سرّہ کے ملفوظات کو ایک کتاب میں جمع کیا اور اس کا نام انوار المجالس رکھا اس میں خوب خوب داد سخن دی اور کمالات کا اظہار فرمایا۔ بالآخر جب آپ کا وصال ہوا تو سلطان المشایخ کے حظیرے میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ آپ کی پاک سرشت اولاد آج تک سلطان المشایخ کے روضے کی دیکھ بھال کرتی رہی ہے اور تاقیامِ قیامت اسی طرح قایم ودایم رہے۔

خواجہ موسیٰ قدس سرّہ ابن مولانا بدرالدّین اسحٰق۔ آپ خواجہ محمد امام کے حقیقی بھائی اور سلطان المشایخ کے خاص مرید تھے آپ نے بھی (اپنے بھائی کی طرح) بچپن سے سلطان المشایخ کی نگرانی میں تربیت و پرورش پائی۔

سیر الاولیا سے منقول ہے کہ جب مولانا بدرالدّین اسحٰق نے [۲۵۲] جو خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کے والد اور شیخ فریدالدّین گنج شکر کے داماد تھے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو بی بی فاطمہ بنتِ شیخ فریدالدّین گنج شکر پر فقر وفاقے کے دن گزرنے لگے۔ سلطان المشایخ نے یہ حالات سن کر بی بی فاطمہ اور ان کے دونوں فرزندوں کو اجودھن سے اپنے پاس بلالیا۔ ان کی پرورش فرمائی اور ازراہِ مرحمت خود ان کی تربیت کی۔ دونوں بھائیوں کو اپنی امامت کی ذمہ داری سپرد کی۔ اگر کسی وقت خواجہ محمد سلطان المشایخ کی امامت کے لیے موجود نہ ہوتے تو چھوٹے بھائی خواجہ موسیٰ نماز کی امامت کرتے۔ آپ بھی اپنی قرأت اور خوش الحانی سے سلطان المشایخ کا دل خوش کرتے۔ آپ عاشقانہ اشعار بھی کہتے تھے اور عربی و فارسی زبان میں خیال کو موتی کی طرح پروتے۔ غرض یہ کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو سلطان المشایخ کے روضے میں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا عزیز الدّین صوفی قدس سرّہ بن بی بی مستورہ بنتِ خواجہ فریدالدّین گنج شکر قدس سرّہ۔ آپ سلطان المشایخ کے خاص مرید تھے۔ آپ بہت سے فضائل اور روحانی اوصاف کے حامل تھے۔ آپ نے ایک کتاب تحفتہ الابرار تصنیف کی جس میں سلطان المشایخ کے ملفوظات تحریر کیے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا وجیہہ الدّین پایلی سلطان المشایخ کی مجلس میں نادانستہ طور پر آپ کی نشست سے ذرا اوپر بیٹھ گئے۔ سلطان المشایخ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ جب مولانا وجیہہ الدّین کو معلوم ہوا کہ یہ نوجوان (مولانا عزیز الدّین) مخدوم زادے ہیں تو انھوں نے معذرت کی اور ان سے نچلی جگہ پر آکر بیٹھ گئے۔ مختصر یہ کہ آپ

بڑی شان کے بزرگ تھے۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو سلطان المشایخ کے روضے میں اعلیٰ مریدوں کے درمیان دفن کیے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ کریم الدّین سمرقندی قدس سرہ۔ آپ کو خواجہ کریم الدّین بیانہ بھی کہتے ہیں۔ آپ سلطان المشایخ کے خاص مریدوں میں تھے۔ اعلیٰ اخلاق میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کے والد خواجہ کمال الدّین سمرقندی [۲۵۳] جو خراسان میں وزیر تھے بعض حالات کے سبب ہندوستان آ گئے۔ شاہِ ہندوستان نے انھیں طرح طرح کی عنایتوں سے نوازا۔ ملتان سے ہانسی تک علاقہ بشمول دیبالپور اور اجودھن ان کے حوالے کیا۔ وہ شیخ فریدالدّین گنج شکر کے مرید تھے۔ سلطان المشایخ کی ایما پر خواجہ محمد امام بن شیخ بدرالدّین اسحٰق کی دختر سے خواجہ کریم الدّین سمرقندی کا نکاح عمل میں آیا اور دونوں خاندانوں میں قرابت داری کے تعلقات پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے بھی سلطان المشایخ آپ پر مرحمت فرماتے اور اپنے لباسِ خاص سے سرفراز کرتے تھے۔ اپنی لطافت طبع، دل آویز اشعار اور بلند ہمتی کی بنا پر آپ کی شیخ ضیاء الدّین برنی، امیر خسرو اور امیر حسن جیسے سخندانوں اور سخن فہموں سے دوستی تھی۔ یہ حضرات ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے۔ بالاخر سلطان المشایخ کے وصال کے بعد سلطان محمد شاہ کی خواہش پر آپ نے اس کی مصاحبت اختیار کر لی اور بادشاہ کی عنایتوں کے مورد ہوئے۔ بادشاہ نے آپ کو "شیخ الاسلام" کا خطاب عنایت کیا اور پرگنہ ست گاؤں آپ کی جاگیر میں دیا۔ آپ کے قدموں کی برکت سے یہ علاقہ شاد و آباد رہا۔ آپ کی وفات ست گاؤں میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔ چنانچہ لوگ آج تک آپ کی قبر کی مٹی کو اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ آپ کی اولاد میں سے اکثر خاندان آج بھی ست گاؤں میں قیام پذیر ہیں۔ رحمتہ اللہ علیہ

قاضی شرف الدّین فیروزی قدس سرہ۔ قرآن مجید کے حافظ، جمالِ سبحانی کے عاشق اور سلطان المشایخ کے مرید جانی تھے۔ آپ نے عاشقانہ انداز میں زندگی بسر کی۔ اگر کوئی شخص آپ کو دیکھتا تو گمان کرتا کہ آپ صورتِ انسانی میں فرشتہ ہیں۔ آپ نے ہمیشہ محنت کی زندگی گزاری۔ اپنے گھر کے لیے غلّہ، لکڑی اور دیگر ضروری سامان اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر لاتے تھے سلف کے طریقے پر کاربند رہے [۲۵۴] شعر:

خوشم بدولتِ خواری و ملکِ تنہائی
کہ التفاتِ کسے رابہ روزگارم نیست

(ترجمہ) میں اپنی رسوائی کی دولت اور تنہائی کی سلطنت پر خوش
ہوں اور اس پر بھی کہ مجھے کسی کی توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔

آخر الامر آپ دیو گیر گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا بہاء الدین ادہمی قدس اللہ تعالیٰ۔ آپ حضرت سلطان المشایخ کے پاک اعتقاد مرید تھے۔ بڑے صاحبِ علم و حلم بزرگ تھے۔ ہمیشہ طہارت و صفائی کا خیال رکھتے تھے۔ سلطان المشایخ کی محبت میں اپنے وطن قدیم شہر ملتان کو چھوڑ کر دہلی کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ وہیں رحمت حق سے جا ملے۔ رحمتہ اللہ علیہ

شیخ مبارک گوپاموی قدس سرّہ الحق۔ آپ کو امیر داد بھی کہتے تھے (کیوں کہ) آپ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں میر داد کے عہدے پر فائز تھے۔ جب آپ سلطان المشایخ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو ایک دم تمام دنیاوی مشاغل ترک کر دیے اور شیخ کے جمال کے عاشق ہو گئے اور حضرت قدس سرّہ کی خدمت میں رہنے لگے۔ آپ ہمت و سخاوت میں یگانۂ روزگار تھے۔ لوگوں کے لیے کھانے اور انعام کا اس حد تک اہتمام کرتے تھے کہ جس شخص کو کھانا بھیجتے کھانے کی کشتی، کھانا ڈھکنے کا کپڑا اور کھانے کے برتن بھی اس کی نذر کر دیتے تھے۔ ہر نماز بڑے خلوص اور قلبی اطمینان کے ساتھ پڑھتے اور اپنے اوقات اوراد و وظایف میں بسر کرتے تھے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو سلطان المشایخ کے روضے کے پائینتی دفن کیے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ موید الدین کڑوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ۔ آپ سلطان المشایخ کے خاص مرید تھے۔ ابتدائے حال میں امیر اور امیر زادے تھے۔ سلطان جلال الدین خلجی کی جانب سے کڑہ کے حاکم تھے۔ اس علاقے میں آپ نے بہت اچھے کام سرانجام دیے۔ جب سلطان المشایخ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے تو تمام معاملات و تعلقات ترک کر دیے اور رضائے الٰہی پر قانع ہو گئے۔ اپنے اوقات باطنی اشغال میں بسر کیے۔ جب سلطان علاء الدین تختِ دہلی پر بیٹھا تو اس نے آپ کو یاد کیا کسی (قاصد) کو سلطان المشایخ کی خدمت میں بھیجا [۲۵۵] اور اس ہوس میں مبتلا ہوا کہ حضرت قدس سرّہ خواجہ موید الدین کو اپنے ہاں سے رخصت کر کے میرے پاس بھیج دیں تاکہ وہ کارِ سلطنت میں میرا ساتھ دیں۔ سلطان المشایخ نے قاصد کو جواب دیا کہ اب خواجہ موید الدین کسی دوسرے کام میں مصروف ہیں انھیں معذور رکھا جائے اور انھیں اپنا کام کرنے دیں۔ قاصد کسی قدر گستاخ تھا اس نے کہا کہ مخدوم آپ ہر

کسی کو اپنا جیسا بنانا چاہتے ہیں اور ایک دم مرتبۂ ولایت پر پہنچانا چاہتے ہیں۔ سلطان المشائخ نے فرمایا بلکہ اپنے سے بہتر بنانا چاہتا ہوں اور اسے درجہ کمال تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ قصہ مختصر جب سلطان علاء الدین کو حضرت قدس سرہ کے جواب کا علم ہوا تو وہ خواجہ موید الدین کو طلب کرنے کے خیال سے دست کش ہو گیا۔ آپ سلطان المشائخ کی خدمت میں ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ سلطان المشائخ کے وصال کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت قدس سرہ کے روضے کے پائینتی دیگر مریدوں کے درمیان مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ تاج الدین داوری قدس سرہ۔ آپ سلطان المشائخ کے خاص مرید تھے۔ اوائلِ حال میں دنیا اور اہلِ دنیا سے تعلق رکھتے تھے۔ جب سلطان المشائخ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو سب کچھ چھوڑ کر فقر و فاقہ اختیار کر لیا اور اپنے اوقات عبادت و ریاضت میں بسر کرنے لگے۔ سلطان المشائخ کی محبت میں آپ کے دل کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ جب حضرت قدس سرہ کا نام سنتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ سماع میں آپ کو راحت حاصل ہوتی تھی۔ حالت سماع میں عاشقانہ انداز میں رقص کرتے اور قوالوں کو بیش قیمت لباس عنایت کرتے[۱۶] اور عذر خواہی کرتے ہوئے ان کے قدموں میں گر جاتے تھے[۱۷] آخر دیوگیر کے راستے میں لوٹتے وقت کھتول علاقہ مالوہ میں چند روز بیمار رہے۔ نزع کے وقت آپ کی زبان پر اللہ کا نام جاری تھا[۱۸] اور اپنی جان دوست کے مشاہدے میں نذر کر دی۔ کھتول سے آپ کی میت دہلی لائی گئی اور سلطان المشائخ کے حظیرے میں چبوترۂ یاراں میں دفن کی گئی [۲۵۶] رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ ضیاء الدین قدس سرہ۔ آپ سلطان المشائخ کے محبوب، مقبول اور پسندیدہ مرید تھے۔ آپ کی طبیعت میں حد درجے لطافت اور ظرافت تھی۔ جس مجلس میں آپ گفتگو شروع کرتے ارباب دانش آپ کی راحت انگیز گفتگو سننے کی جانب متوجہ رہتے۔ سلطان المشائخ کی مجلس میں بھی آپ مشکل سوالات اور علمی مسائل پیش کرتے۔ حضرت قدس سرہ آپ کی خاطر داری کے خیال سے ان سوالات کا جواب دیتے اور مسائل کی تشریح فرماتے اور آپ کے ذہنِ رسا کی تعریف کرتے خواجہ ضیاء الدین امیر خسرو اور امیر حسن کے دوست تھے۔ آپ نے اپنی تمام زندگی ان حضرات کی صحبت میں بسر کی۔ آپ بچپن ہی سے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ سلطان المشائخ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے اور حضرت قدس سرہ کی خدمت بجا لاتے تھے۔ بر بنائے محبت شہر کی سکونت ترک کر کے غیاث پور میں سلطان

المشائخ کے ہمسائے میں سکونت اختیار کی اور حضرت قدس سرہ کی عنایتوں سے مستفید ہوتے رہے۔ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد تاریخ دانی کے وسیلے سے کہ اس فن میں اُس وقت آپ کا کوئی ثانی نہ تھا سلطان محمد تغلق کے دربار میں ملازم ہو گئے۔ اس تعلق سے خاصی دولت حاصل ہوئی۔ جب آپ کی عمر ستر سال ہوئی، دنیاوی تعلقات ختم کر کے گوشہ نشین ہو گئے اور اپنا سارا مال و متاع درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ گوشہ نشینی کے زمانے میں ثنائے محمدی، صلوٰتِ کبیر، عنایت نامہ الٰہی، مآثرِ سادات اور تاریخ فیروزشاہی جیسی بے نظیر کتابوں کے علاوہ چند اور کتابیں تصنیف کیں۔ آخر میں چند روز بیمار رہے اور عالم بقا کا سفر اختیار کیا۔ سلطان المشائخ کے حظیرے میں اپنے والد کی قبر کی پائینتی میں مدفون ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد جب آپ کے گھر کو دھو کر صاف کیا تو وہاں نقد و جنس کی قسم میں سے کوئی چیز نہ ملی (گویا) آپ کی ذات میں سلطان المشائخ کی صحبت نے سب سے زیادہ اثر کیا۔ رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ موید الدّین انصاری قدس سرہ۔ آپ سلطان المشائخ کے خاص مرید اور خلیفہ [۲۵۷] تھے۔ جس روز سے آپ سلطان المشائخ کے مریدوں میں شامل ہوئے دنیا کے کاموں میں مشغول نہ ہوئے اور سخت قسم کی ریاضتوں میں مصروف رہے۔ فرض اور سنتوں کے آداب میں سے کوئی ادب آپ سے فوت نہیں ہوا۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو سلطان المشائخ کے حظیرے میں یارانِ اعلیٰ کے چبوترے پر مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ شمس الدّین خواہر زادہ خسرو شاعر قدس سرہ۔ آپ سلطان المشائخ کے مریدوں اور جاں نثار عاشقوں میں سے تھے۔ جب تک سلطان المشائخ کے جمالِ جہاں آرا کو نہ دیکھ لیتے بے چین رہتے تھے۔ فرض نماز کے وقت جب تک سلطان المشائخ کے روئے مبارک نہ دیکھ لیتے نماز کے لیے ہاتھ نہ باندھتے جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے:

در اثنائے نماز اے جاں نظر بر قامتت دارم

مگر از قامتِ خوبت قبول افتد نمازِ من

(ترجمہ) اے محبوب دورانِ نماز میں تیرے قامتِ زیبا پر نظر رکھتا ہوں کہ شاید اس قامتِ زیبا کی بدولت میری نماز قبول ہو جائے۔

عین جوانی میں آپ پر سلطان المشائخ کے عشق و محبت نے غلبہ کیا۔ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور ہلاک ہونے کے قریب پہنچ گئے آپ نے چاہا سلطان المشائخ کی محبت میں اپنی

جان قربان کر دیں چنانچہ بے دریغ اپنی جان حضرت قدس سرّہ پر نثار کر دی۔ سلطان المشایخ اس بنا پر کہ خواجہ شمس الدّین آپ کے غم خوار اور محب تھے ایک روز آپ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے ابھی حضرت راستے ہی میں تھے کہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ عاشق صادق میں جمال محبوب دیکھنے کی تاب نہ تھی، اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ سلطان المشایخ نے فرمایا الحمدللہ مردانہ وار دنیا سے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

حاجی نظام الدّین شیرازی قدس سرّہ۔ آپ سلطان المشایخ کے مرید صادق تھے۔ آپ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ باعمل عالم تھے۔ علمی مباحث میں سب کی توجہ کا مرکز بن جاتے اور اپنی دل پذیر باتوں سے سب پر سبقت لے جاتے۔ سماع بے حد پسند کرتے تھے اور عاشقانہ ولولے کے ساتھ رقص کرتے تھے۔ قوالوں کو اکثر اپنا خاص لباس عنایت کرتے[۲۰] جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو حصار سیری میں اپنے مکان کے قریب مدفون ہوئے [۲۵۸] رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ سالار ساکن پرگنہ معین[۲۱] قدس سرّہ۔ آپ سلطان المشایخ کے مرید تھے۔ ہمیشہ حضرت قدس سرّہ کی محبت کی کیفیت میں رہتے تھے اور حضرت کی یاد کو اپنا مونس و ہمدم سمجھتے تھے۔ بالآخر آپ کو مقصود دلی حاصل ہوگیا یکبارگی مخلوق کی صحبت اور شیخ کی محبت میں گوشہ نشین ہوگئے اور خود کو نیک و بد (کے احساس) سے فارغ کر لیا۔ ایک مرتبہ سلطان المشایخ کے حظیرے میں سماع کی مجلس میں قوالوں نے یہ شعر پڑھا:

از سرِ زلفِ عروسانِ چمن دست بدارد

بسر زلف اگر دست رسد بادِ صبا را

(ترجمہ) (اے محبوب) اگر تیری زلف تک بادِ صبا کی رسائی ہو جائے تو وہ باغ کے تازہ پھولوں کی خوشبو کے خیال سے دست بردار ہو جائے۔

آپ نے اس شعر کو سلطان المشایخ کے جمالِ بے زوال پر محمول کیا۔ اس سے آپ کو بے حد راحت حاصل ہوئی۔ آخری عمر میں چند روز بیمار رہ کر عالم بقا کی جانب کوچ کر گئے اور سلطان المشایخ کے حظیرے میں دفن کیے گئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا فخرالدّین میرٹھی قدس سرّہ۔ آپ زہد و تقویٰ سے آراستہ اور ظاہری و باطنی

اوصاف سے مزیّن تھے سلطان المشایخ کے اوّلین مریدوں میں سے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا محمود نوہیتہ قدس سرّہ۔ آپ ضعیف العمر بزرگ اور صاحبِ عقل و تمیز مرید تھے عشق کے جلے ہوئے اور دوستی کے لیے پیدا کیے گئے انسان تھے۔ سلطان المشایخ کے سابق مریدوں میں سے تھے۔ آپ نے حضرت قدس سرّہ کی محبت میں شہر کو چھوڑ کر غیاث پور میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا رکن الدّین قدس سرّہ۔ آپ سماع کے دلدادہ، خوش نویسی کے فن سے واقف سلطان المشایخ کے مرید تھے حضرت قدس سرّہ کے لیے معتبر کتابیں نقل کیں۔ رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ احمد بداؤنی قدس سرّہ۔ سلطان المشایخ کے ہم وطن اور قدیم مرید تھے۔ جب تک زندہ رہے دنیا اور اہلِ دنیا سے بے تعلق رہے۔ اپنے اور متعلقین کے لیے کوئی گھر نہیں بنایا۔ سماع میں بے قرار ہوجاتے اور گریہ وزاری کرتے رہتے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ لطیف الدّین کھنڈسالی قدس سرّہ۔ آپ ضعیف العمر بزرگ اور اودھ کے مریدوں میں [۲۵۹] سلطان المشایخ کے اوّلین مرید تھے۔ شیخ نصیر الدّین محمود آپ کی بہت تعظیم اور تکریم کرتے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ نجم الدّین محبوب عرف شکر خانی قدس سرّہ۔ سلطان المشایخ کے اوّلین مریدوں میں تھے۔ اپنے نورِ باطن سے کون و مکاں کی جلوہ گری کا مشاہدہ کرتے تھے۔

خواجہ شمس الدّین قدس اللہ تعالیٰ سرّہ۔ آپ کو اچنی بھی کہتے تھے۔ آپ سلطان المشایخ کے خاص مخلص مریدوں میں تھے۔ ابتدائے حال میں آپ کارِ دنیا میں مشغول تھے لیکن جس دن سے سلطان المشایخ کے مرید ہوئے تمام معاملات سے ترکِ کلی اختیار کرلیا۔ حضرت قدس سرّہ کی مجلس میں آپ کے بیٹھنے کی جگہ مقرر تھی۔ ایک کتاب میں سلطان المشایخ کے ملفوظات بھی جمع کیے ہیں۔ ایک روز آپ نے سلطان المشایخ کی خدمت میں عرض کیا[۲۲] کہ اگر حکم ہو تو آنے جانے والوں کے لیے ایک عمارت تعمیر کرا دوں۔ فرمایا یہ کام اس کام سے کم نہیں ہے جسے چھوڑ بیٹھے ہو۔ بعد میں آپ کو ایک دوات عنایت فرمائی یہ امر کی جانب اشارہ تھا کہ آخر میں پھر کارِ دنیا میں مشغول ہوجاؤ گے۔ چنانچہ ظفر آباد کی اراضی آپ کو جاگیر میں ملی آپ وہیں مدفون ہوئے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا یوسف بداؤنی۔ سلطان المشایخ کے سابق مریدوں میں تھے۔ آپ کا سینہ مصفّا، چہرہ دل کشا اور کلام دل پذیر تھا۔ سلطان المشایخ کے تمام مرید آپ کی عالی ہمتی کے قائل

تھے اور آپ کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔

حافظ سراج الدّین بداؤنی قدس اللہ سرہ۔ سلطان المشائخ کے خاص مریدوں میں تھے۔ بہت زیادہ علم، کامل عقل اور بے حد عشق کے حامل تھے۔ سماع میں بہت زیادہ گریہ اور رقص کرتے تھے اور اپنی عمر عزیز ذوق و شوق میں بسر کی۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا قوام الدّین یک دانہ اودھی قدس سرّہ۔ آپ سلطان المشائخ کے مرید تھے۔ سلطان المشائخ نے آپ کے حق میں [۲۶۰] فرمایا تھا کہ یہ بہت نیک انسان ہیں۔ آپ کشاف کے قاری تھے اور سخت مجاہدوں کے عادی تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا برہان الدّین ساوی۔ آپ کثرت علم اور انتہائی زہد و تقویٰ سے آراستہ سلطان المشائخ کے پاک اعتقاد مرید تھے۔ اگرچہ آپ نے بہت آخر میں سلطان المشائخ سے تعلق پیدا کیا تھا لیکن حضرت قدس سرّہ کی بابرکت نظر کے باعث آپ کی ذات میں اعلیٰ مریدوں کے تمام اوصافِ حمیدہ پیدا ہو گئے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

خواجہ عبدالعزیز بانگر مؤی قدس سرّہ۔ آپ سلطان المشائخ کے مشتاق مرید، اہلِ استغراق اور صاحبِ اخلاق بزرگ تھے۔ حضرت قدس سرہ کی روش سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتے تھے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا جمال الدّین اودھی قدس سرّہ۔ آپ سلطان المشائخ کے سابق مریدوں میں تھے۔ صاحبِ علم اور سماع کے دلدادہ تھے۔ سلطان المشائخ نے آپ کو "جوانِ صالح" کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ آپ سلطان المشائخ کی مجلس میں ازراہِ ادب خاموش رہتے تھے۔ تاہم کبھی کبھی اپنے علم و فضل کا اظہار بھی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سلطان المشائخ کی خانقاہ میں خراسان کا ایک عالم آیا۔ اس نے علمی بحث میں حضرت قدس سرہ کے مریدوں پر غالب آنا چاہا۔ مولانا نے اس سے بحث کی اور اسے خاموش کر دیا۔ مولانا وجیہہ الدّین پایلی اور دیگر مریدوں نے آپ کو شاباش دی اور آپ کی تحسین کی۔ خواجہ اقبال خادم جو اس بحث کے وقت موجود تھے جلدی سے سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعے سے حضرت قدس سرّہ کو مطلع کیا اور مولانا جمال الدّین کی تعریف کی کہ مولانا عالم و فاضل شخص ہیں۔ حضرت قدس سرہ نے فرمایا [۲۶۱] لاؤ اس جوان اور مریدوں کو یہاں لے آؤ۔ حسب الحکم سب حاضر ہوئے۔ سلطان المشائخ نے مولانا جمال الدّین سے فرمایا تمہارے آنے پر خدا کی رحمت ہو، تم نے علم فروخت نہیں کیا اور خود کو غرور اور رعونت کی آگ میں نہیں جلایا۔ اس کے بعد حضرت

قدس سرہ نے قوالوں کو طلب کیا اور سماع میں مشغول ہو گئے اور مولانا جمال الدین کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اے جوان صالح سماع سنو، انشاء اللہ تمھیں بہت زیادہ ذوق و شوق حاصل ہو گا۔ اس مجلس میں سلطان المشایخ نے آپ کو اپنا لباس خاص مرحمت فرمایا۔ رحمتہ اللہ علیہ

مولانا نظام الدین مولیٰ قدس سرہ۔ آپ سلطان المشایخ کے مرید تھے۔ اگرچہ سیر الاولیا میں آپ کے حالات تحریر نہیں کیے گئے ہیں تاہم مناقب الاصفیا[۲۴] میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ سلطان المشایخ کے مریدوں میں تھے اور بہار میں آپ کی عام شہرت تھی۔ آپ کی خدمت میں بہت سے طالب اور مرید حاضر ہوتے تھے۔ شیخ شرف الدین منیری نے آپ کی محبت میں جنگل کی اقامت ترک کر دی اور شہر بہار کی سکونت اختیار کی۔ آپ کے بہت سے کمالات اور کرامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

قاضی عبدالکریم قدوی قدس سرہ۔ سلطان المشایخ کے مرید تھے۔ حضرت نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا کہ آپ کا جسم ہاتھی کے مانند اور علم جبریل کے مانند ہے۔ آپ قاضی قدوہ کی پاک اولاد میں تھے۔ قاضی قدوہ بنی اسرائیل کے عظیم لوگوں میں سے تھے۔ ہندوستان فتح ہونے کے ابتدائی ایام میں روم سے تشریف لائے اور شہر اودھ میں [۲۶۲] قیام پذیر ہوئے اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔ قاضی عبدالکریم سلطان المشایخ کی تربیت اور تکمیل سے فارغ ہو کر پرگنہ ابراہیم آباد کے موضع کریم پور چلے آئے ایک مدت تک وہاں قیام پذیر رہے پھر اس گاؤں کے بعض مخالفوں کے آزار پہنچانے کے باعث پرگنہ دیوی کے موضع سرستی منتقل ہو گئے اور وہیں آپ کا وصال ہوا۔ رحمتہ اللہ علیہ

قاضی قوام الدین قدوری قدس سرہ۔ آپ سلطان المشایخ کے پاک اعتقاد مریدوں میں تھے۔ آپ صاحبِ حال اور بلند ہمت بزرگ تھے نیز انسانی کمالات سے آراستہ تھے۔ آپ کا مزار مبارک پرگنہ سدھور کے موضع رسولی میں ہے اور مخلوق کی زیارت گاہ ہے۔ رحمتہ اللہ علیہ

مخدوم شیخ حیدر۔ اگرچہ سیر الاولیا کے مصنف نے آپ کے حالات بیان نہیں کیے ہیں۔ تاہم لطایف اشرفی کے مولف نے آپ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ آپ سلطان المشایخ کے ہدایت یافتہ خلفا میں تھے۔ آپ عظیم شان کے حامل بزرگ تھے اور صاحبِ استقامت تھے۔ آپ کے مرید بھی بہت زیادہ تھے۔ شیخ اللہ دیا جن کا مزار قصبہ سہنہ میں ہے آپ کے ایک بزرگ خلیفہ شیخ علیم الدین کے مرید تھے۔ جب آپ کا وصال ہوا تو خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ کے روضے کے قریب سرائے لاڈو میں آپ کو دفن کیا گیا۔

رحمتہ اللہ علیہ

پختہ اعتقاد اور یقین رکھنے والے طالبین پر واضح ہو کہ سلطان المشایخ کے دس خلفا اور چند اعلیٰ مریدوں کا ذکر کیا ہے ورنہ دوسری تاریخی تصانیف مثلاً لطایفِ اشرفی، مراد المریدین اور مناقب الاولیا وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان المشایخ کے بہت سے خلفا اور بے شمار مرید تھے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے [۲۶۳] بہ یک وقت فیض کے خزانوں کی سو کنجیاں سلطان المشایخ کے ہاتھ میں دے دی تھیں۔ آپ نے تمام عالم کو شرق سے تا غرب فیضیاب فرمایا۔ رحمتہ اللہ علیہ

حواشی مطلب شانزدہم

۱۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) باب اوّل۔ حالات سلطان المشایخ، نکتۂ چہارم میں جو دقایق احادیث سے متعلق ہے اس طرح کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ امیر خورد کرمانی نے نہ سلطان المشایخ کی ہمشیرہ صاحبہ کا نام بی بی جنت تحریر کیا ہے نہ آپ کے بھانجے کا نام خواجہ محمد نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) صص ۱۱۲۔ ۱۱۴ (اردو ترجمہ) صص ۲۰۷۔ ۲۱۰

۲۔ مطبوعہ سیر الاولیا میں خواجہ رفیع الدّین ہارون کو خلافت عطا کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اردو ترجمہ سیر الاولیا صص ۲۴۴۔ ۲۴۵

۳۔ سیر الاولیا کی تصنیف کے زمانے تک خواجہ رفیع الدّین ہارون بقید حیات تھے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (اردو ترجمہ) صص ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ علامہ اخلاق حسین دہلوی نے سیر الاولیا کا زمانۂ تصنیف اندازاً ۷۶۰ھ/۱۳۵۸ء بتایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں حضرت محبوب الٰہی ص ۱۵۲

۴۔ گلزار ابرار، محمد غوثی شطاری کی تصنیف ہے گلزار ابرار میں پانچ چمن ہیں۔ پہلے کے تین چمن میں ان ہی بزرگوں کے حالات کا اعادہ ہے جن کے بارے میں محمد غوثی سے قبل لکھا جاچکا تھا۔ آخر کے دو چمنوں میں بالخصوص آخری چمن میں شطاری سلسلے کے بزرگوں کے حالات ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں کلمات الصادقین مصنفہ محمد صادق دہلوی کشمیری ہمدانی اسلام آباد ۱۹۸۸ء مقدمہ از ڈاکٹر محمد سلیم اختر بزبان (انگریزی) صص ۸۶۔ ۸۷ گلزار ابرار کی تصنیف کا زمانہ ۱۰۲۲ھ ہے۔

۵۔ مجمع الاولیا از میر علی اکبر اردستانی مدوّنہ ۱۰۴۳ھ (مخطوطہ) ملاحظہ فرمائیں کتابیات احوال و آثار شیخ فرید الدّین مسعود گنج شکر ص ۲۴۶

۶۔ مطلوب الطالبین کے مصنف نے اس واقعے کو بغیر کسی حوالے کے تحریر کیا ہے۔ یہ واقعہ سیر الاولیا میں موجود ہے، لیکن امیر خورد کرمانی نے خواجہ عزیز الدّین کے صرف مرید ہونے کی نشاندہی کی ہے سلطان المشایخ قدس سرّہ کی اس تائید کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ خواجہ عزیز الدّین بن ابوبکر مصلی بردار

آپ کے خلیفہ تھے۔ سیر الاولیا کی عبارت یہ ہے:

"وقتے ایں بزرگ بوقت قیلولہ بخدمت سلطان المشایخ رفت۔ خادم بخدمت سلطان المشایخ ذکر کرد خواجہ عزیز ہر شب جمعہ ختم می کند۔ سلطان المشایخ فرمود کہ بلند می خواند یا ساکن، ایں بزرگ گفت ساکن ایں جواب بر مزاج سلطان المشایخ موافق افتاد، تحسین فرمود و کرت دیگر نورالدّین پسر خواجہ مبشر کہ مخصوص بشفقتِ سلطان المشایخ بود، ایں بزرگ را پیش برد و گفت، مخدوم عزیز مرید شماست فرمود کہ آرے مرید من است و مرا بہ ایں فرزند فخر است (صص ۲۱۷-۲۱۸)۔

(ترجمہ) ایک مرتبہ قیلولے کے وقت یہ بزرگ (خواجہ عزیز الدّین) سلطان المشایخ کی خدمت میں حاضر ہوئے خادم نے سلطان المشایخ کو ان کی آمد کی اطلاع دی اور تذکرہ کیا کہ خواجہ عزیز ہر شبِ جمعہ میں قرآن مجید ختم کرتے ہیں۔ سلطان المشایخ نے دریافت فرمایا کہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں یا آہستہ پڑھتے ہیں۔ ان بزرگ نے عرض کیا آہستہ یہ جواب سلطان المشایخ کو پسند آیا اور تحسین فرمائی دوسری مرتبہ خواجہ مبشر کے فرزند نور الدّین جو سلطان المشایخ کی شفقت سے مخصوص تھے ان بزرگ کو سلطان المشایخ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا مخدوم، عزیزالدّین آپ کے مرید ہیں۔ فرمایا ہاں میرا مرید ہے اور مجھے اس کی فرزندی پر فخر ہے۔

سیر الاولیا کی اس عبارت سے یہ امر تو واضح ہو ہی جاتا ہے کہ سلطان المشایخ قدس سرّہ نے خواجہ عزیز الدّین کو جیسا کہ محمد بلاق رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے، اپنا خلیفہ نہیں فرمایا ایک درجے میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ عزیز الدّین سلطان المشایخ قدس سرّہ کی بھانجی یا بھانجے کی اولاد نہ تھے ورنہ خادم کے اس تعارف کی کیا ضرورت تھی کہ یہ صاحب زادے ہر شبِ جمعہ کو قرآن مجید ختم کرتے ہیں اور دھیمی آواز سے پڑھتے ہیں۔ اگر خواجہ عزیز الدّین، سلطان المشایخ قدس سرّہ کی بھانجی یا بھانجے کی اولاد ہوتے تو دونوں باتیں پہلے سے حضرت قدس سرّہ کے علم میں ہوتیں۔ واللہ اعلم

۷۔ زیر ترجمہ مخطوطے میں لفظ دلشاد کے بعد کچھ عبارت نقل ہونے سے رہ گئی ہے پھر تراب قلندر کے ہاتھوں شیخ نصیر الدّین کے زخمی ہونے اور گیارہ کاری زخم لگائے جانے سے عبارت دوبارہ شروع ہوئی ہے احقر مترجم نے اپنے قیاس سے نامکمل جملے کو مکمل کرنے کے بعد سیر العارفین (اردو ترجمہ) سے پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کا کسی قدر لفظ بہ لفظ ترجمہ اپنے ترجمے کے متن میں شامل کر دیا ہے تاکہ حضرت چراغ دہلی قدس سرّہ پر قاتلانہ حملے کا واقعہ مکمل ہو جائے۔ تصرف کردہ ترجمے کے شروع اور آخر میں کوما لگا دیے ہیں۔ چونکہ مطلوب الطالبین کا دوسرا کوئی مخطوطہ دستیاب نہیں ہے نیز سیر العارفین (فارسی) بھی احقر مترجم کی دسترس میں نہیں ہے اس لیے تسلسل عبارت کو قائم رکھنے کے لیے اس تصرف کے

سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ احقر مترجم قارئین سے معذرت خواہ اور پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم کی روح سے شرمسار ہے۔

۸۔ امیر خورد کرمانی نے سیر الاولیا میں اپنے دادا سید محمد محمود کرمانی کا نام تحریر نہیں کیا ہے بلکہ صرف یہ لکھا ہے "عزیزے خوش گوید" (ایک عزیز نے کیا اچھا کہا ہے) ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۲۸۸)

۹۔ زیر ترجمہ مخطوطے میں "روزے حضرت مخدوم ہنگام ے ازوال برائے زیارت مزار مبارک حضرت سلطان المشائخ تشریف آورد" منقول ہے۔ یقیناً یہ سہو کتابت ہے۔ احقر مترجم نے "ہنگام ے ازوال" کا ترجمہ "زوال کے وقت" کیا ہے۔ واللہ اعلم یہ قیاس درست ہے یا غلط ہے۔ قارئین سے رہنمائی کی درخواست ہے۔

۱۰۔ زیر ترجمہ مخطوطے میں "شیخ عبدالعزیز کشکوری" نقل کیا گیا ہے۔ غالباً کشکوری سہو کتابت ہے یہاں کشکی ہونا چاہیے۔ کُشک گڑھی یا محل کو کہتے ہیں۔ چونکہ شیخ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ دہلی میں بجے منڈل کے محل میں قیام پذیر تھے اس لیے اہل دہلی آپ کو عبدالعزیز کُشکی کہتے ہوں گے۔ احقر مترجم نے اس قیاس کی بنا پر متن ترجمہ میں "کشکوری" کے بجائے "کُشکی" تحریر کیا ہے۔

۱۱۔ سیر الاولیا کے بعد مشائخ ہند کے حالات پر سب سے زیادہ مستند تصنیف اخبار الاخیار ہے جس کے مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ اخبار الاخیار میں شیخ علاء الدین بن اسعد لاہوری بنگالی کے تذکرے میں اس واقعے کا کوئی ذکر نہیں ہے ملاحظہ فرمائیں اردو ترجمہ صص ۳۱۰۔ ۳۱۱

۱۲۔ زیر ترجمہ مخطوطے میں ناقص کتابت کے باعث یہاں "قضیائے اوسروہ کہ موروثی قاضی است" نقل ہوا ہے۔ اس عبارت کا مطبوعہ سیر الاولیا سے مقابلہ کر کے ترجمہ کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں ص ۳۰۵

۱۳۔ زیر ترجمہ مخطوطے میں ناقص عبارت کی وجہ سے ترجمے میں ابہام پیدا ہو گیا ہے۔

۱۴۔ ازروئے تقویم ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو جمعہ تھا۔ ۱۶ شوال کو بدھ تھا۔ یکم شوال منگل کے روز تھی۔ ملاحظہ فرمائیں تقویم ہجری و عیسوی ص ۳۷

۱۵۔ سیر العارفین کی روایت کے مطابق حسن علا سجزی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ شعر فی البدیہہ نہیں کہا بلکہ توبہ کرنے کے بعد انھوں نے ایک غزل لکھی اس کا یہ مقطع ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر العارفین (اردو ترجمہ) صص ۱۱۸۔ ۱۱۹

۱۶۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) میں بیان کیا گیا ہے چونکہ آپ کی کیفیت سے حاضرین مجلس کے دلوں کو راحت حاصل ہوتی تھی اس لیے حاضرین مجلس قوالوں کو بیش قیمت کپڑے عنایت کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں ص ۳۲۲

۱۷۔ سیر الاولیا میں اس امر کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ خواجہ تاج الدین حالت سماع میں قوالوں کے قدموں میں گرتے تھے۔ ص ۳۲۲

۱۸۔ زیر ترجمہ مخطوطے کی عبارت یہ ہے

"بوقت نزاع زبان باسم اللہ کشاد
جاں کنی کے وقت آپ کی زبان پر اللہ کا نام جاری تھا

جب کہ سیر الاولیا میں ہے

"بوقتِ نزاع آں بزرگ تبسے کرد"
جان کنی کے وقت ان بزرگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی

ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۳۲۲، غالباً مطلوب الطالبین میں سہو کتابت ہے۔ واللہ اعلم

۱۹۔ امیر خورد کرمانی نے خواجہ موید الدین انصاری کو سلطان المشائخ قدس سرہ کا خلیفہ ہونا بیان نہیں کیا ہے ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) صص ۳۲۳۔ ۳۲۴

۲۰۔ مطبوعہ سیر الاولیا (فارسی) میں مولانا نظام الدین شیرازی کے حج کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علاوہ ازیں امیر خورد کرمانی نے یہ بھی تحریر نہیں کیا ہے کہ مولانا علیہ الرحمتہ سماع میں عاشقانہ رقص کرتے اور اپنا لباس قوالوں کو نذر کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں ص ۳۲۵

۲۱۔ پرگنہ معین سہو کتابت معلوم ہوتا ہے کسی کتاب میں اس نام کا قصبہ یا پرگنہ نظر سے نہیں گزرا۔ واللہ اعلم مطبوعہ سیر الاولیا میں "آں صورت عشق، آں مایۂ صدق خواجہ سالار نہین کہ بزہد و ورع و تقویٰ آراستہ بود" نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیں ص ۳۲۵۔ مؤلانا اعجاز الحق قدوسی مرحوم نے اپنے اردو ترجمے میں "خواجہ سالار مہین" تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ص ۴۹۶، بہرحال سیر الاولیا میں پرگنہ یا سکونت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ "نہین" یا مہین" آپ کے نام کا حصّہ ہے۔

۲۲۔ مطلوب الطالبین کے زیر ترجمہ مخطوطے میں یہ عبارت نقل کی گئی ہے۔

"فرمان باشد، چند کلمۂ عبارت کنم فرمود ازاں کار نیست کہ بیروں آمدہ"

ظاہر ہے کہ یہ عبارت مبہم اور مہمل ہے۔ احقر مترجم نے سیر الاولیا (فارسی) کی عبارت سے ترجمہ کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا (فارسی) ص ۳۲۸

۲۳۔ مناقب الاصفیا، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے بنی اعمام میں سے ایک بزرگ مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی تصنیف ہے آپ شیخ عبدالعزیز بن مولانا تاج فقیہہ کے پوتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں تاریخ دعوت وعزیمت حصّہ سوم ص ۱۸۱

مطلب ہفدہم

سلطان المشائخ کے بعض کلمات اور نادر قصّوں کے بیان میں جو آپ کی موتی برسانے والی اور گوہر نثار کرنے والی زبان سے ارشاد ہوئے اور جنھیں امیر حسن، امیر خسرو اور آپ کے دوسرے مریدوں نے اپنی تصانیف میں جمع کیے۔

ملفوظ۔ ایک مرتبہ (سلوک کی) تکمیل سے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ آدمی میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے اور اس کی تکمیل ہوتی ہے کم کھانا، کم بولنا، کم سونا اور لوگوں سے کم میل جول رکھنا۔

ملفوظ۔ ایک مرتبہ سعی کوشش کے بارے میں بات چلی۔ سلطان المشائخ نے دوران گفتگو فرمایا۔ قطعہ:

گرچہ ایزد دہد ہدایتِ دیں
بندہ را اجتہاد باید کرد
نامۂ کاں بہ حشر خواہی خواند
ہم ازینجا سواد باید کرد

(ترجمہ) اگرچہ دین کی ہدایت حق تعالیٰ ہی عنایت فرماتے ہیں (لیکن) بندے کو خود بھی کوشش کرنی چاہیے۔ وہ نامۂ عمل جو تو قیامت کے دن پڑھے گا اسے یہیں تحریر کر لینا چاہیے (یعنی نیک کام کرنے کی کوشش کرے)

ملفوظ۔ ایک مرتبہ ترکِ دنیا سے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے نماز، روزہ، تسبیح اور اوراد بھی ضروری ہیں لیکن اصل ضرورت گوشت کی ہوتی ہے اور گوشت سے مراد ترکِ دنیا ہے۔ نماز اور روزے کی حیثیت مصالحے کی سی ہے۔ پس درویش کو چاہیے کہ پہلے دنیا کو ترک کرے تاکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دروازہ کھل جائے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ گھی، مرچ، پیاز اور لہسن کو

پانی کے ساتھ ہانڈی میں ڈال دیں اور اس کا رومی شوربا بنائیں جو مریضوں کو دیتے ہیں لیکن اصل شوربا تو گوشت کا شوربا ہوتا ہے دوسری چیزیں ہوں یا نہ ہوں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ترکِ دنیا یہ نہیں ہے کہ آدمی کپڑے اتار کر لنگوٹہ باندھ لے ترکِ دنیا یہ ہے کہ آدمی کپڑے بھی پہنے، کھانا بھی کھائے لیکن جو کچھ اسے دیا جائے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اپنا دل اس کے جمع کرنے سے [۲۶۴] اٹھا لے اور مال و دولت کی ہوس میں مبتلا نہ ہو۔ جو شخص اپنا خیال مال واسباب سے ہٹا لیتا ہے اسے ان سے بہتر چیز حاصل ہوتی ہے۔

ملفوظ۔ ایک مرتبہ اسرارِ الٰہیہ کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے اگر کوئی اس کے رازوں کو ظاہر کر دے تو اس کی تشہیر نہیں کرنی چاہیے۔ جیسے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا راز بتائے اور وہ کسی تیسرے شخص پر اس راز کو ظاہر کر دے تو اس صورت میں دونوں کے دوستانہ تعلقات میں ایک حجاب حایل ہو جائے گا۔ درمیان میں امیر حسن دہلوی نے عرض کیا اس کی کیا توجیہہ ہوگی کہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ اسرارِ الٰہیہ اکثر زبان پر لے آتے تھے اور حکایت و کرامات ظاہر کر دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بعض اوقاتْ اولیا پر شوق غالب آجاتا ہے تو وہ سکر کی حالت میں دوست کے راز افشا کر دیتے ہیں لیکن جو مردانِ کامل ہوتے ہیں وہ قوتِ ضبط سے کام لے کر اسرارِ الٰہیہ کو اپنے سینوں میں چھپائے رکھتے ہیں اور زبان پر نہیں لاتے، مرداں ہزار دریا خوردند و تشنہ رفتند یعنی اہل ہمت ہزاروں دریا پی جاتے ہیں اور پیاسے ہی رہتے ہیں۔

ملفوظ۔ ایک مرتبہ طاعت سے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا طاعت دو طرح کی ہوتی ہے ایک طاعتِ لازمی اور دوسری طاعتِ متعدّی۔ طاعتِ لازمی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا فائدہ صرف اسی ایک طاعت گزار کو ہوتا ہے اور وہ نماز اور روزہ ہے یا وہ طاعت جو من جملہ عبادات ہے۔ طاعتِ متعدّی یہ ہے کہ اس کو ادا کرنے سے دوسرے کو راحت حاصل ہو جیسے زکوٰہ و صدقات یا اس کی مثل دیگر اعمال۔ اس طاعت میں عام فائدہ ہے اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے پھر طاعت لازمی کے لیے قلبی اخلاص درکار ہے (تاکہ وہ قبول ہو) لیکن طاعتِ متعدّی کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ اخلاص ہو یا نہ ہو ثواب ضرور حاصل ہوتا ہے۔

ملفوظ۔ ایک مرتبہ، خطرہ عزیمت اور فعل کا ذکر ہونے لگا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا پہلے خطرہ ہوتا ہے یعنی کوئی خیال جو دل میں آتا ہے پھر عزیمت ہے یعنی دل چاہتا ہے کہ

اس پر عمل کیا جائے۔ تیسری حالت فعل ہے (یعنی خیال اور ارادے کی تکمیل) فعل کے لیے "خطرہ" اور "عزیمت" درکار ہوتے ہیں لیکن جو خواص ہیں [۲۶۵] ان کا مواخذہ محض دل میں خطرہ گزرنے پر کیا جاتا ہے۔ عام لوگوں کا خطرہ جب تک صورتِ فعل میں نہیں آتا اسے نامۂ اعمال میں بھی نہیں لکھتے۔ پس درویش کے لیے ضروری ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے تینوں حالتوں کے لیے پناہ مانگتا رہے اور لاحول پڑھتا رہے۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر اکثر فرماتے تھے کہ میرے دل میں ایسا کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوا جس کے فعل کے ساتھ مجھے متہم نہ کیا گیا ہو، حالانکہ میں نے اس خطرے پر کبھی عمل کرنا نہیں چاہا۔ سلطان المشائخ نے اس سلسلے میں یہ واقعہ بیان فرمایا۔ ایک مرتبہ شیخ ابوسعید ابوالخیر کی خانقاہ میں ایک کامل درویش آئے۔ شیخ نے جب درویش کے کمال کو دیکھا تو اپنی صاحبزادی کو حکم دیا کہ جب افطار کا وقت ہو تو تم درویش کے سامنے پانی کا کوزہ رکھنا۔ اگرچہ شیخ کی صاحبزادی کم عمر تھی لیکن اس نے کمال ادب سے پانی درویش کے سامنے رکھا۔ درویش پانی کا کوزہ لے کر چلے گئے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کو اپنی بیٹی کا حسنِ ادب پسند آیا اور ان کے دل میں خیال گزرا کہ وہ کون خوش نصیب شخص ہوگا جو اس لڑکی سے نکاح کرے گا۔ اسی وقت جب کہ شیخ کے دل میں یہ خیال آیا تھا انھوں نے حسن موذن کو بازار بھیجا کہ وہاں جو خبریں گشت کر رہی ہیں انھیں معلوم کر کے آئے۔ جب خادم بازار سے واپس آیا تو اس نے شیخ کو بتایا کہ بازار میں ہر شخص دوسرے شخص سے کہہ رہا تھا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے اپنی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ شیخ نے جب یہ بات سنی تو ہنسے اور فرمایا کہ اس ایک خطرے پر میری گرفت ہوئی اور اس تہمت سے میرا مواخذہ کیا گیا۔ رحمتہ اللہ علیہ

ملفوظ۔ ایک مرتبہ معجزے اور کرامت کے باب میں گفتگو تھی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا چار چیزیں ہیں۔ معجزہ کرامت، معونت اور استدراج۔ معجزہ وہ ہے جس کا اظہار انبیا کرتے ہیں۔ کرامت وہ ہے جو اولیا سے صادر ہوتی ہے۔ معونت وہ ہے جو بعض مجنون لوگوں سے بطور خرقِ عادت ظاہر ہوتی ہے۔ استدراج وہ ہے جو جادوگروں اور کافروں سے صادر ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ کھانے سے متعلق ذکر آگیا [۲۶۶] سلطان المشائخ نے فرمایا درویش کو چاہیے کہ اگر کوئی شخص اس کے پاس آئے تو سلام کے بعد اس کے سامنے کھانا رکھے اس کے بعد باتیں کرے، جیسا کہ کہا گیا ہے "ابتداء بالسلام ثم بالطعام ثم بالکلام" (پہلے سلام، پھر

کھانا، پھر کلام)

ملفوظ۔ ایک بار آپ کی مجلس میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جو بر بنائے غرور اور ریا روزہ رکھتے ہیں اور طے کرتے ہیں (مسلسل روزے رکھتے ہیں) سلطان المشائخ نے اس سلسلے میں شعر پڑھا:

لنگہت گر کند ترا فربہ

سیر خوردن ترا زلنگہن بہ

(ترجمہ) اگر تیرا روزوں کا فاقہ تجھے موٹا کرتا ہے (تیرے نفس کو موٹا کرتا ہے) تو تیرا پیٹ بھر کر کھانا روزے سے بہتر ہے

ملفوظ۔ ایک دفعہ ان لوگوں کا ذکر ہوا جو کرامت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے کشف کی تشہیر کرتے ہیں۔ سلطان المشائخ نے اس سلسلے میں فرمایا درویش کے لیے یہ بات ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اپنے کشف و کرامات کی تشہیر کرے جیسا کہ کہا گیا ہے "فرض اللہ تعالیٰ کتمان الکرامت علیٰ اولیائہ کما فرض علیٰ انبیائہ اظہار المعجزۃ" یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیا پر کرامت کا چھپانا اسی طرح فرض کیا ہے جس طرح اپنے نبیوں پر معجزے کا اظہار فرض کیا ہے۔ پس اگر درویش لوگوں میں اپنی کرامت ظاہر کرتا ہے تو فرض ترک کرتا ہے اور ترقیٔ درجات کا نقصان کرتا ہے نیز ایسی کوشش کرتا ہے جس کا کوئی نفع نہیں۔ سلوک کے سو درجے ہیں ان میں سترھواں درجہ کشف و کرامات کا ہے اگر سالک اسی درجے میں مقید ہو گیا تو باقی کے تراسی درجوں میں ترقی کرنے سے محروم رہے گا۔

ملفوظ۔ ایک بار ان لوگوں کے بارے میں گفتگو ہونے لگی جن کے مزاج میں جلد تغیّر پیدا ہوتا ہے اور ناخوش رہتے ہیں۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جس شخص کی طبیعت لطیف ہوتی ہے اس میں جلد جلد تغیّر پیدا ہوتا رہتا ہے اور خود کو آسانی میں بھی پریشان محسوس کرتا ہے:

آنم کہ بہ نیم ذرّہ ناخوش گردم

وز نیمۂ نیم ذرّہ دل خوش گردم

(ترجمہ) میں وہ ہوں کہ نصف ذرّے سے ناخوش ہو جاتا ہوں اور اس نصف ذرّے کے نصف سے خوش ہو جاتا ہوں۔

ملفوظ۔ ایک دفعہ بادشاہوں کی تلون مزاجی کا ذکر ہوا۔ سلطان المشائخ نے فرمایا رسول علیہ السلام روایت فرماتے ہیں کہ کلمات قدسیہ (حدیثِ قدسی) میں سے ایک یہ ہے [۲۶۷] "قلوب الملوک بیدی" یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، مطلب یہ ہے کہ جب لوگوں کے دل میرے ساتھ ہوتے ہیں تو میں بادشاہوں کو ان پر مہربان کر دیتا ہوں اور جب لوگوں کے دل مجھ سے پھر جاتے ہیں تو میں بادشاہوں کے دل سخت کر دیتا ہوں اور وہ مصیبتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ پس اس اعتبار سے ہر وقت اپنی نظر اللہ تعالیٰ پر رکھنی چاہیے اور نیک و بد سب اسی کی طرف سے سمجھنا چاہیے۔

ملفوظ۔ ایک بار عرس سے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ عرس کے معنی ہیں "شادی کی رسم کرنا" نیز رات کے وقت قافلے کا منزل پر ڈیرہ ڈالنا۔

ملفوظ۔ ایک مرتبہ نذرانے قبول کرنے کے باب میں گفتگو ہونے لگی۔ سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص درویش کے پاس کوئی چیز لے آئے تو اسے قبول کر لے اور انکار نہ کرے۔ ایک بار رسول علیہ السلام نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی چیز عطا فرمائی انھوں نے عذر پیش کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اس چیز کی حاجت نہیں ہے کسی ضرورت مند کو عطا فرمائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمر اگر کوئی شخص بغیر مانگے کوئی چیز تمھیں دے تو اسے قبول کر لو اور انکار نہ کرو۔

ملفوظ۔ ایک وقت سلطان المشائخ کی مجلس میں سست اعتقاد لوگوں کا ذکر ہوا کہ یہ لوگ خانہ کعبہ کی زیارت کو جاتے ہیں اور جب واپس آتے ہیں تو پھر دنیا کے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں اس بندے (امیر حسن) نے عرض کیا کہ بندے کو ایسے شخص پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور پھر کسی اور طرف چلا جاتا ہے۔ جس وقت بندے نے یہ گزارش کی اس وقت ملیح جو بندے کا دوست ہے موجود تھا۔ بندے نے عرض کی کہ ایک بار اس عاجز نے ان ملیح سے ایک بات سنی تھی وہ یہ کہ حج کو وہ شخص جاتا ہے جس کا پیر نہیں ہوتا۔ سلطان المشائخ نے یہ بات سنی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور زبان مبارک سے ارشاد فرمایا

آں رہ بسوئے کعبہ بر دویں بسوئے دوست

وہ راستہ کعبے کو جاتا ہے اور یہ راستہ دوست کی طرف جاتا ہے

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک بار مجھے حج پر جانے کا بے حد اشتیاق ہوا۔ میں نے کہا کہ میں

حضرت شیخ الاسلام [۲۶۸] شیخ فریدالدین گنج شکر کے مزار پر جاتا ہوں جب میں اجودھن حاضر ہوا تو جو کچھ میرا مقصود تھا مجھے حاصل ہو گیا۔

ملفوظ۔ فوایدالفواد میں حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک روز سلطان المشایخ اپنے سجادہ کرامت پر تشریف فرما تھے کہ ایک شخص سیاح آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس اثناء میں وحیدالدین قریشی بھی حاضر ہوئے اور جیسا کہ مریدین کا دستور تھا انھوں نے قدم بوسی کی اور اپنا سر زمین پر رکھا۔ اس مرد سیاح نے بلند آواز سے کہا سجدہ نہ کرو۔ یہ عمل روایتوں میں نہیں آتا ہے اور اس باب میں بحث مباحثہ اور غلو کرنے لگا۔ سلطان المشایخ نے فرمایا اے عزیز زیادہ زور نہ دکھاؤ اور غور سے سنو۔ ہر وہ چیز جو فرض ہوتی ہے اگر اس کی فرضیت ختم ہو جائے تو اس کا مستحب ہونا باقی رہتا ہے، جیسے ایام بیض اور ایام عاشورہ کے روزے گزشتہ امتوں پر فرض تھے۔ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ آیا تو رمضان المبارک کے روزے فرض ہو گئے اور ایام بیض اور ایام عاشورہ کی فرضیت جاتی رہی، تاہم ان کا مستحب ہونا باقی رہا۔ اب سجدۂ تعظیم کی طرف آتے ہیں جو گزشتہ امتوں میں مستحب تھا جیسے رعیت بادشاہ کو، شاگرد استاد کو اور امت اپنے نبی کو سجدہ کرتی تھی۔ اب جب کہ اس کا مستحب ہونا ختم ہو گیا تو اباحت باقی رہی۔ تم نے جو اس امر کا انکار کیا اس کی گنجائش کہاں ہے۔ تمہارا انکار بے جا ہے۔ وہ سیاح اس جواب سے نادم ہوا اور خاموش ہو گیا[1]

ملفوظ۔ ایک مرتبہ خلقِ خدا کی فائدے کی بات ہو رہی تھی۔ سلطان المشایخ نے فرمایا حکما کہتے ہیں کہ ان تین باتوں پر عمل کیا جائے اور کسی دوسرے کو عمل کی ترغیب نہ دی جائے۔ ایک سر منڈوانا، دوسرے کھانے سے پہلے شوربا پینا، تیسرے پاؤں کے تلووں میں تیل ملنا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ حکما کا قول ہے کہ ان باتوں کا فائدہ دوسروں کو نہ بتایا جائے لیکن درویش کو [۲۶۹] چاہیے کہ ہر وہ بات جس سے مخلوق کو نفع پہنچتا ہے ہر ایک کو بلا تکلف بتائے۔

ملفوظ۔ ایک مرتبہ تراویح کی نماز کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ سلطان المشایخ نے فرمایا کہ تراویح پڑھنا سنت ہے اور تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا بھی سنت ہے خواہ ایک رات میں ختم کرے یا تیس راتوں میں ختم کرے یا سنے۔ تراویح میں نماز باجماعت سنت ہے۔ اس درمیان میں امیر حسن نے عرض کیا کہ یہ نماز رسول علیہ السلام کی سنت ہے یا

صحابہ کی سنّت ہے آپ نے فرمایا صحابہ کی سنت ہے، رضی اللہ عنہم لیکن ہمارے نبی علیہ السلام نے ایک رات پڑھی تھی ایک دوسری روایت میں ہے تین رات پڑھی تھی۔ اس پر ہمیشہ اور مسلسل عمل کرنا حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ کی سنّت ہے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے دریافت کیا، کیا سنّتِ صحابہ کو بھی سنّت کہا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حنفی مذہب میں اسے بھی سنّت کہتے ہیں لیکن امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ صرف رسول علیہ السلام کی سنّت کو سنّت کہتے ہیں۔

ملفوظ۔ ایک مرتبہ کرامت سے متعلق گفتگو تھی۔ سلطان المشایخ نے فرمایا درویش کو چاہیے کہ کرامت ظاہر نہ کرے کیوں کہ یہ اچھا کام نہیں ہے اور اس میں کسی طرح کی بھلائی نہیں ہے چنانچہ یہ حکایت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ ابوالحسن نوری قدس سرّہ دجلہ کے ساحل پر گئے وہاں آپ نے ایک ماہی گیر کو دیکھا آپ نے اس سے فرمایا کہ اپنا جال دجلہ میں پھینک اگر میں صاحبِ کرامت ہوں تو تیرے جال میں اڑھائی من یا کم و بیش وزن کی مچھلی پھنسے گی۔ ماہی گیر نے اپنا جال دریا میں پھینکا اس میں جو مچھلی پھنسی اس کا وزن اڑھائی من تھا۔ ماہی گیر اور خلق اللہ اس کرامت پر حیران تھے۔ جب یہ خبر خواجہ جنید قدس سرّہ نے سنی تو فرمایا کاش اس جال میں سانپ ہوتا جو ابوالحسن نوری کو ڈس لیتا اور ہلاک کر دیتا۔ لوگوں نے کہا آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں خواجہ نے اگر سانپ اسے ڈس لیتا تو اسے زندگی سے رہائی مل جاتی۔ اب جب کہ ایسا نہیں ہوا مجھے معلوم نہیں کہ اس بے عقلی کے ساتھ اس کا انجام کیا ہوگا اور کس طرح ہوگا اور آخر میں وہ [۲۷۰] کس بلا میں گرفتار ہوگا۔

ملفوظ۔ ایک مرتبہ اسراف سے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ سلطان المشایخ نے فرمایا جو کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے وہ فضول خرچی نہیں ہے۔ فضول خرچی وہ ہے کہ محض اپنی ذات پر صَرف کرے خواہ ایک درم ہو۔ اسی سلسلے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت خرچ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ بخیلوں میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ حدیث پڑھی "لاخیر فی الاسراف" یعنی اسراف میں ہرگز کوئی بھلائی نہیں ہے۔ شیخ ابوسعید نے جواب دیا "لااسراف فی الخیر" یعنی بھلائی کے کاموں میں دولت صَرف کرنا اسراف نہیں ہے۔

ملفوظ۔ ایک بار گفتگو ہونے لگی کہ تائب اور متقی میں کیا فرق ہے اور ان دونوں

میں سے بہتر کون ہے۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ گزشتہ امتوں میں دو شخصوں کے درمیان اس مسئلے پر بحث چھڑ گئی۔ بات یہاں تک پہنچی کہ دونوں اس زمانے کے نبی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیصلہ فرمانے کے لیے عرض کیا پیغمبر نے فرمایا تم دونوں رات کو ایک جگہ قیام کرو جب صبح ہو تو سب سے پہلا شخص جو تمہارے سامنے آئے اس سے اس مسئلے کے بارے میں دریافت کرو۔ دونوں نے پیغمبر وقت کے حکم کی تعمیل کی رات ایک ہی جگہ قیام کیا صبح ہوئی تو باہر نکلے انھوں نے ایک شخص کو آتا ہوا دیکھا اس کے پاس پہنچے اور کہا اے خواجہ ہمیں ایک مشکل ہے اگر آپ اسے حل کر دیں تو بہتر ہے۔ اس نے کہا جو پوچھنا ہے پوچھو ایسی کیا مشکل ہے دونوں نے کہا، اے خواجہ مسئلہ یہ ہے کہ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ایک شخص ہے جس نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے گناہ کیے اور توبہ کر لی۔ اس شخص نے کہا یارو میں تو ایک جولاہا ہوں بے پڑھا میں یہ مسئلہ کیسے حل کر سکتا ہوں البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جب میں کپڑا بُنتا ہوں تو اس میں بہت سے تار ہوتے ہیں جو کپڑا بنتے وقت نہیں ٹوٹتے اور ٹھیک رہتے ہیں وہ ان تاروں سے بہتر ہوتے ہیں جو ٹوٹ جاتے ہیں اور میں انھیں جوڑ کر ٹھیک کرتا ہوں مطلب یہ کہ متقی تائب سے بہتر ہوتا ہے۔۲۔ جان لیں کہ متقی وہ ہے جس سے کبھی کوئی گناہ [۲۷۱] سرزد نہیں ہوا، اور تائب وہ ہے کہ جس نے بہت سے گناہ کیے بعد میں توبہ کر لی۔

ملفوظ۔ ایک مرتبہ خرقے کے اعتبار سے متعلق گفتگو تھی۔ سلطان المشائخ نے مثال میں یہ حکایت بیان فرمائی۔ لوگوں نے خواجہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا خرقے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اگر خرقے کا اعتبار ہوتا تو تمام خرقہ پوش چھوٹے بڑے گناہوں سے مبرا ہوتے۔ بہت سے خرقہ پوش ہیں جن سے ایسے اپنے گھناؤنے افعال سرزد ہوتے ہیں جو درویشوں کی شان سے فروتر ہیں۔ کل روز قیامت یہی خرقہ ان کے لیے بدعت بن جائے گا اور وہ عذاب دوزخ کے لائق ہو جائیں گے اور بہت سے قباپوش درویش صفت ہیں جو اُن خرقہ پوشوں سے پہلے جنت میں بھیجے جائیں گے وہ جنت کی سیر کریں گے۔ پس اس مقام سے معلوم ہوا کہ خرقے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اعتبار اس شخص کا ہے جو خرقے کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے۔ جنید بغدادی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "لااعتبار فی الخرقتہ انما الاعتبار فی الحرقہ" یعنی خرقے کا کوئی اعتبار نہیں

ہے بلکہ اس صاحب خرقہ کا اعتبار ہے جس نے خود کو عشق الٰہی کی آگ میں جلادیا ہے اور دنیا کی برائیوں میں ملوث نہیں ہوا۔

الحمدللہ کہ یہ تالیف شریف اپنے اتمام کو پہنچی اور اس تصفیف لطیف کا اختتام ہوا۔

مولف کہتا ہے۔

شکر صد شکر کہ ایں نامہ باتمام رسید — توشۂ عاقبتِ من بسر انجام رسید

ہوسم بود پس از من بہ جہاں ماند نقش — شکرللہ ہوسم زود بانجام رسید

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ہے کہ یہ تحریر تمام ہوئی یہ میرا توشۂ عاقبت ہے جو آخرت تک پہنچ گیا۔ میری خواہش تھی میرے بعد میری کوئی نشانی دنیا میں باقی رہے سو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ خواہش پوری ہو گئی۔

شکرِ خدا کہ نامۂ من اختتام یافت

ہر سطرِ ایں چو سلکِ گہر انتظام یافت

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری اس تحریر نے اختتام پایا اس کی ہر سطر ایسی ہے جیسے موتیوں کی لڑی ہو

حواشی مطلب ہفدہم

۱۔ مطلوب الطالبین میں یہ ملفوظ گرامی یہیں ختم کر دیا گیا ہے۔ ملفوظ کا یہ حصہ سلطان المشایخ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہ کے تبحر علم اور اسلوب بحث کا مظہر ہے لیکن آپ کی محبوبیت کا شاہد صادق اسی ملفوظ گرامی کا دوسرا حصہ ہے۔

"خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے یہ حکایت ختم کرنے کے بعد فرمایا کہ میں پشیمان ہوا کہ میں نے یہ بات اس سے کیوں کہی ممکن ہے اس کا دل ٹوٹا ہو مجھے اس سے یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ اس سلسلے میں دو چیزوں سے پشیمان ہوا ایک یہ کہ میں نے اس سے یہ بات کیوں کہی کہ وہ لاجواب ہو گیا، دوسرے یہ کہ وہ مسافر تھا، مجھے یہ چاہیے تھا کہ اسے کچھ پیش کرتا۔ اگر میں اسے کوئی کپڑا یا رقم دیتا تو یہ اچھا تھا ان دو چیزوں کی وجہ سے مجھے پریشانی ہوئی۔"

ملاحظہ فرمائیں فوائد الفواد جلد چہارم مجلس ۳۰

۲۔ مطبوعہ فوائد الفواد (فارسی) اشاعت لاہور میں یہ عبارت ہے۔

"من مردی جولاہہ ام، علمی نخواندہ ام این مشکل راچگونہ حل کنم اما این قدر می دانم کہ جامہ کہ می بافتم تاری بسیاری گسلد من آں را پیوندی می کنم او محکم تری آید ازاں تاری کہ نہ گستہ باشد۔" جلد چہارم مجلس ۶۱ ص ۳۵۵

(ترجمہ) (اس شخص نے جواب دیا) میں ایک جولاہا شخص ہوں میں علم سے بے بہرہ ہوں۔ میں یہ مشکل کس طرح حل کر سکتا ہوں البتہ اس قدر ضرور جانتا ہوں کہ میں جو کپڑا بنتا ہوں اس میں بہت سے تار ہوتے ہیں جو ٹوٹ جاتے ہیں میں انھیں جوڑ دیتا ہوں وہ تار ان تاروں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں جو نہیں ٹوٹتے۔"

فوائد الفواد (فارسی) کے مرتب جناب محمد لطیف ملک ایم اے نے اس عبارت میں جو اختلاف نسخ ہے اس کی نشاندہی بھی کی ہے مطبع ہندو پریس دہلی ۱۸۶۵ء (نسخہ) کی عبارت یہ ہے۔

جامہ کہ من می بافم دراں تار بسیاری باشد بعضی تار کہ می گسلد من باز پیوند می کنم نزدیک من تار کہ نگستہ باشد بہتر از تاری کہ گستہ باشد و باز پیوند کنم

(ترجمہ) وہ کپڑا جو میں بنتا ہوں اس میں بہت سے تار ہوتے ہیں بعض تار ٹوٹ جاتے ہیں جنھیں میں پھر سے جوڑتا ہوں میرے نزدیک جو تار نہیں ٹوٹتا وہ ٹوٹے ہوئے تار سے جسے جوڑنا پڑتا ہے بہتر ہوتا ہے۔

غالباً پروفیسر محمد سرور جامعی مترجم فوائد الفواد کے پیش نظر مطبع ہندو پریس کا نسخہ تھا۔ چنانچہ ان کے ترجمے میں عبارت نمبر ۲ کا مفہوم ہے ملاحظہ فرمائیں فوائد الفواد (اردو ترجمہ) لاہور طبع دوم ۱۹۸۰ء ص ۳۹۶۔ حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ کے ایک ملفوظ کے مطابق متقی اور تایب دونوں برابر ہوتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں فوائد الفواد (اردو ترجمہ) جلد اول مجلس اول ص ۴۳۔۴۴

کتابیات

کتاب	مصنف	مقام و سال
۱۔ احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر	اردو ترجمہ The life & times of Friduddin Ganj Shakar. Dr.K.A.Nizami مترجم قاضی محمد حفیظ اللہ	لاہور ۱۹۸۳ء
۲۔ اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اردو ترجمہ از مولانا سبحان محمود و مولانا محمد فاضل	کراچی سال اشاعت ندارد
۳۔ اسناد	مرشدی مولانا ڈاکٹر غلام محمدؒ	کراچی ۱۹۷۹ء
۴۔ بوستان	شیخ سعدیؒ	تہران ۱۳۶۸ش اشاعت ہفتم
۵۔ تاریخ التشریع الاسلامی	علامہ محمد الخضری اردو ترجمہ، مولانا عبدالسلام ندوی	اسلام آباد سال اشاعت ندارد
۶۔ تاریخ تصوف در اسلام	ڈاکٹر قاسم غنی	تہران ۱۳۴۰ش اشاعت دوم
۷۔ تاریخ دعوت و عزیمت	مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی	کراچی ۱۹۷۹ء اشاعت پنجم
۸۔ تذکرۃ الاولیا جلد دوم	شیخ فرید الدین عطارؒ	تہران ۱۳۳۶ء اشاعت پنجم
۔	اردو ترجمہ مولانا زبیر افضل عثمانی	کراچی ۱۹۷۵ اشاعت سوم
۹۔ تذکرہ علمائے ہند (فارسی)	مولوی رحمان علی	لکھنؤ ۱۹۱۴ء اشاعت دوم
	اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری	کراچی ۱۹۶۱ء اشاعت اوّل
۱۰۔ تصوف (حصّہ اوّل)	ڈاکٹر سیّد وحید اشرف	فیض آباد (بھارت) ۱۹۸۸ء
۱۱۔ تقویم ہجری و عیسوی	ابوالنصر محمد خالدی	کراچی ۱۹۷۴ء اشاعت سوم
۱۲۔ جوامع الکلم	ملفوظات سیّد بندہ نواز گیسو درازؒ مترجم پروفیسر معین الدین دردائی	کراچی ۱۹۸۰ء

کتاب	مصنف / مترجم	مقام و سن اشاعت
۱۳۔ حضرت محبوب الٰہیؒ	علامہ اخلاق حسین دہلوی مرحوم	لاہور ۱۹۸۵ء
۱۴۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ حیات و تعلیمات	پروفیسر حبیب	دہلی ۱۹۷۲ء اشاعت اوّل
۱۵۔ خیر المجالس (فارسی)	حمید قلندر شاعر مرتبہ ڈاکٹر خلیق احمد نظامی	علی گڑھ ۱۹۵۹ء
۱۶۔ دائرۃ المعارف اسلامیہ	جلد ۹-۱۱	لاہور
۱۷۔ ذکر جمیع اولیائے دہلی	حبیب اللہ اردو ترجمہ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی	ٹونک راجستھان (بھارت) ۱۹۸۷ء
۱۸۔ رسالہ ابدالیہ	حضرت یعقوب چرخیؒ	اسلام آباد ۱۹۷۸ء
۱۹۔ سبع سنابل (فارسی)	میر عبد الواحد بلگرامی	کانپور (بھارت) ۱۲۹۹ء
۲۰۔ سرچشمۂ تصوف در ایران	سعید نفیسی	تہران ۱۳۴۳ ش
۲۱۔ سرّ دلبراں	شاہ محمد ذوقیؒ	کراچی ۱۳۷۱ھ اشاعت اوّل
۲۲۔ سیر الاولیا (فارسی)	امیر خورد کرمانی	لاہور ۱۹۷۸ء
	اردو ترجمہ مولانا اعجاز الحق قدوسی	لاہور ۱۹۸۶ء اشاعت دوم
۲۳۔ سیر العارفین	حامد بن فضل اللہ جمالی اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری	لاہور ۱۹۸۹ء اشاعت دوم
۲۴۔ طریقۂ چشتیہ در ہند و پاکستان	ڈاکٹر غلام علی آریا	تہران ۱۳۶۵ ش
۲۵۔ عوارف المعارف	حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اردو ترجمہ شمس بریلوی	کراچی ۱۹۸۹ء اشاعتِ دوم
۲۶۔ غبار خاطر	مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم مرتبہ مالک رام	دہلی ۱۹۶۷ء
۲۷۔ فوائد الفواد (فارسی)	امیر حسن سجزیؒ	لاہور ۱۹۶۶ء
	اردو ترجمہ پروفیسر محمد سرور جامی	لاہور ۱۹۸۰ء اشاعت دوم

۲۸۔ فہرست عربی مخطوطات جلد سوم رضا لائبریری رام پور (بھارت)
۲۹۔ فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ گنج بخش اسلام آباد
جلد دوم، سوم، چہارم
۳۰۔ قوام العقاید محمد جمال قوامؒ دہلی ۱۹۹۴ء
اردو ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
۳۱۔ کشف المحجوب (فارسی) حضرت علی ہجویریؒ لاہور ۱۹۶۸ء
۳۲۔ کلمات الصادقین (فارسی) محمد صادق دہلوی کشمیری ہمدانی اسلام آباد ۱۹۸۸ء
۳۳۔ لطایف اشرفی نظام یمنی کراچی سال اشاعت ندارد
اردو ترجمہ مشیر احمد علوی کاکوروی
۳۴۔ مروج الذہب ابی الحسن علی بن الحسین مسعودی قاہرہ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء
۳۵۔ معارج النبوۃ ملا معین واعظ کاشفی لاہور ۱۹۷۷-۷۸ء
اردو ترجمہ حکیم محمد اصغر فاروقی
۳۶۔ نقد ملفوظات ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لاہور ۱۹۸۹ء

The life and times of Shaikh Nizamuddin Auliya
Dr. Khaliq Ahmad Nizami Delhi 1991

مطبوعاتِ سلسلۂ عالیہ نظامیہ

مولفہ: ڈاکٹر اسلم فرخی

نظام رنگ

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کا ادبی خاکہ

صاحب جی سلطان جی

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہیؒ اور سلاطینِ دہلی کے تعلقات کا تاریخی جائزہ

فریدؒ و فردِ فریدؒ

شیخ کبیر شیخ فرید الدین مسعودؒ اور شیخ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہیؒ کے روحانی سفر کی روداد

BOOK SUPERMARKET

4, Mama Parsi Building, Urdu Bazar, Karachi-74200. Pakistan.
2633853-51 Fax: 2633887. email:fazlee@tarique.khi.sdnpk.undp.org

دبستان نظامؒ

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے

دبستان علم و ادب کا تفصیلی جائزہ

ادب۔ تنقید۔ تاریخ اور تحقیق کا دلکش امتزاج

حضرت امیر خسروؒ۔ خواجہ حسن سنجریؒ۔ خواجہ ضیاالدین برنیؒ

امیر خورد اور بعض دوسرے نظامی ادیبوں اور شاعروں کے فکر و فن کا

خوش رنگ مرقع

حضرت سلطان المشائخ کے سچے عقیدت مند ڈاکٹر اسلم فرخی نے یہ مرقع سجا کر

علم۔ عقل اور عشق کے جذب و کیف کو نمایاں کیا ہے۔

پانچ سو صفحات۔ خوش نما سرورق۔ اعلیٰ طباعت

ہدیہ۔ چار سو روپے

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کے ارشادات گرامی

"مجھے واقعہ میں (خواب میں) ایک کتاب دی گئی' جس میں لکھا ہوا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچا' کیوں کہ مومن کا دل اسرارِ ربوبیت کا محل ہے۔ قیامت کے بازار میں تالیفِ قلوب اور مسلمانوں کے دلوں کو راحت و آسایش پہنچانے کے مقابلے میں کوئی (امر) مروّج اور قیمتی نہ ہوگا۔"

(سیر الاولیا' حالات سلطان المشائخ۔ نکتہ نہم)

"فرمایا اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی (جواب میں) کانٹا رکھو تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے (برائی پھیلتی جائے گی) عوام میں یہ دستور ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھائی اور بُروں کے ساتھ برائی' لیکن درویشوں میں یہ طریقہ ہے کہ اچھوں کے ساتھ اچھے اور بُروں کے ساتھ بھی اچھے۔

(فوائد الفواد۔ جلد دوم' پینتیسویں مجلس۔ ۲۶ ربیع الاول ۷۰۹ھ)

ISBN 969-...-025-8

Price Rs: 200/-